ریاست
سیاست اور قیادت

بریگیڈیئر حامد سعید اختر (ریٹائرڈ)

www.KitaboSunnat.com

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

945

ریاست سیاست اور قیادت

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

MFN
12469

DATA ENTRY

ریاست، سیاست
اور
قیادت

945

SEERAH LIBRARY
Institute of Islamic Studies
University of the Punjab Lahore.

بریگیڈیئر حامد سعید اختر (ریٹائرڈ)

شام کے بعد پبلیکیشنز ۱۳۔اے بہاولپور روڈ ٥ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہتمام اشاعت

امیر

سمیر

جملہ حقوق محفوظ

یکم جنوری 2002ء

ناشر : فرحت عباس شاہ

سرورق : خواجہ افضل

تخلیقی مشاورت: تحریم حامد

قیمت:

-/200روپے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

945

انتساب

اپنی والدہ محترمہ کے نام
جنہوں نے مجھے کتاب کی دنیا سے روشناس کرایا

اور

اساتذۂ کرام کے نام
جنہوں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

○ "ریاست سیاست اور قیادت" ایک اہم کتاب — اعتزاز احسن

○ دیدۂ حیراں

باب اول

پاکستان اور عالمی سیاست

1- عالمی بساط پر پاکستانی مہرے کو درپیش خطرات — 19

2- قومیت پرستی کی نئی لہر — 34

3- ملے گی اسکے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ — 38

4- ٹوٹے تری افسردہ کیا وحشت دل کو — 42

باب دوم

افواج پاکستان اور سیاست

5- کربِ آگہی — 49

6- فوج کا آئینی کردار — 54

7- فوج کا آئینی کردار اور عوامی توقعات — 56

8- مارشل لا کا نفاذ' سیاسی اور نفسیاتی عوامل — 60

9- زمینی حقائق اور خواہشات کے گھوڑے — 71

10- ایکشن ری پلے — 77

11- لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی — 81

12- سوالیہ نشان — 85

باب سوم

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

13- کچھ بھی تو نہیں بدلا — 91

14- حسنِ تعبیر — 94

15- عرفانِ ذات — 97

16- اثباتِ ذات — 100

17- فکری انتشار میں مبتلا صحافت کے علمبردار — 103

18- لامارشل لا — 107

19- سیاسی شفاخانے اور گردہ فروش انتظامیہ — 110

20- اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ افکار — 115

باب چہارم

دفاعی امور

21- ایٹمی دھماکہ' امکانات اور خدشات — 121

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

-22	وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسل نہ جائے	127
-23	ایٹمی دھماکے' ہماری منزل یا نشانِ منزل	133
-24	سی ٹی بی ٹی' چند تیکھے سوالات اور منطقی نتائج	138
-25	چیستان کارگل کیا کھویا کیا پایا	149
-26	معرکۂ کارگل کچھ مزید توجہ طلب پہلو	160
-27	کشمیر' پاکستان کی شہ رگ	167
-28	ملے گے اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ	170

باب پنجم

قومیتوں کا مسئلہ

-29	مسلم قومیت اور مہاجر	177
-30	ایم کیو ایم۔ شاخِ نازک پر بننے والا آشیانہ	186
-31	ایم کیو ایم۔ طویلے کی بلا بندر کے سر	206

باب ششم

دین اور سیاست

-32	تباہ حال معیشت اور دفاع کے تقاضے	213
-33	یتیم معاشرہ اور اندازِ حکمرانی	218
-34	تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں	224
-35	قومی مفادات اور مصلحت کے تقاضے	228
-36	جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ	234

باب ہفتم

قیادت اور سیاست

-37	قومی مفاد اور حکومتی اقدامات	241
-38	مسلم لیگی حکومت کو باوقار رویہ اختیار کرنا چاہئے	246
-39	تقدیر کا جبر یا شامتِ اعمال	249
-40	آئین قانون اور انصاف منطق کی کسوٹی پر	252
-41	کیا ہم ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہیں؟	263
-42	عوامی رابطے کا فقدان اقوام	263
-43	افراد کے ہاتھوں میں ہے افراد کی تقدیر	266

باب ہشتم

مضامین جو شائع نہ ہو سکے

-44	فوج سے ہماری توقعات کیا ہیں؟	271
-45	دفاعی امور اور غیر محتاط صحافتی رویہ	277

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”ریاست‘ سیاست اور قیادت“ ایک اہم کتاب

ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم۔ پاکستان میں یہ روایت کم ہی نظر آتی ہے۔ تلوار بدست‘ اصحاب قلم کے نزدیک نہیں پھٹکتے اور قلمکار‘ تلوار والوں سے اجتناب کرتے ہیں ماسوائے جب کہ موخرالذکر اقتدار میں ہوں۔

اس پس منظر میں ہمارے ہاں ہتھیار برداروں کے وسیع قبیلے میں چند ہی قلم دوستوں کے نام آتے ہیں۔ شفیق الرحمٰن‘ کرنل محمد خاں‘ بریگیڈیئر اے آر صدیقی‘ بریگیڈیئر صدیق سالک اور جنرل کے ایم عارف ان چند میں نمایاں ہیں۔ یہاں میں نے عہد حاضر کے اردو ادب کے دو بڑے ناموں‘ فیض احمد فیض اور ضمیر جعفری کا نام اس لئے نہیں لیا کہ فوج کے ساتھ ایک تعلق کے باوجود انہوں نے کبھی ہتھیار نہیں تھامے تھے اور ان کا واحد ہتھیار ان کا قلم تھا۔

لہٰذا اس مختصر سی فہرست میں بریگیڈیئر حامد سعید اختر کا نام ایک نہایت ہی اہم اضافہ ہے۔ ”ریاست‘ سیاست اور قیادت“ کے نام سے آپ کے مضامین کا مجموعہ پاکستان کی سیاسی تجزیہ نگاری کی دنیا میں ایک اہم اور دلچسپ حیثیت کا حامل ہو گا۔

زیر نظر کتاب میں شامل کئے گئے پینتالیس مضامین بریگیڈیئر صاحب کے منفرد نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ نے مختلف نوعیت کے بہت سے مضامین پر طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً قومیت پرستی‘ سی ٹی بی ٹی‘ عالمی بساط پر پاکستان کا کردار‘ کرپشن‘ آئین اور قانون وغیرہ۔ اسی طرح آپ نے تاریخ کے سبق آموز واقعات کے حوالوں سے اپنے دلائل کو ٹھوس بنیادیں مہیا کی ہیں۔ قلم کی نوک تیکھی اور تحریر کا سٹائل سہل اور دلکش ہے اور جگہ جگہ انتہائی موزوں اشعار سے استفادہ کر کے مفہوم کی ادائیگی میں آسانی پیدا کی ہے۔

”ریاست‘ سیاست اور قیادت“ ایک اہم کتاب ہے۔ گذشتہ چند برسوں کے تمام اہم واقعات کے بارے میں مصنف کا بے لاگ تبصرہ آئندہ کے محققین اور مورخین کے لئے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معلومات اور ریفرنس کا بیش قیمت ذخیرہ مہیا کرے گا۔

مصنف کے ہر جملے اور مجموعی طور پر مصنف کے نظریات سے بہت سے قاری متفق نہیں ہونگے۔ مگر آپ کی صاف گوئی اور اظہار میں دیانت دل کو لبھاتی اور موہ لیتی ہے۔

افواج پاکستان سے مصنف کی بے پناہ اور جذباتی وابستگی فطری ہے اور "وفاداری بشرط استواری" کی مثال ہے۔ آخر کار آپ فوج کے ایک اعلیٰ منصب پر فائز رہے ہیں۔ اسی لئے شاید آپ کے نرم ترین جملے اس ادارے کے لئے، مخصوص اور سخت اور تلخ آراء سول افسر شاہی اور سیاستدانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستانی تاریخ کے زیرو بم سے بھرے ہوئے سفرنامے میں صرف افواجِ پاکستان کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے سول حکمرانوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> "اب یہ "باشعور" طبقہ اگر گھر کی دیواریں مسمار کرنا شروع کر دے تو گھر کا وہ فرد جس کی ذمہ داری بیرونی دشمنوں سے گھر کا دفاع کرنا ہے کیا محض اس لئے لاتعلق رہ سکتا ہے کہ پالیسی بنانا اس کا کام نہیں؟"

تاریخ شاہد ہے کہ پاکستان کی فوجی ہائی کمان سیاسی آلودگی کے حوالے سے اتنی معصوم بھی نہیں رہی۔ مگر ایک سیدھا دیکھنے اور سیدھا سوچنے والا صاف گو فوجی افسر جو قلم کے فن پر قدرت بھی رکھتا ہو۔ وہ اپنے ہی ادارے کی وکالت نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا؟ پاکستانی معاشرے کی دیرینہ اور صدیوں پرانی روایت ہے کہ ہمارے ہاں تحریر سے زیادہ تقریر کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہم خیالات، تصورات اور مشاہدوں کو ضبط تحریر میں لانے والی قوم ہی نہیں۔ یہاں ہر بات، ہر کام یہاں تک کہ شجرہ ہائے نسب بھی زبانی روایت میں ہی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ جو معدودے چند لکھنے والے باقی ہیں ان کا قبیلہ سکڑتا جاتا ہے..... کیونکہ..... پڑھنے والے ہی ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ اس ماحول میں ایک فوجی افسر کا قلم تھام لینا۔ اصل جہاد ہے اور صرف ایسے ہی جہاد کی ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اعتزاز احسن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

945

دیدۂ حیراں

ایک نوجوان تلاشِ معاش میں سرگرداں غاروں کے پُر پیچ سلسلے میں جا داخل ہوا لیکن وہاں کے عجائبات دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ غار میں قیام کئی پہلوؤں سے پراسرار اور تحیّر خیز تھا۔ اس نے غار کے دہانے پر بہت سے مرفہ الحال افراد کو غار نشینوں کی مدح سرائی کرتے پایا جبکہ انہی جیسا ایک گروہ غار کے چور دروازے پر شکوہ کناں اور مصروفِ آہ و فغاں دکھائی دیا کہ غار والے ان کی جانب کیوں مُلتفت نہیں ہو رہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دونوں گروہوں کا تعلق ایک بیدار بخت طبقے سے تھا۔ وہ بظاہر غار نشینوں کی مخالفت کرتے تھے لیکن در پردہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے ان کی اعانت کے خواہاں رہتے تھے۔ اگرچہ درجات میں غار والے ان سے کم تر تھے لیکن مذکورہ طالبانِ اقتدار اپنی بداعمالیوں کے سبب اپنی عزت اور وقار کھو بیٹھے تھے۔ اسی بے توقیری نے انہیں غار والوں کا دست نگر بنا دیا تھا۔ وہ "عوام کی حکومت" کے نام پر عوام کا استحصال کرنے میں فنکارانہ مہارت رکھتے تھے۔ ان افراد کو قانون سازی کا اختیار بھی تھا لہٰذا قانون ان کے ہاتھ میں موم کی ناک تھا جسے وہ ذاتی مفادات کے لیے جدھر چاہتے موڑ لیتے تھے۔

نیچے اترائی کے رخ پر میدان میں خستہ حال اور درماندہ افراد پر مشتمل ایک انبوہِ کثیر فریاد کناں رہتا تھا کہ ان کا مستقبل ہرگز اس بیدار بخت طبقے کے پاس رہن نہ رکھا جائے جنہوں نے بار بار عہد شکنی اور خیانت کا ارتکاب کر کے عوام کو نانِ جویں کا محتاج بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود بیدار بختوں کو کوئی گروہ اپنی چرب زبانی، شیریں بیانی اور نئے نئے نعروں اور وعدوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سہارے درماندہ طبقے کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتا اور اس کی حمایت حاصل کر کے مسندِ اقتدار تک رسائی حاصل کر لیتا تھا۔ تاہم جلد ہی یہ مقتدر گروہ تمام وعدے فراموش کر کے حسبِ سابق بداعمالیوں کا ارتکاب شروع کر دیتا۔ ایسے موقع پر نہ صرف درماندہ طبقے کے افراد بلکہ مسند نشینوں کے مخالف مدعیانِ اقتدار اور کچھ کاغذی پیراہن والے افراد بھی غار نشینوں کو اپنی مدد کے لیے پکارنے لگتے۔

کاغذی پیراہنوں اور کاغذی نقابوں والے افراد عموماً غار کے مخالف رخ پر دکھائی دیتے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بیدار بختوں سے ملنے والی مراعات کی بنا پر ان کی پرزور وکالت کرتا رہتا تھا کہ قانون کی رو سے حکومت کرنا بیدار بخت طبقے کا پیدائشی حق ہے لہٰذا غار نشینوں کو مداخلت سے باز رہنا چاہئے۔

کاغذی پیراہنوں والا یہ گروہ سمجھتا تھا کہ قانون درماندہ افراد کی خاطر نہیں بنایا گیا بلکہ درماندہ اور خستہ حال طبقے کو بیدار بخت طبقے کے استحصال اور امتیازی قانون کا تختۂ مشق بننے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ انکے نزدیک بیدار بخت طبقے کا بنایا ہوا قانون آفاقی قوانین سے بھی بالاتر تھا۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال تھا کہ جب ہمسائے میں واقع جنگل میں بیدار بخت طبقے کی لوٹ کھسوٹ پر کوئی معترض نہیں ہوتا تو ہمیں بھی اپنے بیدار بخت طبقے کی خیانت اور بددیانتی کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے۔ نقاب پوش طبقے کے مفادات بیدار بخت طبقے کے مختلف گروہوں کے ساتھ وابستہ تھے۔ جب ان کا حمایت یافتہ گروہ مسند نشیں ہوتا تو وہ غار نشینوں کی مداخلت کی پرزور مخالفت کرتے لیکن جب مخالف گروہ برسر اقتدار ہوتا تو کاغذی پیراہنوں والے ہی غار نشینوں کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیتے۔ غار کے گرد و پیش کا منظر نامہ ایسے ہی تضادات اور عجائبات پر مشتمل شاہکار تھا۔

نوجوان ان انوکھے مشاہدات میں ایسا مگن ہوا کہ تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کا احساس بھی کھو بیٹھا۔ سالہا سال بعد جب اسے غار سے باہر آنے کا راستہ ملا تو وہ سفر کی گرد اور تھکن سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک ندی کے کنارے آ بیٹھا۔ جب اس نے ندی میں اپنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عکس دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ جوانی تو کہیں غار کی بھول بھلیوں میں ہی کھو گئی ہے کیونکہ شفاف پانی میں دکھائی دینے والا چہرہ ایک عمر رسیدہ اور کمر خمیدہ بوڑھے کا تھا۔ بوڑھا اگرچہ مادی معنوں میں تہی داماں تھا لیکن اس کا اصل سرمایہ پیٹھ پر لدے ہوئے پشتارے میں ریاضت' جہدِ مسلسل اور بیش بہا مشاہدات و تجربات کی صورت میں محفوظ تھا۔ اسی بارِ گراں سے اس کی کمر خمیدہ اور کرب آگہی سے اس کا دل لخت لخت ہو چکا تھا۔ تاہم ایسی تلخ حقیقتوں اور ابدی سچائیوں کا نام ہی زندگی ہے۔

بُہ سیدم از بلند نگاہے حیات چیست
گفتا مئے کہ تلخ ترِ اُو نِکو تر است

1962ء میں فوج میں شمولیت کے وقت ابھی میرا عنفوانِ شباب تھا اور 1994ء میں ریٹائرمنٹ کے وقت میری عمر 52 برس ہو چکی تھی۔ گویا عمر عزیز کے انتہائی قیمتی 32 سال معاش کے سلسلے کو برقرار رکھنے کی نذر ہو گئے اور جوانی کا زرّیں عہد عسکری ملازمت کی راہداریوں میں کھو گیا۔ تاہم فوج میں گزارے ہوئے بتیس برسوں نے مجھے بہت کچھ دیکھنے' سیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا' میری صلاحیتوں کو نکھارا اور میری شخصیت کو جلا بخشی۔

فوج ایک عظیم ادارہ ہے جو دیہاتی اور نیم دیہاتی ماحول سے آئے ہوئے سادہ صفت افراد کو تراش خراش کر گراں قدر قومی اثاثوں کی شکل دے دیتا ہے۔ بحیثیت کیڈٹ' ملٹری اکیڈمی سے لے کر بطور بریگیڈیئر ریٹائرمنٹ تک میں نے اکثر فوجی افسروں کو یہ واویلا کرتے سنا ہے کہ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ فوج میں آ کر اتنا زیادہ پڑھنا پڑے گا تو وہ کالج اور یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم ہی مکمل کر لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عہدِ حاضر کی جدید فوج کیلئے گرد و پیش سے بے خبر رہ کر اپنے فرائض کماحقہٗ ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ عسکری تربیت صرف پیشہ ورانہ سرگرمیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ تربیت کثیر الجہت نوعیت کی ہے۔ فوجی افسر کو "Something of everything and everything of something" یعنی ہر ممکنہ امر کے متعلق کچھ نہ کچھ اور پیشہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورانہ امور کے متعلق سب کچھ سکھانے کی سعی کی جاتی ہے۔ ملٹری اکیڈمی میں عسکری مضامین کے علاوہ ادب عالیہ' اسلامی اور عسکری تاریخ' نفسیات' کردار سازی اور قیادت جیسے مضامین کا احاطہ بھی کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں سٹاف کالج اور نیشنل ڈیفنس کالج جیسے اعلیٰ تربیت کے اداروں میں سیاسیات' معاشیات' عمرانیات' جغرافیائی سیاست' امورِ خارجہ و داخلہ' بین الاقوامی امور اور ریسرچ کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔

میں نے فوج میں رہتے ہوئے خاموش مشاہدے' تجزیئے' استدراک اور دروں بینی پر انحصار کیا۔ میں نے باڑ کے ادھر رہتے ہوئے حالات کا مشاہدہ کیا اور نتائج اخذ کیے۔ تاہم دورانِ ملازمت میں پیشہ وارانہ مصروفیات کے باعث ان مشاہدات کو قلم بند نہ کیا جاسکا۔ ان کے قلمبند نہ کرنے کی دوسری بڑی وجہ فوج کی جانب سے عائد "قلم بندی" تھی۔ دراصل فوج کے ادارے کے اپنے قواعد و ضوابط خاصے سخت ہیں جن کی رُو سے کوئی تحریر شائع کرانے سے پہلے آئی ایس پی آر سے اجازت لینا ضروری ہے۔ میرے لیے یہ تصوّر ہی سوہانِ روح تھا کہ میں اپنے تحریر کیے ہوئے مضامین کلیئرنس کے لیے بھجواؤں جہاں وہ ہفتوں اور مہینوں پڑے رہیں۔ لہٰذا دورانِ ملازمت میں میری اکّادکّا نگارشات صرف فوج کے رسالے "ہلال" تک محدود رہیں۔ فوجی ملازمت کے عرصے میں شعر و ادب سے دوری میرے لیے واحد پریشان کن بات تھی۔ اس محرومی کے شکوے کا اظہار علامہ اقبال کی شعری تحریف سے یوں کیا جاسکتا ہے کہ ؎

یہ دستور "قلم بندی" ہے کیسا تیری محفل میں
کہ دِل کی بات لکھنے کو ترستا ہے قلم میرا

ریٹائرمنٹ کے بعد جب عسکری "قلم بندی" خاتمے کو پہنچی تو میں نے مختلف قومی امور پر مضامین لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔ گزشتہ چھ برس میں میں نے قومی اہمیت کے ہر اس مسئلے پر رائے زنی کی جس نے میرے ذہن میں ہیجان یا خلجان پیدا کیا۔ دو کے سوا یہ تمام مضامین ریٹائرمنٹ کے بعد اور موجودہ منصب سے پہلے کے عرصے میں تحریر کیے گئے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمایاں قومی اخبارات میں شائع ہوئے۔ موجودہ منصب کی مصروفیات کی بنا پر باقاعدہ مضامین لکھنے کا سلسلہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے منقطع ہو چکا تھا۔ دریں اثنا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے چند متنازع مضامین کے جواب پر مبنی دو مضامین میرے موجودہ منصب کے دور میں لکھے گئے جو "دین اور سیاست" کے باب میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

میں نے زیر نظر مضامین میں ایک عام پاکستانی کا موقف پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور حتیٰ الوسع یہ مضامین سیاسی وابستگیوں سے بلند رہتے ہوئے دیانتداری اور غیر جانبداری سے لکھے ہیں۔ میرے نزدیک پاکستان کا مفاد ہر چیز اور ہر ادارے پر مقدم ہے۔ البتہ میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ فوج اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ مضامین تحریر کرتے وقت میرے ذہن میں ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ انہیں کبھی کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے گا' نہ ہی یہ اس نقطہ نظر سے لکھے گئے تھے۔ مختلف اوقات میں متنوع موضوعات پر لکھے گئے مضامین پر مشتمل اس کتاب میں مرکزی خیال کی وحدانیت ضرور ملے گی جو وفا اور خلوص کے جذبات سے عبارت ہے۔

ان مضامین کے کتابی شکل میں شائع ہونے کی ذمہ داری فرحت عباس شاہ پر عائد ہوتی ہے جن کا مسلسل اصرار تھا کہ ایسے چیدہ چیدہ مضامین کو جن میں نہ صرف واقعاتی تسلسل ہے بلکہ وہ مستقل اہمیت کے حامل ہیں کتابی صورت میں شائع کیا جانا چاہیے تاکہ مستقبل کا مورخ وقت کے مختلف لمحات میں شائع ہونے والی تحریروں سے استفادہ کر سکے۔ اگر یہ کتاب آپ کو پسند آئے تو فرحت عباس شاہ کے لئے دعائے خیر کیجئے اور اگر اس کا مطالعہ طبیعت پر گراں گذرے تو میرا شکریہ ادا کیجئے کہ میں نے کم از کم ڈیڑھ برس تک آپ کو یہ کتاب پڑھنے کی کوفت سے بچائے رکھا۔

زیر نظر کتاب میں ابواب کی تدوین مختلف ابواب کی یکساں ضخامت کے بجائے موضوعات کی یکسانی کے پیش نظر کی گئی ہے۔ چند عمومی نوعیت کے مضامین میں طنز و مزاح کا رنگ غالب ہے۔ ایسے مضامین کو "میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں" کے عنوان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ایک علیٰحدہ باب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

میری سیاسی سوچ کا محور پاکستانیت اور پاکستان سے وفاداری کا مظہر ہے۔ گمان غالب ہے کہ سیاست سے وابستہ افراد کو میرے سیاسی تجزیئے سے اختلاف ہو گا۔ تاہم میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مکمل خلوصِ نیّت سے لکھا ہے اور شاید یہی معیار میری کامیابی کی دلیل ٹھہرے۔ میری دانست میں ہر وہ فرد، گروہ، پارٹی، ادارہ، سوچ یا عمل جو پاکستان کو نقصان پہنچانے کا موجب بنے، قابل نفرین اور قابل مواخذہ ہے کیونکہ ؎

وہ میری صف میں ہو یا تیری صف میں
میں ہر ظالم پہ لعنت بھیجتا ہوں

لاہور 3 جنوری 2002ء

بریگیڈیئر حامد سعید اختر (ریٹائرڈ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب اول

پاکستان اور عالمی سیاست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عالمی بساط پر پاکستانی مہرے کو درپیش خطرات

جب بھی کوئی نیا ملک عالمی نقشے پر ابھرتا ہے تو پہلے سے تاک میں بیٹھے ہوئے شطرنج باز اپنے مفادات کے مطابق اس کا کردار متعین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر اوقات تو نئے ممالک کے معرض وجود میں آنے سے پہلے ہی بڑی طاقتیں ان کا مجوزہ کردار طے کر دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں بڑی طاقتوں کی پیش بینی کی صلاحیت اور پالیسیوں میں تسلسل قابل تعریف ہے۔ ان کی نظر ہمیشہ آخری فتح پر ہوتی ہے اور چھوٹے موٹے واقعات اہم اور ناگزیر قومی نصب العین سے ان کی نظر ہٹانے کا موجب نہیں بنتے۔ یہ حتمی نصب العین ان کے قومی مفاد سے مکمل مطابقت اور ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ جس طرح شطرنج کے کھیل میں کسی ایک مہرے کا پٹنا یا آگے بڑھنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا بلکہ کھیل کا آخری نتیجہ اہم ہوتا ہے بعینہٖ عالمی طاقتوں کیلئے کسی ایک مہرے کو آگے بڑھانے یا پٹوا دینے کے پس پشت ان کی اپنی فتح ہوتی ہے۔ بے چارے مہروں کی اہمیت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ کس حد تک شطرنج باز کے مقاصد پورے کر سکتے ہیں۔ سادہ لوح پاکستانی عموماً عالمی طاقتوں سے شاکی رہتے ہیں کہ فلاں فلاں سپر پاور نے دوستی کی ضمانت اور دفاعی معاہدوں کے باوجود اہم مواقع پر ہمارا ساتھ نہیں دیا اور ہمیں پٹتا دیکھتے رہے۔ ایسے موقعوں پر ہم بھول جاتے ہیں کہ دوستی صرف برابری کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ایک بڑے اور چھوٹے ملک کے درمیان دوستی نہیں ہوتی بلکہ باہمی مفاد کی بناء پر کچھ عرصے کیلئے تعلقات کار طے پاتے ہیں۔ جونہی بڑی طاقت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے چھوٹے ملک کے مفادات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ رویوں کی اس تبدیلی کو عالمی تزویر کاروں نے باقاعدہ علمی بنیاد فراہم کی ہے اور اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''بین الاقوامی تعلقات میں دوستیاں اور دشمنیاں مستقل بنیادوں پر نہیں کی جاتیں مستقل اور زندہ جاوید حقیقت صرف قومی مفاد کی ہوتی ہے'' گویا اپنے قومی مفاد میں امریکہ آج کے دشمن کا دوست اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوست کا دشمن ہوسکتا ہے۔اس انتہائی سنجیدہ موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے بڑی طاقتوں کے قومی مفاد کا ادراک اور حقیقت کا اعتراف کرنا بہت ضروری ہے تا کہ ہم بھی عالمی رابطوں میں اپنے قومی مفاد کا تحفظ کرسکیں۔اس سلسلے میں پالیسی کی تشکیل کے بعد پالیسی کے تسلسل کی بہت اہمیت ہے۔پالیسی میں تسلسل کو ایک سادہ مثال سے پیش کیا جاسکتا ہے۔فرض کیجئے کہ شمال سے جنوب کی جانب پانی بہانا مقصود ہے۔کچھ دور تک بہنے کے بعد پانی کے آگے ایک رکاوٹ آجاتی ہے۔ اب اپنے مقصد کے حصول کیلئے متبادل طریقے اختیار کئے جائیں گے۔ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اگر رکاوٹ بہت مضبوط ہے تو پانی کو اس کے دائیں یا بائیں سے گزار کر از سر نو اپنی مطلوبہ سمت میں رواں کردیا جائے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پانی کا بہاؤ رکاوٹ کے باوجود جاری رکھا جائے نتیجتاً یا تو رکاوٹ پانی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے شکست وریخت کا شکار ہو جائے یا پانی کی سطح اتنی بلند ہو جائے کہ مضبوطی سے جمی ہوئی رکاوٹ کے اوپر سے گزر جائے۔دونوں صورتوں میں پانی کو ایک مخصوص سمت میں بہانے کا مقصد بہر حال حاصل کیا جائے گا۔مذکورہ رکاوٹ اگر اتنی مضبوط اور بلند ہے کہ نہ تو پانی اس کے اطراف سے اور نہ ہی اس میں دراڑیں ڈال کر یا اس کے اوپر سے گزر سکتا ہے تو اس صورت میں راست اقدام کے ذریعے اسے منہدم کرنا ضروری ہوگا۔یہ تمام متبادل طریقے قلیل المدت یا طویل المدت حکمت عملی کہلائیں گے جب کہ حتمی مقصد پانی کو جنوب میں پہنچانا ہوگا۔ بالفاظ دیگر قومی مقاصد کے حصول کی خاطر بظاہر مختلف حکومتیں مختلف حکمت عملی اختیار کریں گی لیکن یہ تمام پالیساں مستقل قومی مقاصد سے مکمل مطابقت میں بنائی جائیں گی اور طویل المدت مقاصد کو کسی صورت میں نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا جائے گا چاہے کوئی بھی پارٹی حکومت میں ہو۔اقوام عالم کی ترقی میں قومی مقاصد کے تعین اور ان کے حصول کیلئے حکمت عملی میں تسلسل کی بے انتہاء اہمیت ہے انگریز قوم اپنی دور بین اور مستقل پالیسیوں میں خاصی شہرت رکھتی ہے۔جدید چین کی لیڈرشپ نے بھی بہت ہی معاملہ فہمی اور پیش بینی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے قومی مقاصد حاصل کئے ہیں اور ان کی پالیسیاں خاصی مستحکم اور دوررس نتائج کی حامل ہیں۔ انہوں نے وقتی مفاد کی خاطر اپنے طویل المدت قومی مقاصد کو کبھی قربان نہیں کیا۔اس کے برعکس امریکہ نے اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اس میدان میں کوئی اچھی شہرت نہیں پائی۔ان کی زیادہ تر پالیسیاں قلیل المدت اور استحکام سے عاری ثابت ہوئی ہیں۔امریکیوں نے وقتی مفاد کی خاطر بعض علاقائی قوتوں کو عارضی سہارا دیا ہے اور بعد ازاں اپنے ابتدائی اقدامات سے رجوع کرتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں اپنے وقتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔اس سلسلے میں مشرق وسطےٰ میں ایران، مشرق بعید میں فلپائن اور جنوب مغربی ایشیاء میں پاکستان اس حکمت عملی کی روشن مثالیں ہیں جہاں عوامی جذبات سے قطع نظر آمروں کی پشت پناہی کی گئی یا اپنی کوتاہ بینی کی بناء پر اچھے دوستوں کو نظر انداز کیا گیا لیکن بہت تھوڑے عرصے میں یہ فیصلے وقت کی کسوٹی پر غلط ثابت ہوئے۔ عالمی امور میں اتنی قلیل مدت میں فیصلوں کا تبدیل کیا جانا ایک غیر معمولی بات ہے۔سوویت یونین جو کہ اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے ڈپلومیسی کے میدان میں بہت پیچھے تھا۔ان کا زیادہ انحصار پاور پالیٹکس پر تھا لیکن اس کے باوجود ان کی پالیسیوں کو غیر مستحکم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پیٹر اعظم کے وقت سے انہوں نے توسیع پسندی کی پالیسی کو اپنایا اور اپنے زوال تک اس پر کامیابی سے عمل کیا۔اس تقابلی جائزے میں اگرچہ امریکی پالیسی اعلیٰ درجے کی ثابت نہیں ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔اکادکا لغزشوں کے باوجود انہوں نے اکثر و بیشتر اپنے قومی مقاصد حاصل کر لئے ہیں۔آج اگر ان کی پالیسیوں کی بعض خامیاں منظر عام پر آئی ہیں تو ایسا اس لئے ہے کہ ناقدین کو بعد از وقت تجزیئے کا فائدہ حاصل ہے جب کہ حالات کی پیش بینی ایک خاصا مشکل کام ہے جس سے کہ پالیسی ساز دوچار رہتے ہیں۔ انگریز قوم کی پیش بینی پر مبنی پالیسی کی ایک واضح مثال اشتراکی روس کی توسیع پسندی کا ادراک اور اس کے سدباب کیلئے کئے جانے والے اقدامات ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے قطعی دفاعی نقطہ نظر سے درہ بولان کے شمال مغرب میں خوجک پاس اور چمن تک کا دشوار گزار اور بلند و بالا سنگلاخ چٹانوں پر مشتمل علاقہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر برٹش انڈیا میں شامل کر لیا اور درہ خوجک اور درہ خیبر میں ناقابل تسخیر دفاعی مورچے بنائے۔ ریلوے لائن کو بلوچستان میں چمن تک اور صوبہ سرحد میں لنڈی کوتل تک توسیع دی اور افغان سرحد کے ساتھ قابل رشک دفاعی کیمپ اور پوسٹیں تعمیر کیں۔اس کے علاوہ پہاڑوں کے سلسلے میں تمام قابلِ دفاع مقامات پر دفاعی مورچوں کی لائینیں بنائی گئیں اور جگہ جگہ ہوائی اڈے تعمیر کئے۔ پشین، سمنگلی، جیسے دور افتادہ مقامات کے علاوہ پسرور، گجرات اور گوجرانوالہ جیسے مقامات پر ہوائی اڈوں کی تعمیر سوچ اور عمل کی وحدانیت کی واضح مثال ہے۔ان تمام اقدامات کا مقصد دریائے آمو کے اس پار روس کی پیش قدمی کو روکنا اور گرم پانیوں تک اس کی رسائی کو ناممکن بنانا تھا۔ان اقدامات کے بعد افغانستان کو بطور بفر سٹیٹ جوں کا توں چھوڑ دیا گیا تا کہ براہ راست تصادم کی نوبت نہ آئے اور فوجی اقدام کیلئے کافی وقت اور فوجی نقل و حرکت اور تزویرات کیلئے وسیع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاقہ بھی دستیاب رہے۔انگریز کی اسی پالیسی کوامریکہ نے اپنایااور مختلف حکمت عملی اپناتے ہوئے روس کی توسیع پسندی کا سدباب کیا۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ براستہ افغانستان گرم پانیوں تک پہنچنے کے روسی خطرے کا احساس انگریزوں نے ایک صدی پیشتر ہی کرلیا تھا۔

آج بھی امریکہ اپنے تمام تر وسائل اور ہمہ گیر ترقی کے باوجود عالمی سیاست میں وہ خلا پورا نہیں کرسکا جو کہ برطانیہ عظمیٰ کے سمٹنے سے پیدا ہوا تھا تاہم عمومی طور پر امریکہ نے برطانوی پالیسی کو ہی آگے بڑھایا ہے اور انگریز کی بنیادی پالیسی میں موجودہ تقاضوں کے مطابق معمولی ردوبدل کرکے اپنی پالیسی ترتیب دی ہے۔ مذکورہ بالا بنیادی حقائق کا ادراک زیر نظر مضمون کے مندرجات کو صحیح سیاق وسباق میں سمجھنے کیلئے بہت ضروری ہے تب ہی ہم سمجھ سکیں گے کہ انگریز کے اس خطے میں کیا ممکنہ مفادات تھے، انگریز تقسیم ہند کے کیوں خلاف تھا، کشمیر کو کیوں پاکستان کا حصہ نہ بننے دیا گیا، پاکستان کو سٹیو اور نیٹو کا ممبر کیوں بنایا گیا، اور اس سلسلے میں ہم سے کیا کیا لغزشیں سرزد ہوئیں، پہلے ایران اور بعدازاں بھارت کو علاقے کی تھانیداری سونپنے کے پس پردہ کیا مقاصد تھے مشرقی پاکستان کو ہم سے کیوں علیحدہ کیا گیا؟ اب اس خطے میں امریکہ کے کیا مفادات اور مقاصد ہیں، پاکستان جغرافیائی طور پر کیوں کر اہم ہے؟ مستقبل میں عالمی منظر نامہ کیا ہوگا اور اس سلسلے میں پاکستان سے کیا توقعات وابستہ ہیں نیز ان بنیادی حقائق کی روشنی میں ہم اپنے قومی مفادات کا تحفظ کیسے اور کیونکر کرسکتے ہیں؟ جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر بعض ممالک حساس خطوں میں واقع ہوتے ہیں یہ وہ خطے ہیں جہاں سے اردگرد کے بہت بڑے علاقے کو اپنی گرفت میں رکھا جاسکتا ہے اور خیال کیا جاتا تھا کہ جو کوئی ان خطوں پر حکمرانی کرتا ہے وہ تمام دنیا پر حکمرانی کرتا ہے۔ پاکستان اور افغانستان سے لیکر مشرق وسطیٰ تک کا علاقہ بھی ایک ایسا ہی خطہ ہے۔ایسے خطوں کے مطالعے اور شناخت کو بھی ایک علم کا درجہ دیکر جیوپالیٹیکس (Geo-Politics) یا جغرافیے پر مبنی سیاسی حکمت عملی کا نام دیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مختلف خطوں کی اہمیت کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے لیکن یہ تبدیلی بڑی طاقتوں کی دلچسپی کے معیار سے ہوتی ہے جب کہ جغرافیائی اہمیت مکمل طور پر کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مشرق وسطیٰ کی اصل اہمیت تیل کی دولت کے حوالے سے ہے جس کے بغیر تمام دنیا کے صنعتی پہیے جام ہوکر رہ جاتے ہیں اور پاکستان اپنے محل وقوع کے لحاظ سے اس خطے میں نقل وحرکت کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔افغانستان روسی ریاستوں کا ہمسایہ ہونے کی بناء پر تو اہم ہے لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمندری رابطہ نہ ہونے کی بناء پر اس کی تجارت اور درآمد برآمد کا مکمل انحصار پاکستان پر ہے ۔جغرافیائی طور پر پاکستان والا زمینی خطہ جنوبی ایشیاء مشرقی ایشیاء اور مغربی ایشیاء کو ملانے والے خطوط کے مقامِ اتصال پر واقع ہے۔جنوبی ایشیاء میں واقع ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کا براستہ ایران مغربی ایشیاء (مشرق وسطیٰ) سے زمینی رابطہ بھی ہے۔اس خطے میں بشمول ہندوستان ایٹمی ہتھیاروں سے لیس تین ممالک بین الاقوامی حالات پر اثر انداز ہونے کے آرزومند ہیں۔ ملک کے جنوب میں واقع کراچی کی بندرگاہ اور انتہائی اہمیت کا حامل گوادر کا ساحلی علاقہ ہے۔ کراچی خلیج عمان کے پہلو اور خلیج فارس کے دہانے پر واقع ہے جب کہ خلیج عدن سے بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔وسیع تر عالمی تناظر میں کراچی کی بندرگاہ بحیرۂ عرب کے سر پر واقع ہوئی ہے اور یہ شمال مشرقی افریقہ، مشرق وسطیٰ اور بحرہ ہند کے علاقے سے بھی قریب ہے۔یہاں سے خلیج کے علاقے میں ہونے والی سمندری نقل وحرکت پر با آسانی اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔ اس محل وقوع کی بناء پر پاکستان ایک خاصا اہم ملک ہے۔تاہم جب بڑی طاقتوں کی اقتدار کیلئے کشمکش کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہی علاقائی اہمیت ہمارے وجود کیلئے خطرات پیدا کرنے کا موجب بھی ہے لہٰذا اگر بین الاقوامی تعلقات کے تنے ہوئے رسے پر مہارت سے نہ چلا جائے تو ہماری جغرافیائی اہمیت ہی ہمارے لئے خاصی زحمت کا باعث بن سکتی ہے جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے۔ایک اور نفسیاتی عنصر جو ہندوستان کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے یہ جغرافیائی اور تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان ان علاقوں پر مشتمل ہے جو تمام بیرونی حملہ آوروں کی روایتی گزرگاہ رہے ہیں۔گویا ہندوستان کی شہ رگ مستقلاً اس کے حریف کے پنجے میں ہے اور یہ تصور ہی ہندوستان کیلئے سوہان روح ہے۔ نتیجتاً ہندوستان کا مخاصمت پر مبنی رویہ بھی قابل فہم ہونا چاہئے۔دیگر عوامل جو مختلف ممالک کی قوت یا کمزوری کا باعث بنتے ہیں ان میں ملکی آبادی اور اس آبادی میں کام کرنے کی اہل آبادی کا تناسب، قومی وحدت، سرحدوں کی محفوظ یا غیر محفوظ ساخت، قدرتی وسائل، نقل وحمل کے ذرائع، قیادت کی صلاحیت، قدرتی بندرگاہ کی موجودگی، قوم کا تعلیمی وفنی معیار اور ملک کی دفاعی صلاحیت سرفہرست ہیں۔بڑے ممالک کی ہمسائیگی میں واقع ممالک بھی پوری اہمیت حاصل نہیں کر سکتے اور برگد کے سائے میں پروان چڑھنے والے پودوں کی طرح کمزور ہی رہتے ہیں۔اس کی ایک روشن مثال کینیڈا کی ہے جو امریکہ کے قریب واقع ہونے کی بناء پر مناسب اہمیت حاصل نہیں کر سکا۔ ہمارے اپنے خطے میں یہی صورتحال ہندوستان کے اردگرد واقع ممالک اور ہمالیائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریاستوں کی ہے۔ پاکستان اس خطے کا واحد ملک ہے جس نے ہندوستان کی باج گزار ریاست کی حیثیت قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ باقی عوامل کا تجزیہ کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ تقسیم ہند کے وقت کی عالمی صورتحال اور سیاسی ضرورتوں کا اعادہ کرلیا جائے۔

سوویت روس روایتی طور پر اپنی سرحدوں کے تحفظ کے متعلق بہت حساس رہا ہے۔ اسی عدم تحفظ کے احساس کے تحت وہ اپنی سرحدوں میں توسیع کرتا چلا گیا تا کہ یورپ کی طرف سے کسی ممکنہ خطرے کو ملک کی اصل سرحد سے جتنا دور ممکن ہو رکھا جائے۔ 1917ء کے کیمونسٹ انقلاب کے بعد چونکہ نئے نظریئے کی حفاظت کے علاوہ توسیع اور نشر واشاعت بھی مقصود تھی لہذا سوویت یونین کا رویہ زیادہ جارحانہ ہوتا گیا۔ جنگ عظیم دوم میں اگرچہ روس اتحادی قوتوں کا حلیف تھا لیکن آزاد دنیا سے اس کی چپقلش نوشتۂ دیوار کی طرح ناگزیر ہو چکی تھی۔ مفاد کا یہی ٹکراؤ جرمنی اور بعد ازاں کوریا، ویت نام اور یمن کی تقسیم پر منتج ہوا۔ جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی تو عین اس وقت عالمی طاقتوں کا نظریاتی، سیاسی، معاشی اور مفاداتی ٹکراؤ بھی اپنے عروج پر تھا۔ جنگ کے فوراً بعد حریف قوتوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے اقدامات شروع کردیئے۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ بہر صورت روس کی مزید پیش قدمی کو روکنے کے خواہاں تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو اقدامات کئے ان کے پس پردہ پالیسی مندرجہ ذیل مقاصد پر مشتمل تھی۔ 1 روس اور چین کی سرحدوں کے ساتھ واقع ممالک کو اپنا حلیف بنایا جائے اور ان کے دفاع اور معیشت کو مضبوط کیا جائے۔ 2۔ خلیجی ممالک سے تیل کی بلا روک ٹوک فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ 3۔ حریف ممالک کو اپنے مفادات والے علاقوں سے دور رکھا جائے۔ 4۔ جنوب کی طرف روسی پیش قدمی کو روکنے کے لئے اس کی جنوبی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک دفاعی گھیرا بنایا جائے تا کہ طاقت کا توازن اینگلو امریکن بلاک کی بجائے کمیونسٹ بلاک کے حق میں نہ ہو جائے۔

اس وقت تک روس نے برصغیر میں کسی نمایاں دلچسپی کا اظہار نہ کیا تھا کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان واقع وسیع صحرا اور بلند و بالا برفپوش پہاڑوں کی موجودگی میں روس کو جنوب کی جانب سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ تاہم جب اقتدار کیلئے دوڑ شروع ہوئی تو سیاسی اور معاشی عوامل بھی بہت اہم ہو گئے۔ دونوں بڑی طاقتوں کے پیش نظر مقاصد میں اب عالمی توازن کے علاوہ علاقائی بنیاد پر طاقت کا توازن برقرار رکھنا، اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں حریف بلاک سے مسابقت، خلیجی تیل کے علاوہ دیگر خام مال کا حصول اور جنگ کی صورت میں جنگی ساز و سامان کا ذخیرہ کرنے کی سہولت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر ممالک میں لینڈنگ کے حقوق اور بحری وفوجی مستقر کے استعمال کی سہولت کا حصول بھی شامل ہوگئے۔ اس صورتحال میں برصغیر بہت زیادہ اہمیت حاصل کرگیا۔ ایک متحدہ اور مضبوط ہندوستان ان مقاصد کی تکمیل کیلئے بہت ہی مناسب ثابت ہوتا۔ جو کج فہم یہ بے بنیاد الزام لگاتے ہیں کہ پاکستان کا قیام انگریز کی سازش سے معرض وجود میں آیا وہ یا تو عالمی سیاست سے قطعی طور پر نابلد ہیں یا ان کا اپنا خبث باطن ان کو وطن عزیز کے خلاف زہر اگلنے پر مجبور کرتا ہے۔ انگریزوں کے نقطہ نظر سے ایک متحدہ ہندوستان ہی روس اور چین کی طرف سے کمیونسٹ خطرے کا سدباب کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

انگریزوں اور ہندوؤں کی طرف سے مزاحمت اتنی شدید تھی کہ اگر مشیت ایزدی سے پاکستان کے قیام کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو بظاہر تمام مادی عوامل قیام پاکستان کے خلاف مجتمع ہو چکے تھے۔ اسی لئے ہندو رہنما اور انگریز حاکم بزعم خویش ایک کٹا پھٹا پاکستان دینے پر بھی خوشدلی کی بجائے جبرہ واستکراہ سے رضامند ہوئے۔ اس میں بھی ان کی مصلحت یہ تھی کہ فی الحال مسلمانوں کا مطالبہ مان کر انہیں ایک ایسے ''ناممکن العمل'' خطے کی پیشکش کی جائے جسے قبول کرنے سے وہ خود ہی انکار کردیں بصورت دیگر مذکورہ خطہ معاشی بوجھ تلے دب کر جلد از جلد خود ہی دوبارہ ہندوستان میں ضم ہونے کی درخواست کرے اور یوں ان کے مقاصد پورے ہو جائیں۔ قائداعظم نے اپنے تدبر اور فراست سے کام لیتے ہوئے یہ کٹا پھٹا پاکستان بھی قبول کرلیا تو دشمن پریشان ہو کر رہ گئے تاہم اب پس قدمی ناممکن تھی۔ اس موقع پر انگریز نے اپنی روایتی پیش بینی سے کام لیتے ہوئے اپنے طویل المدت مفادات کا تحفظ کیا۔ اس ضمن میں تقسیم ہند کے طے شدہ فارمولے سے انحراف کرتے ہوئے مسلم اکثریت والے اہم اضلاع ہندوستان میں شامل کردیئے گئے اور اس طرح براستہ گورداسپور اسے کشمیر میں داخلے کا راستہ دے دیا گیا۔ یہ اقدام فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام سے مکمل مماثلت رکھتا ہے جہاں انگریزوں نے اپنے قومی مقاصد کے حصول کیلئے انصاف کا خون کیا اور ایک ختم نہ ہونے والے جھگڑے کی بنیاد رکھ دی۔ کشمیر کا جھگڑا نمٹانے کیلئے جو دوسرا اور تیسرا آپشن زبان زد عام ہے وہ انگریز کی اسی پالیسی کا تسلسل ہے جسے اب امریکہ آگے بڑھا رہا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے مقاصد پر غور کریں تو کشمیر سے متعلق آپشن بھی مکمل طور پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں حساس علاقوں میں اپنے تحفظ کی ضمانت پر ایک ناجائز ریاست کا قیام مقصود تھا جس کے توسط سے علاقے میں اپنی موجودگی کو یقینی بنانا تھا۔ مشرق وسطیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یہ مقصد فوراً حاصل کرلیا گیا جب کہ برصغیر میں یہ خواہش ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ اسرائیل کے ذریعے تیل پیدا کرنے والے ممالک پر دباؤ برقرار رکھا گیا۔ روس کی جنوبی ریاستوں کے خلاف جاسوسی کی گئی اور مشرق اوسط کے ممالک کی طرف سے تیل کی فراہمی منقطع ہونے کی صورت میں ایک بنے بنائے فوجی اڈے کی دستیابی یقینی بنائی گئی جہاں پہلے سے موجود فوجی ساز وسامان کو ان ممالک کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ قیام پاکستان کے وقت انگریز نے کشمیر کا تنازعہ بھی انہی مقاصد کے حصول کی خاطر پیدا کیا کیونکہ انگریز کو مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں پر زیادہ بھروسہ تھا اور اسے امید تھی کہ بوقت ضرورت ہندوستان اسے کشمیر کا علاقہ چین اور روس کے خلاف جاسوسی اڈوں کے قیام کیلئے استعمال کرنے دے گا۔ تاہم بعد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ ہندوستان تو غیر جانبدار رہ کر فائدہ اٹھاتا رہا جب کہ پاکستان امریکی مقاصد کی تکمیل کر کے اپنی سلامتی کو داؤ پر لگا بیٹھا جس کا نتیجہ اسے 71ء میں بھگتنا پڑا۔

اس بدترین صورتحال میں پاکستان کے گھسیٹے جانے کا بڑا سبب بھی بھارت کا مخاصمانہ رویہ اور ہماری قیادت اور پالیسی سازوں میں پیش بینی کی صلاحیت کا فقدان تھا۔ چونکہ ہندوستان کیلئے پاکستان کا وجود ناقابل قبول تھا لہذا قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہندوستان نے پاکستان کو ختم کرنے کی تدابیر پر عمل شروع کر دیا۔ حکومتی سرپرستی میں فسادات کرائے گئے اور کثیر تعداد میں مہاجرین کو پاکستان میں دھکیل دیا گیا تاکہ پاکستان کو معاشی طور پر تباہ کر دیا جائے۔ اثاثہ جات کی تقسیم میں انتہائی ناانصافی سے کام لیا گیا۔ فوجی ساز وسامان میں سے ازکار رفتہ چند رسالے کے یونٹ انتہائی مختصر توپخانہ اور چند انفنٹری کی رجمنٹیں پاکستان کے حصے میں آئیں۔ ہندو قائدین نے برملا پاکستانی علاقہ جات کو دوبارہ ہندوستان کا حصہ بنانے کے عزم کا اظہار کیا۔ اکتوبر 47ء میں ہندوستان نے کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر دیں جب کہ انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے حکومت پاکستان کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جوابی اقدامات سے گریز کیا۔ 1948ء میں ہندوستان نے دریائی پانی بند کر دیا جو کہ نوزائیدہ مملکت کی زرعی فصلوں کی مکمل تباہی کا باعث بن سکتا تھا۔ 1950-51ء میں ہندوستان نے اپنی افواج کشمیر اور مشرقی پنجاب میں جارحانہ اقدام کیلئے اکٹھی کر دیں جس سے پاکستان شدید خطرے سے دوچار ہو گیا۔ دریں اثناء حیدرآباد، جونا گڑھ اور مناوادر پر تسلط جما لیا گیا تھا۔ ان حالات میں اپنے دفاع کو مضبوط بنانا پاکستان کی اولین ترجیح بن گیا۔ عین اس وقت امریکہ اس خطے میں اتحادیوں کی تلاش میں تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تا کہ روس اور چین کے گرد گھیرا تنگ کیا جائے۔ جب ہندوستان اور پاکستان کو سیٹو میں شمولیت کی دعوت دی گئی تو ہندوستان نے امریکہ کا اتحادی بننے کی بجائے ''غیر جانبدار'' رہنے کا فیصلہ کیا اس کے نتیجے میں دونوں عالمی طاقتیں اس کے نخرے برداشت کرتی رہیں اور اس نے مجموعی طور پر پاکستان کی نسبت کئی گنا زیادہ فوجی و غیر فوجی امداد حاصل کی۔ اس کے برعکس پاکستان نے کوتاہ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فی الفور دفاعی معاہدوں میں شمولیت اختیار کر لی۔ پاکستان کا یہ عاجلانہ اقدام دوررس اور خطرناک نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ بڑی طاقتوں کی باہمی کشمکش میں امریکہ کا حلیف ہونا روس کے حریف کیمپ میں ہونے کے مترادف تھا۔ اس طرح ہم نے بن سوچے سمجھے ایک ہمسایہ سپر پاور سے دشمنی مول لے لی۔ اپنے دفاع کے متعلق پاکستان کی تشویش قابل فہم ہے لیکن جس عجلت سے ہم نے روس کے حریف کیمپ میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا اس کے حق میں کوئی معقول دلیل نہیں دی جا سکتی۔ اس اولین فیصلے نے ہندوستان کی فوری جارحیت کے خلاف دفاعی صلاحیت کو تو مضبوط کر دیا لیکن ملکی سلامتی خطرے میں پڑ گئی جیسا کہ بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا۔ امور سلطنت کے ماہرین کے مطابق دفاعی صلاحیت کسی ملک کی سلامتی کا صرف ایک جزو ہے۔ ملکی سلامتی سے متعلقہ باقی ضروری اجزاء میں خارجہ تعلقات اور ڈپلومیسی سرفہرست ہیں علاوہ ازیں اندرونی اتحاد، ملکی معیشت کی مضبوطی، صنعتی ترقی، زرعی پیداوار، قدرتی وسائل میں خود کفالت اور ہمسایہ ممالک سے تعلقات بھی ملکی سلامتی کے تحفظ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم اس مرحلے پر ہمارے پالیسی سازوں نے باقی امور سے صرف نظر کرتے ہوئے محض دفاع کو ہی ملکی سلامتی کے مترادف سمجھ لیا اور بعد ازاں بھاری خمیازہ بھگتا۔ گویا ملکی دفاع سلامتی کی قیمت پر مضبوط کیا گیا۔ اگر ہماری قیادت دانشمندی کا مظاہرہ کرتی تو امریکہ کا اتحادی بنے بغیر بھی اپنے دفاع کو مضبوط بنایا جا سکتا تھا جیسا کہ غیر جانبدار رہ کر ہندوستان نے کیا اور اس طرح ہماری سلامتی کو بھی خطرات لاحق نہ ہوتے۔ اس وقت دانے دانے کا محتاج ہوتے ہوئے ہم نے امریکہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی خاطر کوریا کی جنگ کے دوران گندم کا عطیہ دیا۔ امریکہ نے جب ہمیں ''تمام اتحادیوں سے بڑھ کر بڑا اتحادی'' کے نام سے پکارا تو ہم نے بڑا فخر محسوس کیا جب کہ درحقیقت امریکہ نے ہمیں مرغ دست آموز کی حیثیت دی اور ہم نے اپنے اوپر متبادل راہ عمل کے دروازے بند کر دیئے۔ یہ یقیناً انتہائی ناقص حکمت عملی تھی۔ اس مرحلے پر فائدے کی سودا کاری کیلئے تاش کا کوئی نہ کوئی پتہ ہمیں اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہئے تھا لیکن ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگریزی محاورے کے مطابق تمام انڈے ایک ہی ٹوکری میں رکھ کر خسارے کا سودا کیا۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ کو پشاور میں روس کی جاسوسی کیلئے ہوائی اڈہ قائم کرنے کی اجازت دیکر ہم نے ملک کی بدقسمتی پر مہر تصدیق ثبت کردی اور روس نے پاکستان کو مسلمہ دشمنوں کی صف میں شامل کرلیا۔

جنرل ایوب خان کے عہد میں ہماری خارجہ پالیسی نے انقلابی کروٹ لی اور حیران کن کامیابیاں حاصل کیں۔ خارجہ امور کے ماہرین سخت متعجب تھے کہ پاکستان کس طرح تین متحارب قوتوں یعنی امریکہ چین اور روس سے بیک وقت خوشگوار تعلقات رکھتے ہوئے امداد بھی حاصل کررہا ہے۔ تاہم 65ء کی جنگ نے ان کامیابیوں کو خاصا دھندلا دیا۔ چونکہ امریکی ہتھیاروں کا بھارت کے خلاف استعمال عالمی شطرنج بازوں کے منصوبے کے خلاف تھا لہذا جنگ کو بہانہ بنا کر مزید فوجی امداد پر پابندی لگادی گئی۔ سن 69-71ء تک کا عرصہ ڈپلومیسی کے میدان میں بدترین کارکردگی کا مظہر تھا یحییٰ خان نے روس کو للکار کر ملک کی سلامتی داؤ پر لگادی۔ امریکہ سے ہمارے تعلقات پہلے ہی سرد مہری کا شکار ہوچکے تھے کیونکہ ہندوستان کی چین کے ساتھ جنگ میں کسی دفاعی معاہدے کے بغیر ہی امریکہ نے ہندوستان کو گرانقدر فوجی اور معاشی امداد دی تھی۔ آر سی ڈی کی تشکیل بھی امریکہ کو سخت ناگوار گزری۔ باقی مسلم دنیا میں بھی مشرقی پاکستان کے معاملے میں ہم اخلاقی طور پر اپنا کیس اچھی طرح پیش نہ کرسکے۔ اس موقعے پر پاکستان نے ملکی سلامتی کے اہم ترین اجزاء یعنی اندرونی یگانگت اور خوشگوار خارجہ تعلقات کے بغیر ہی دفاعی جنگ لڑی اور آدھا ملک کھو بیٹھا۔ روس اور بھارت کا مفاد تو مشترک تھا لیکن امریکہ نے بھی پاکستان کو اس کے باغیانہ رویئے کی بناء پر پٹتے دیکھا اور ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس سے امریکہ نے تین مقاصد حاصل کئے۔ ایک تو یہ کہ پاکستان آئندہ سرکشی کے متعلق سوچنے کی جرأت بھی نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ جنوب مشرقی ایشیاء سے پاکستانی عمل دخل ختم کردیا جائے اور ہندوستانی مہرے کو آگے بڑھایا جائے۔ تیسرا یہ کہ پاکستان اپنی سلامتی کیلئے مکمل طور پر امریکہ کا دست نگر بن جائے۔ اس ضمن میں ساتویں بحری بیڑے کی نقل وحرکت اور ہندوستان کو پاکستان کی مکمل تباہی سے باز رکھنے کی تنبیہہ سے مطلوبہ مقاصد حاصل کرلئے گئے۔ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں خارجہ محاذ پر خاصی کامیابیاں حاصل کی گئیں لیکن اندرونی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ تاہم ایٹمی میدان میں پیشرفت ان کی ایک قابل قدر کامیابی تھی جس کا کریڈٹ بجا طور پر انہیں کو جاتا ہے۔ تب تک اس خطے میں متعدد ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقعات وقوع پذیر ہو چکے تھے جو عالمی منصوبہ سازوں کی پالیسی اور مفاد کے خلاف تھے۔ اول تقسیم ہند اور پاکستان کا مذہبی نظریئے کی بنیاد پر دنیا کے نقشے پر ابھرنا، دوم پاکستان کا چین سے تعلقات استوار کرنا، سوم آر سی ڈی کا قیام، چہارم پاکستان کا ایٹمی صلاحیت حاصل کرنا، پنجم بھارت کا ظاہری غیر جانبداری کی آڑ میں روس کے کیمپ میں پایا جانا، ششم اسرائیل کا تسلیم نہ کیا جانا، ہفتم 65ء کی پاک بھارت جنگ اور اس میں پاکستان کا پلڑا بھاری رہنا، ہشتم پاکستان میں اسلامی سربراہوں کی کانفرنس کا انعقاد اور اسلامی دنیا میں پاکستان کا اہمیت حاصل کرنا۔ اس سلسلے میں جو حکمت عملی اختیار کی گئی اس پر بحث زیر نظر مضمون کی غایت ہے اور نہ ہی یہاں اس کی گنجائش ہے قابل غور بات یہ ہے کہ عالمی منصوبہ سازوں نے اپنے مفادات سے متصادم زیادہ تر عوامل کو نیست و نابود کر دیا اور حالات کو اپنے حق میں ڈھالنے میں کامیابی حاصل کی۔ (1)۔ پاکستان کو اس کی سر کشی کی سزا 71ء میں بھی دی جا چکی تھی اب صرف اسے مزید کمزور کر کے علاقے کی تھانیداری رسمی طور پر بھارت کو دینے کا کام باقی رہ گیا تھا۔ (2) آر سی ڈی اب صرف کاغذوں اور فائلوں تک محدود رہ گئی (3) پاکستان کیلئے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے والے نے پھانسی پائی اور زر مبادلہ مہیا کرنے والے ملک لیبیا کو پاکستان سے کوسوں دور کر دیا گیا (4) بھارت بتدریج امریکہ کے نزدیک کھسکنے لگا جب کہ ایران میں انقلاب کے بعد پاک ایران تعلقات میں سرد مہری آ گئی۔ (5) عرب ممالک یکے بعد دیگرے اسرائیل کو تسلیم کرتے چلے گئے۔ (6) پاکستان کی فوج کو فالتو پرزہ جات کی فراہمی روک کر مزید کمزور کر دیا گیا۔ (7) اسلامی سربراہی کانفرنس کا تصور پیش کرنے والے شاہ فیصل کو اپنے ہی قریبی عزیز کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔ (8) پاکستان کو ایٹمی صلاحیت کے حصول سے روکنے کیلئے انتہائی کڑی پابندی عائد کی گئی اور عملاً اس کا حصول ناممکن بنا دیا گیا۔

79ء میں امریکی صدر جمی کارٹر نے از سر نو پاکستان کیلئے فوجی و معاشی امداد پر سخت پابندی عائد کر دی لیکن

ع تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

ابھی امریکہ انقلاب ایران کے نتائج و عواقب کا تجزیہ کر رہا تھا کہ ادھر ایران عراق جنگ شروع ہو گئی اور ادھر روس نے افغانستان پر یلغار کر دی۔ پاکستان راتوں رات انتہائی اہم ہو گیا۔ امریکہ کو اپنا تھوکا چاٹنا پڑا اور پاکستان کو ہر طرح کی فوجی اور معاشی امداد کی پیشکش کی گئی۔ اگلے دس برس تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستان امریکہ کا منظور نظر بنا رہا اور اسے تمام مراعات دی گئیں حتیٰ کہ ان برسوں میں امریکی صدر کے دستخطوں سے ایٹمی مقاصد سے پاکستان کی بریت کا تصدیق نامہ بھی جاری ہوتا رہا۔ رسوائے زمانہ ''منرو کا نظریہ'' دھرے کا دھرا رہ گیا اور امریکہ بادل ناخواستہ پاکستان کی دفاعی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جب کہ پیشتر ازاں امریکی شہریوں کے ایران میں یرغمال بنائے جانے کے سلسلے میں پاکستان ایران کے خلاف کسی بھی کارروائی میں امریکہ کی مدد کرنے سے انکار کر چکا تھا۔ اس بار پاکستان نے اپنے پتے نسبتاً بہتر انداز سے استعمال کئے اور نہ تو رسمی غیر جانبداری ترک کی نہ مسلمان ممالک سے تعلقات کو داؤ پر لگایا اور نہ ہی اپنے ایٹمی پروگرام پر پابندی قبول کی ۔البتہ اس مرحلے پر اگر پاکستان اپنے گزشتہ قرضہ جات کی معافی کی شرط بھی عائد کرتا تو شاید آج ہم اس معاشی بدحالی کا شکار نہ ہوتے ۔امریکہ اس وقت اتنے دباؤ کا شکار تھا کہ وہ کوئی بھی شرط قبول کرنے سے انکار نہ کرتا تاہم ہم نے گزشتہ قرضے معاف کرانے کی بجائے امداد کی تجدید کو ترجیح دی اور اسی پر قناعت کر گئے۔

افغانستان سے روس کی پسپائی کے وقت تک پھر متعدد واقعات عالمی طاقتوں کے طے شدہ منصوبے سے ہٹ کر وقوع پذیر ہو چکے تھے (1) پاکستان ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے میں خاصی پیش رفت کر چکا تھا (2) افواج پاکستان اور انٹیلی جنس سروسز بہت مضبوط ہو چکی تھیں۔ (3) پاکستان خفیہ آپریشن اور پراکسی وار (Proxy War) میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ (4) افغانستان میں پاکستان کی حلیف اسلامی حکومت کے قیام کے امکانات روشن ہو چکے تھے (5) روس کی نو آزاد شدہ وسط ایشیائی مسلم ریاستوں سے پاکستان کے تعلقات بڑھ رہے تھے (6) کشمیر میں کشمیری مجاہدین نے ہندوستان کے خلاف جنگ آزادی شروع کر دی تھی۔ (7) بوسنیا نے یوگوسلاویہ کے تسلط سے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ (8) ایران امریکہ تعلقات مزید بگڑ چکے تھے جب کہ پاک ایران تعلقات میں بہتری کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ (9) پاکستان کے پاس افغان جنگ سے بچا ہوا اسلحہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ امریکہ نے حالات کو مطلوبہ سمت میں لانے کیلئے پھر نئے اقدامات کئے ۔اس مرحلے پر محمد خان جونیجو مرحوم اعصابی جنگ ہار گئے جب کہ جنرل ضیاء الحق کا مشورہ تھا کہ افغانستان میں وسیع البنیاد حکومت کا قیام جنیوا معاہدے کا حصہ بننا چاہئے۔ جونیجو مرحوم کو خطرہ تھا کہ کہیں روس اپنی واپسی کا ارادہ ملتوی نہ کر دے لہٰذا وہ معاہدے پر دستخط کرنے میں عجلت سے کام لے گئے نتیجتاً (1) افغانستان میں آج تک امن قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوسکا اور ہندوستان جو تمام عرصے میں افغانستان کے مفاد کے خلاف کام کرتا رہا تھا۔ دوبارہ اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ (2) اوجڑی کیمپ میں دھماکہ کروا کر تمام اسلحہ بارود تباہ کردیا گیا۔ (3) طیارے کے حادثے میں جنرل ضیاء الحق سے نجات حاصل کر کے کشمیریوں کی جنگ آزادی پر کاری ضرب لگائی گئی اور پاکستان میں عدم استحکام پیدا کیا گیا۔ (4) دہشت گرد قرار دینے کی دھمکی کے زیر اثر کشمیریوں کو تمام امداد بند کروا دی گئی۔ (5)۔ ایٹمی پروگرام منجمد ہونے کیپ ہونے اور رول بیک ہونے کی مبہم اصطلاحوں کی آڑ میں دم توڑنے لگا۔ (6) ECO کا قیام گوادر کی بندرگاہ کی تعمیر اور موٹروے کے منصوبے مؤخر ہونے کی وجہ سے نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکے۔ (7) خلیج کی جنگ میں عراق کی فوجی ایٹمی اور معاشی قوت کو برباد کرنے کے علاوہ خلیج کے علاقے میں امریکی فوجوں کے مستقل قیام کی ضرورت پیدا کر کے اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل کی گئی۔ (8) زخموں سے چور چور بوسنیا کی مزید کاٹ چھانٹ کر کے ملتان ڈویژن سے بھی چھوٹے علاقے کو آزاد کردیا گیا۔ (9) افغانستان کے مسئلے پر پاکستان اور ایران میں اختلاف پیدا ہوگئے۔ (10) چین کو بلیک میل کر کے میزائل پروگرام میں تعاون ختم کروادیا گیا۔ (11) ایران کی مبینہ ''دہشت گردی'' ختم کرنے کیلئے خصوصی فنڈ مختص کئے گئے۔ (12) بھارت اور چین کے تعلقات کو بہتر بنایا گیا۔ (13) لامحدود معاشی دباؤ کے تحت پاکستان کو فوجوں میں کمی کا مشورہ دیا گیا۔ (14) بھارت امریکہ کے بہت قریب ہوگیا۔ (15) پاکستان کو ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لانے، باہمی تجارت کو فروغ دینے اور کشمیر کے متبادل حل پر مذاکرات کرنے پر مجبور کیا گیا۔ (16) طالبان حکومت اپنے شدت پسندرجحانات کی وجہ سے عالمی برادری میں مقبول نہ ہوسکی اور افغانستان میں امن نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔

مندرجہ بالا سطور میں بیان کردہ واقعات میں تسلسل اور ربط وقت کی تقدیم وتاخیر سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ مزاحمت کے پیش نظر بعض مقاصد کو وقتی طور پر مؤخر کردیا گیا یا ان کے حصول میں سست پیش رفت ہوئی لیکن ان کو کسی بھی مرحلے پر نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا گیا تآنکہ ان کی تکمیل ہوگئی۔

عالمی تناظر میں اس خطے میں بھی امریکہ کے بعض مقاصد ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں جن کے حصول کیلئے تگ ودو جاری ہے۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد عالمی سپر طاقت کے پیش نظر چین اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ملکوں کو کمزور کرنا اولین ترجیح ہے۔ ہنری کسنجر نے اپنی تصنیف میں کھل کر اسلام کو مغرب کیلئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ روس کے زوال سے پیدا ہونے والا خلاء کوئی دائمی امر نہیں۔ قانون قدرت کے مطابق کسی نہ کسی نے یہ خلاء پورا کرنا ہے چاہے یہ خلاء یورپ پورا کرے یا چین اور اس کے اتحادی ممالک یا اسلامی بلاک۔ اس سلسلے میں احتیاطی اقدامات پر عمل پہلے ہی شروع ہو چکا ہے ہمارے خطے میں امریکہ کے مندرجہ ذیل ممکنہ مقاصد ہو سکتے ہیں۔ (1) ایٹمی ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ بالعموم اور مسلمان ممالک میں بالخصوص ہر قیمت پر روکنا (2) اسرائیل کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ (3) چین کو کمزور کرنا (4) بیرونی امداد کے طور پر دیئے گئے قرضوں کی اقساط اور اصل رقوم کی واپسی کو یقینی بنانا (5) مسلم ممالک کو کمزور کرنا اور ان کے باہمی اتحاد کو روکنا (6) اپنی پشت پناہی میں ہندوستان کو آگے بڑھانا (7) ہانگ کانگ کی جگہ متبادل بندرگاہ کا حصول (8) آئندہ عزائم کی تکمیل کیلئے علاقے میں ایک ہمہ وقت جاسوسی اڈے کی دستیابی اور (9) پاکستان کی مسلح افواج میں قابل ذکر تخفیف۔ (10) وسط ایشائی ریاستوں میں اثر و نفوذ اور تیل کے ذخائر پر قبضہ۔ (11) مسلم ممالک میں دینی جذبے کو ختم کرنا اور نشأۃ ثانیہ کے عمل کو روکنا۔

قارئین کرام آپ نے عالمی منصوبہ سازوں کی پالیسی میں استقلال اور تسلسل کا احساس کیا ہوگا اپنے قومی مقاصد کی تکمیل کیلئے انہیں آلہ کاروں کی تلاش رہتی ہے جو مختلف ممالک کی قیادت میں باافراط دستیاب ہیں۔ ہمارے بھی کچھ قومی مفادات اور مقاصد ہیں جن میں کم سے کم تین پر تو کچھ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ اولاً ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ثانیاً ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی صلاحیت رکھنا۔ ثالثاً اپنی شہہ رگ کشمیر کو دشمن کے پنجے سے آزاد کرانا۔ ان مقاصد کیلئے ایٹمی صلاحیت اور ایک مضبوط فوج ناگزیر ہیں۔

گزشتہ چند برس سے فوج کی تخفیف اور ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کیلئے پاکستان پر بے پناہ دباؤ ہے۔ حال ہی میں معاشی ابتری اور قرضوں کی ادائیگی کی آڑ میں یہ دباؤ مزید بڑھا دیا گیا ہے۔ کشمیر پر مذاکرات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ایران اور چین کے ساتھ ہمارے تعلقات کو فرقہ وارانہ دہشت گردی اور اندرونی شورشوں کے ذریعے متاثر کیا جا رہا ہے۔

امن و امان کی حالت ابتر ہو رہی ہے۔ صنعت کا بند پہیہ ابھی تک پوری طرح حرکت میں نہیں آیا۔ کراچی کے حالات بھی اطمینان بخش نہیں ہیں۔ کراچی کی بندرگاہ کا کافی حصہ امریکی انتظام و انصرام میں دیا جا چکا ہے اور ایم کیو ایم کا گروہی اختلاف بوری بند لاشوں کی صورت میں منظر عام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر آ رہا ہے۔ یہ یقیناً تمام قوم کیلئے لمحہ فکر ہے۔

مسلم لیگی حکومت نے بہت سے انقلابی اقدامات کے ذریعے صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ تمام قوم دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گھمبیر صورتحال سے نجات دے۔

آج اس قوم کو میر جعفروں اور میر صادقوں کی بجائے میر قاسم اور سلطان ٹیپو جیسے اولوالعزم قائدین کی ضرورت ہے۔ عالمی شطرنج باز اپنی چالیں پوری مہارت سے چل رہے ہیں۔ وہ ہر صورت میں اپنے مقاصد حاصل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایسے میں اگر ہمارے قائدین قوم کو اعتماد میں لیں تو تمام قوم 47ء اور 65ء کے جذبے کے ساتھ ان کی پشت پناہی کیلئے تیار ہوگی۔ شرط صرف ایک ہے کہ ملکی مفادات پر ہرگز سودے بازی نہ کی جائے کیونکہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(نوائے وقت)

28/مارچ 1997ء
4/اپریل 1997ء
11/اپریل 1997ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قومیت پرستی کی نئی لہر

قومیتوں کا پرچار پاکستان کے وجود کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا ناسور ہے جو قوم کے صحت مند جسد کی توانائیاں سلب کر کے اپنے لئے توانائی فراہم کرتا ہے یہ اس آکاس بیل کی مانند ہے جس کی اپنی جڑیں کہیں نہیں ہوتیں تاہم یہ میزبان پودے کے وجود سے چمٹ کر اس کا سارا رس چوس لیتا ہے۔ حتیٰ کہ میزبان پودا مرجھا کر موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ قومیتوں کے حق میں پروپیگنڈے کی ابتداء سوویت یونین نے سن ساٹھ کے عشرے میں کی۔ سوویت یونین ایک غاصب امپیریل قوت تھی جس نے بہت سی قوموں کو جبر و استبداد کے ذریعے اپنے ساتھ شامل کر رکھا تھا۔ سوویت یونین کے اشتراکی ڈھانچے میں ان مختلف قوموں کو قومیتوں کے نام سے ضم کیا گیا تھا۔ سرد جنگ کے دوران میں جب روس نے امریکہ کے حلیف ممالک کو کمزور کرنا چاہا تو قومیتوں کے حقوق کی بحث چھیڑ دی گئی اور فیڈریشن یعنی وفاق کی بجائے کنفیڈریشن کے تصور کو آگے بڑھایا گیا۔ پاکستان کے امریکی حلیف ہونے کی وجہ سے ہم پر سوویت یونین کی خاص نگاہ کرم تھی۔ اس عرصے میں روس کے پروردہ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے قومیتوں اور آزاد ریاستوں کے تصور کا پرچار کیا۔ اس کے علاوہ مرکز گریز سیاستدانوں اور مختلف طلباء تنظیموں کو بھی آلہ کار بنایا گیا۔ یہ طبقات وقتاً فوقتاً کم یا زیادہ فعالیت کا مظاہرہ کرتے رہے تاہم 79ء میں افغانستان پر روس کی فوج کشی نے ان کو متزلزل کر دیا۔ راسخ العقیدہ عناصر کے سوا باقی ماندہ نیم دل حضرات غیر محسوس طریقے سے اپنی گزشتہ سرگرمیوں سے لاتعلق ہو گئے۔ بعد ازاں جب سوویت یونین ایک اشتراکی قوت کی حیثیت سے ناپید ہو گیا تو راسخ العقیدہ اشتراکی بھی طفلِ بے مادر کی طرح کسمپرسی کی کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ بدقسمتی سے اس وقت تک علیحدگی پسندی کا کاشتہ پودا برگ و بار لا چکا تھا لہذا ایسے وطن دشمن عناصر نے اپنے بل بوتے پر مزید پیش رفت جاری رکھی۔ مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ امریکہ اور روس کے مفادات متصادم ہونے کی بجائے مطابقت کا رخ اختیار کر گئے اور امریکہ نے روس کی ہی پالیسیوں کو مزید آگے بڑھانا آسان جانا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنوبی ایشیا میں پاکستان نہ صرف جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے اہم ہے بلکہ ایٹمی صلاحیت کا حامل ہونے کی وجہ سے بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر مزید ستم کہ یہ ایک نظریاتی بنیادوں پر قائم ہونے والی ریاست ہے جس نے مذہب کی بنیاد پر ایک قوم ہونے کا تصور اجاگر کیا۔ لہٰذا مسلم قومیت کی بنیاد پر بننے والے اس ملک کا وجود تمام حریف قوتوں کو کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کثیر المذاہب سیکولر ممالک کو مذہب کی بنیاد پر استوار ایک جدید مسلم ریاست کا وجود گوارا نہیں کیونکہ یہ ان کے رائج نظام سے متصادم تصور ہے۔ 70ء کے عشرے میں جنوبی اور مغربی ایشیاء میں دو اہم واقعات رونما ہوئے جن سے عالمی طاقتوں کی باہمی آویزش کھل کر سامنے آ گئی جو کہ گزشتہ ایک عشرے سے پروان چڑھ رہی تھی۔ دراصل 60ء کے عشرے سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ امریکہ اور روس میں ایک غیر تحریر شدہ سمجھوتہ طے پا چکا ہے کہ دونوں عالمی طاقتیں ایک دوسرے کے اثر کا علاقہ تسلیم کرتے ہوئے اس میں مداخلت نہ کریں تا کہ براہ راست تصادم سے بچا جا سکے۔ اس کا ثبوت بھی جلد ہی مل گیا۔ 65ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر پاکستان امریکہ کا اتحادی تھا لیکن جب روس نے جنگ بندی کی کوشش کی تو امریکہ نے معترض ہونے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ امریکی پالیسی میں ایک واضح تبدیلی کے آثار تھے۔

صرف چھ سال بعد جب روس نے بیس سالہ دوستی کے معاہدے کی آڑ میں بنگلہ دیش بنانے میں بھارت کی بھرپور مدد کی تو امریکہ خاموش تماشائی بنا رہا جس سے اس تاثر کو مزید تقویت ملی کہ امریکہ جنوبی ایشیا کے معاملات سے روس اور بھارت کے حق میں دستبردار ہو چکا ہے۔

تاہم اس دوران میں چین سے تعلقات استوار کر کے امریکہ طاقت کا توازن اپنے حق میں کر چکا تھا۔ اس کے باوجود روس یا امریکہ نے کسی بھی مرحلے پر واشگاف طور پر اپنے اثر کے علاقے کی وضاحت کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ قومیت پرست عناصر کی پشت پناہی سے بھارت جو مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ تو بالکل واضح ہیں لیکن امریکہ بھی ان کوششوں میں ایک فریق ہے یا نہیں یہ ایک متنازعہ امر ہے۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ جدید دور میں مذہب کی بنیاد پر ایک آزاد ملک کی تشکیل کو آج بھی دل سے تسلیم نہیں کیا گیا اور پورا مغرب بشمول امریکہ دو قومی نظریئے کو باطل ثابت کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً مضامین اور کتب شائع کرائی جاتی ہیں جن میں پاکستان کو ایک ناکام ریاست قرار دیا جاتا ہے۔ خصوصاً یہودی پریس اس سلسلے میں بھاری سرمایہ کاری کر رہا ہے تا کہ پاکستانیوں کو اپنے مستقبل کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے مایوسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے دوچار کر دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ایسے باطل نظریات بھی پھیلائے جاتے ہیں کہ تمام کمزور ریاستیں نسل علاقے، زبان اور مذہب کی بنیاد پر مزید کمزور ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور بعد ازاں بڑے ممالک میں ضم ہو جائیں گی۔ یہ باطل نظریہ ہندوستان کے اکھنڈ بھارت کے نظریئے کی تائید کرتا نظر آتا ہے اور بنگلہ دیش کے بعد پختونخواہ، سرائیکی صوبہ، سندھو دیش اور جناح پور وغیرہ اس کی مزید کڑیاں ہیں۔

سندھ کے ایک محب وطن سیاستدان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے امریکہ کے ایک حساس دفاعی ادارے میں جو نقشہ دیکھا اس میں پاکستان کی بجائے پانچ چھوٹی چھوٹی ریاستیں دکھائی گئی تھیں۔ حال ہی میں چھپنے والی سید عبدالمعالی کی متنازعہ کتاب ''پاکستان کے دو ادوار'' میں بھی پاکستان کو پانچ حصوں میں بٹا ہوا دکھایا گیا ہے۔ ایسی تحریریں حقائق پر نہیں بلکہ مذموم خواہشات پر مبنی ہیں۔ یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ برطانیہ عظمیٰ نے مستقبل کا جو نقشہ ترتیب دیا تھا اس میں برصغیر کی تقسیم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ ہر حال میں متحدہ ہندوستان کے حامی تھے تاکہ اسے روس اور بعد ازاں چین کے خلاف کھڑا کیا جا سکے۔ تاہم قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قائداعظم کی انتھک کوششوں اور مسلمانوں کی قربانیوں سے پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ ہندو قیادت کا خیال تھا کہ یہ عارضی تقسیم جلد ہی ختم ہو جائے گی اور مسلمان از خود دوبارہ بھارت میں انضمام کی درخواست کریں گے۔ یہ خیال اب بھی ان کے ذہن سے محو نہیں ہوا بلکہ اب یہودی لابی اسی امکان کو آگے بڑھانے کیلئے کوشاں ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ جب بھی پاکستان اپنی حاکمیت اعلیٰ کے تحفظ کیلئے اقدامات کرتا ہے تو علیحدگی پسند عناصر کی سرگرمیوں میں اچانک شدت آ جاتی ہے۔

لہٰذا اب اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ مختلف بنیادوں پر قائم علاحدگی پسندوں کی تنظیموں کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی ہے جو اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اشاروں پر رقص کناں ہوتی ہیں۔ حالیہ ایٹمی دھماکوں اور قومی ایجنڈے کے اعلان کے بعد تمام کونوں کھدروں سے وفاق دشمن عناصر یکجا ہوتے دکھائی دے رہے ہیں تو اس کا مقصد بھی حکومت پر دباؤ بڑھانا ہے تاکہ عالمی طاقتیں اپنے اہداف حاصل کر سکیں۔ معاشی پابندیوں کے ساتھ ساتھ متوازی خطوط پر اپنے پروردہ افراد اور تنظیموں کو متحرک ہونے کا اشارہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ اندرونی خلفشار کے ذریعے حکومت کی مشکلات میں اضافہ کیا جائے اور اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکے۔ یہ ایک وقتی بحران ہے اور اگر ہم ثابت قدم رہے تو کچھ عرصے بعد جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔ وفاق دشمن اور مرکز گریز عناصر جو خدمات پہلے روس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے سرانجام دے رہے تھے اب بہتر معاوضے پر وہی خدمات امریکہ اور ہندو یہودی لابی کیلئے سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کیلئے تو صرف آقاؤں کی تبدیلی ہے لیکن پاکستان کیلئے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس مرحلے پر حکومت کو قومی یکجہتی کو فروغ دینے والے اقدامات کرنے چاہئیں اور ساتھ ساتھ غیر ملکی آقاؤں کے ہاتھوں میں کھیلنے والوں سے بھی آہنی عزم سے نمٹنا چاہئے۔ پاکستان قائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ آج یہ ساتویں ایٹمی قوت ہے۔ اگر ہم نے حوصلہ نہ ہارا اور اعصاب کو قابو میں رکھا تو انشاء اللہ ہم اس بحران سے کندن بن کر نکلیں گے۔ قومی مفادات پر سمجھوتہ کرنے کی غلطی ہرگز نہ کی جائے۔

نوائے وقت
4 اگست 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملے گی اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ

عالمی میڈیا میں اس وقت صدر کلنٹن کا مجوزہ دورہ جنوبی ایشیا مرکز نگاہ ہے۔اس ضمن میں سب سے اہم اور متنازعہ امر پاکستان کو شامل کرنا یا نظر انداز کرنا ہے یہ معاملہ اس لئے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے امریکی فارن پالیسی میں ایک نمایاں تبدیلی کی عکاسی بھی ہوسکتی ہے حالات کو جوں کا توں بھی رکھا جاسکتا ہے اور بہت دھیمے انداز میں کسی ہلکی پھلکی تبدیلی کا احساس بھی دلایا جاسکتا ہے۔ موخر الذکر دونوں نکات صرف پالیسی میں تبدیلی کی تلبیس کاری کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں جب کہ حقیقت یہی ہے کہ امریکن پالیسی میں بھارت اور امریکہ کے حسب دلخواہ تبدیلی تو کب کی ہوچکی ہے۔ جتنا جلد ہم اس امر کا ادراک حاصل کرلیں اتنا ہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ حقیقت کچھ یوں ہے کہ اپنے وسائل آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بھارت ہمیشہ سے مغربی ممالک کیلئے خاص کشش رکھتا ہے مزید برآں سیکولرازم اور جمہوریت کی نقاب سے اس نے اپنے آپ کو مزید دلفریب بنا رکھا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جس ملک کو امریکی دورے کی دعوت پہلے دی گئی وہ بھارت تھا نہ کہ پاکستان۔ پنڈت نہرو کو دیئے گئے امریکی دعوت نامے کو اپنے مفادات کے لئے مضرت رساں سمجھتے ہوئے پاکستان کے دفتر خارجہ نے بہت تگ ودو کی اور لیاقت علی خان کے لئے بھی دعوت نامہ حاصل کرلیا۔ دریں اثناء ابتدائی امریکی سفارتکاری کا توڑ کرنے کے لئے روس نے بھی پاکستان کو دعوت نامہ بھیج دیا۔ دوسری طرف بھارت ابھی تک گومگو کی کیفیت میں تھا کہ پاکستان نے امریکی دعوت نامہ قبول کرلیا اور یوں آئندہ نصف صدی کے لئے برصغیر کے دو اہم ممالک متحارب کیمپوں میں بیٹھ گئے۔

اس وقت بھارت بزور شمشیر حیدرآباد جونا گڑھ، مناوادر اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرچکا تھا اور پاکستان کے خلاف حیدرآباد دکن کے انداز میں ''پولیس ایکشن'' پر بحث بھارتی پارلیمنٹ میں زور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وشور سے جاری تھی۔ ملکی دفاع کو مضبوط کرنے کی خاطر کچھ عاجلانہ فیصلے کرنا شاید صاحبان اقتدار کی مجبوری تھی کہ انہوں نے روس کے مخالف کیمپ میں بیٹھنا بھی غنیمت جانا اور امریکہ سے بڑھ کر امریکہ کا اتحادی کہلانے پر فخر محسوس کیا۔ آنے والے برسوں میں پاکستان کو اتحادی بنائے رکھنا امریکی مفادات کے لئے ناگزیر تھا لہذا انہوں نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ روس کی افغانستان میں دراندازی کے بعد تو یہ سراسر مجبوری کا سودا تھا۔ اس صورتحال کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ بھارت کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے امریکہ اور روس نے پاکستان کو "لاسے" کے طور پر استعمال کیا۔ دونوں بڑی طاقتوں کا اصل مطلوب بھارت تھا نہ کہ پاکستان، لہذا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ 1962ء میں چین کے ساتھ لڑائی کے دوران امریکہ نے بھارت کو غیر محدود دفاعی ساز و سامان دیا جو کہ اس کے اتحادی پاکستان کے مفادات کے خلاف تھا۔ اسی طرح بھارت نے غیر جانبداری کا ڈھونگ رچاتے ہوئے روس سے بھی غیر محدود دفاعی اور معاشی فوائد حاصل کئے کیونکہ بھارتی پالیسی سازوں نے طویل المدت منصوبہ بندی میں اپنے لئے راہ عمل کو کھلا رکھا۔ اس کے برعکس پاکستان نے متبادل راہ عمل کو مسدود کر لیا اور تمام انڈے ایک ہی ٹوکری میں رکھ دیئے۔ تا آنکہ 1958-62ء میں پاکستان تینوں متحارب فریقوں یعنی امریکہ، روس اور چین سے تعلقات میں توازن پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت چین جنگ کے دوران پاکستان کو صورتحال سے فائدہ اٹھانے سے روکا گیا ورنہ کشمیر 62ء میں ہی آزاد ہو گیا ہوتا۔ اسی طرح 71 میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور ہمارے اتحادی ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ سوویت یونین کی ٹوٹ پھوٹ اور معاشی تباہی کے باعث امریکہ نے از سر نو اپنے اہداف کا تعین کیا اور اس مرتبہ وہ بھارت کو زیر دام لانے میں کامیاب ہو گیا ہے البتہ بنیا اپنے مفادات حاصل کرنے میں امریکیوں سے بڑھ کر ہوشیار ہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ سرد جنگ کے اختتام پر امریکہ واحد سپر طاقت بن کر ابھرا ہے لہٰذا دوسرے قطب کی غیر موجودگی میں دنیا عدم توازن سے دوچار ہے۔ چین اپنی آبادی، رقبے اور وسائل کی بناء پر مزاحمتی گروپ کی قیادت کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے اپنے مفادات بھی مقدم ہیں۔ اس وقت چین کی اولین ترجیح معاشی استحکام اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول ہے لیکن اگر امریکہ نے بھارت کے ذریعے چین کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی تو ترجیحات تبدیل بھی ہو سکتی ہیں۔ تاہم جانبین کی عدم موجودگی میں اب غیر جانبداری کا ڈھونگ رچائے رکھنا بھارت کے لئے ضروری نہیں جب تک کہ ایک دوسرا کیمپ وجود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نہ آجائے۔ ہمارے لئے اہم بات یہ ہے کہ امریکی وابستگی اور مفادات اب طشت از بام ہو چکے ہیں۔ اس خطے میں امریکی مفادات کا نگران اب بھارت ہی ہوگا اور اسی نسبت سے پاکستان کو کم اہمیت دی جائے گی لہٰذا ہمیں اپنے قومی مفادات کا خود تحفظ کرنا ہوگا۔ کشمیر میں امریکہ کی دلچسپی واجبی نوعیت کی ہے اور بھارت کی ہٹ دھرمی کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمیں اپنے جوہری پروگرام کی حفاظت بھی کرنا ہوگی ورنہ امریکی بھارتی گٹھ جوڑ کا دیو استبداد خدانخواستہ ہمیں کچل کر رکھ دے گا۔ ہمیں چین کے ردعمل کا انتظار کئے بغیر مستقبل میں جھانک لینا چاہئے۔ اب اس خطے میں ہمارے مفادات سراسر چین سے وابستہ ہیں۔ افغانستان، ایران اور مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کے علاوہ وسطی ایشیائی ممالک سے روابط بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ جنرل مشرف کا دورہ چین بہت بروقت تھا جس سے متبادل راہ عمل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ امریکہ مکمل طور پر منرو ڈاکٹرائن پر عمل پیرا ہو چکا ہے۔ ہمیں اس بت آذر سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے پاکستان کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا بہر حال امریکہ کے لئے بہت مشکل امر ہے۔ اگر صدر کلنٹن پاکستان کا دورہ نہیں کرتے تو صورتحال قبل از وقت ہی اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے گی جو کہ ڈپلومیسی کے تقاضوں کے خلاف ہوگا۔ بنگلہ دیش کا دورہ پہلے کرنے سے بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ بعد ازاں بھارت اور سب سے بعد میں پاکستان کے دورے کے امکانات ہیں۔ یہ بحث لا حاصل ہے کہ پاکستان کا دورہ کیا جائے گا یا نہیں۔ میرے تجزیئے کے مطابق صدر امریکہ کے لئے پاکستان کا دورہ ناگزیر ہے۔ بظاہر یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے لیکن اس کے جواز میں منطقی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ امریکہ کے لئے ایک ایٹمی صلاحیت کے حامل ملک کو اپنے حلقہ اثر سے نکالنا دانشمندانہ اقدام کہلا سکتا ہے کیونکہ اس کے بہت سے دور رس منفی اثرات ہو سکتے ہیں۔ امریکہ نے اس خطے میں ان ممالک سے بھی معاملات طے کرنے ہیں جو پاکستان کے زیر اثر ہیں اور پاکستان سے اپنے دیئے ہوئے قرضے بھی وصول کرنے ہیں۔ عالمی دہشت گردی پر بھی قابو پانا ہے اور منشیات کی روک تھام بھی کرنی ہے۔ اگر امریکی حکومت کے مشیر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ان معاملات میں پاکستان کا تعاون درکار نہیں تو یہ ان کی بھول ہوگی۔ اور بھول کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے واحد سپر پاور ہی کیوں نہ ہو۔ نئی صدی کے آغاز پر اس طرح کے غلط سگنل سے امریکہ اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر پائے گا۔ فی الوقت امریکہ اس دورے کے عوض پاکستان سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے لئے التوا کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اس اعصابی جنگ میں عالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوصلگی اور ثابت قدمی کی اشد ضرورت ہے۔امریکی صدر کے دورے کی خاطر ہمیں اپنے طویل المدت مفادات کو داؤ پر لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پاکستان کا دورہ کرنا امریکہ کی مجبوری ہے۔

نوائے وقت۔9 مارچ 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خُو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو

امریکی صدر آئے بھی اور چلے بھی گئے لیکن تا حال ان کے جنوبی ایشیا کے دورے کے اغراض و مقاصد ارشادات کے بین السطور مطالب اور مابعد اثرات زیر بحث ہیں۔ ماہرین اتنے جامع تجزیئے کر چکے ہیں کہ اب بظاہر کوئی نئی بات سامنے نہیں لائی جا سکتی۔ تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے صدر کے مشیروں اور اہلکاروں کے بیانات کو صدر کلنٹن کی تقریر سے علیحدہ کر کے دیکھنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔ مہمان خصوصی کی آمد سے پہلے ہی ان کے خصوصی معاون برائے سکیورٹی نے بھارت کی سرزمین سے پاکستان کو جو تحریری پیغامات بھیجے ان کو بھی صدر کلنٹن کی تقریر کا تکملہ ہی سمجھنا چاہئے۔ امریکی دراصل انگریزوں ہی کے جانشین ہیں اور انگریز کی یہی پالیسی تھی کو جو تلخ اور ناگوار باتیں افسر اعلیٰ خود کہنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ افسران زیریں کے ذریعے کہلواتا تھا۔ یونٹ میں کمانڈنگ افسر کی بجائے یہ ناگوار فریضہ ایڈجوٹینٹ بجالاتا تھا۔ اس درشت طرز عمل پر ایڈجوٹینٹ کو تمام یونٹ دل ہی دل میں کوستی تھی لیکن کمانڈنگ افسر اپنی ہر دلعزیزی برقرار رکھنے میں کامیاب رہتا تھا۔ صدر کلنٹن نے بھی یہی حکمت عملی اپنانا بہتر سمجھا ہے۔

پاکستانی قوم سے خطاب میں اگرچہ صدر کلنٹن کا اپنا لب ولہجہ بھی کوئی اتنا قابل تحسین نہیں تھا لیکن زیادہ سخت باتیں وہ اپنے نائبین کی زبان سے ہم تک پہنچا چکے تھے۔ اس کے علاوہ وہ قائداعظم کی تقریر کے حوالے سے اپنے خطاب کو قدرے گوارا بنانے میں کامیاب رہے۔ لیکن زہر ہلاہل پھر بھی قند نہ بن سکا۔ سکیورٹی ایڈوائزر سینڈی برگر اور مائک ہمیر کے ذریعے یہ گوہر فشانیاں کی گئیں کہ صدر کلنٹن جنرل مشرف کو وارننگ دیں گے کہ دوراہے پر کھڑا پاکستان ایک راستہ چن لے۔ یا تو داخلی مسائل پر توجہ دے اور ناکام ریاست بننے سے بچ جائے یا موجودہ روش پر چلتا رہے۔ اس کے بعد تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا کہ ظاہر ہے موجودہ روش تباہی کی طرف لے جائے گی۔ یہ دھمکی غیر سفارتی زبان کا بدترین نمونہ تھی۔ دوسری دھمکی موجودہ صورت حال میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکی امداد سے محرومی کی تھی مزید دو بیانات وضاحتی تھے کہ جمہوریت کی بحالی تک پاکستان سے تعلقات کشیدہ رہیں گے اور صدر کلنٹن کا دورہ امن مشن کیلئے ایک مجبوری تھا۔ نہ تو اس سے فوجی حکومت کی تائید مقصود ہے اور نہ ہی جنرل پرویز مشرف کو کوئی مراعات دی جارہی ہیں۔ یہ پیغامات نہ صرف مختصر دورے کا پیشگی ایجنڈا بتا کر پاکستانی حکام کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے تھے بلکہ اس کے مزید دو مقاصد تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ بھارت کو مطمئن کیا جاسکے کہ یہ ساری تگ و دو آپ کی سرحدوں کو محفوظ بنانے کیلئے ہی تو کی جارہی ہے۔ دوسرا مقصد امریکی رائے عامہ کو مطمئن کرنا تھا جو بھارت کا اصل چہرہ دیکھنے کی صلاحیت سے عاری ہے اور بھارت کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت سمجھنے کے فریب میں مبتلا ہے کہ امریکی صدر نے ایک غیر جمہوری حکومت سے صرف ملکی مفادات میں بامر مجبوری ناگزیر معاملات پر گفتگو کی ہے۔ بھارت کی تالیف قلب کیلئے یہ بھی بتا دیا گیا کہ امریکی صدر مسئلہ کشمیر طے کرانے نہیں آرہے لہذا آپ پریشان نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس پس منظر میں ہونیوالا دورہ مختصر تو ہونا ہی تھا بلکہ اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ اسے غیر سرکاری دورہ قرار دیا جائے، گارڈ آف آنر سے سلامی نہ لی جائے اور امریکی صدر کی جنرل پرویز مشرف سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی تصویر نہ کھینچی جائے۔ لہذا نہ دوران گفتگو کوئی فلیش گن چمکی اور نہ ہی بعد میں فوٹو سیشن ہوا۔ یہ تمام حربے صرف اور صرف معاملات کی سنجیدگی ظاہر کرنے اور پاکستان پر دباؤ بڑھانے کیلئے استعمال کئے گئے۔

صدر کلنٹن نے اپنے خطاب میں مزید واضح کر دیا کہ کشمیر پر ثالثی بھارت کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں۔ مسئلہ کشمیر کا فوجی حل ممکن نہیں۔ خون ریزی سے سرحدیں تبدیل نہیں ہوسکتیں۔ لہذا پاکستان نے ہماری بات نہ مانی تو تنہا رہ جائے گا۔ صدر کلنٹن اور ان کے معاونین کے بیانات کو ملا کر تجزیہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کی موجودہ روش اور موجودہ صورت حال جو امریکہ کیلئے قابل قبول نہیں آزادی کشمیر کے حوالے سے ہے اور اسی سلسلے میں یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر پاکستان نے حریت پسندوں کی حمایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو پاکستان نہ صرف تنہا رہ جائے گا بلکہ خدانخواستہ ایک ناکام ریاست بن جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ناکام ریاست اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ لہذا یہ ہمارے مستقبل کی ایک جھلک ہے جو امریکی عزائم کی آئینہ دار ہے۔

جو حضرات اس دورے کی بھیک مانگنے کے حق میں نہیں تھے مجھے ان سے جزوی اختلاف ہے۔ راصل یہ دورہ تو امریکہ کے لیے ناگزیر تھا ورنہ بھارت کو اس کے مفادات کے تحفظ کے ضمن میں کیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطمئن کیا جاتا اور آپ کو براہ راست وارننگ کیسے ممکن ہوتی؟ البتہ بھیک نہ مانگنے کی حد تک ان کی بات درست ہے۔ جہاں تک دورے کے بے مقصد ہونے کا تعلق ہے تو پاکستان کی حد تک یہ ایک انتہائی بامقصد اور مفید دورہ تھا۔ اس دورے میں پہلی بار دوٹوک الفاظ میں ہمیں بتلا دیا گیا ہے کہ پاکستان کو "لاسے" کے طور پر استعمال کیا جا چکا ہے اور امریکہ بھارت کو زیر دام لانے میں کامیاب ہو چکا ہے لہذا اب "لاسے" کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کے بعد تو احمقوں کی جنت میں بسنے والے اور خواب خرگوش میں محو حضرات کو ہوش میں آجانا چاہیے اور اپنے قومی مفادات کے تحفظ کیلئے واحد سپر پاور یعنی قادر مطلق کی طرف رجوع اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میاں نواز شریف کی طرح کچھ اور حضرات بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ امریکہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ ایک قطعاً غلط امید ہے کیونکہ امریکی حکام لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد کا درجہ دے چکے ہیں ورنہ خون ریزی سے سرحدوں کی تبدیلی کو ناممکن قرار نہ دیتے۔ دراصل بھارت امریکہ کو یہ باور کرا چکا ہے کہ کشمیر کی علیحدگی کی صورت میں بھارت کے حصے بخرے ہو جائیں گے۔ دوسری جانب امریکہ کے مفاد میں ہے کہ بھارت کو اپنے موجودہ رقبے آبادی اور وسائل کے بل بوتے پر چین کے ممکنہ حریف کے طور پر تیار کیا جائے۔ لہذا اب بھارت کا مفاد ہی امریکہ کا مفاد ہے۔ امریکہ کی مسئلہ کشمیر میں واجبی سی دلچسپی اس کے نیوکلیئر فلیش پوائنٹ ہونے سے ہے جسے وہ عالمی امن کیلئے خطرہ تصور کرتا ہے۔ اس خطرے کو ٹالنے کیلئے منطقی اور اصولی راستہ تو ایک ہی ہے کہ مسئلہ کشمیر حل کیا جائے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کرا کر کشمیری عوام کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے۔ چونکہ یہ حل بھارت کو قابل قبول نہیں لہذا امریکہ بھی اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہ صورت حال کتے کو کنوئیں سے نکالے بغیر کنوئیں کو پاک کرنے کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک سعی لاحاصل ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ امریکہ کے پاس تین مختلف راہ عمل ہیں جن سے امریکی مفادات کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ پہلا آپشن صورت حال کو جوں کا توں رکھنے کا ہے۔ جس کیلئے پاکستان کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ وہ اپنے داخلی مسائل حل کرے اور جہاد کے ذریعے سرحدیں تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ دوسرا آپشن بھارت اور پاکستان کو گفت و شنید کے ذریعے کشمیر کی لائن آف کنٹرول میں معمولی ایڈجسٹمنٹ پر رضامند کرنے کا ہے اس پر بھارت تو شاید راضی ہو جائے لیکن پاکستان اور کشمیری عوام ایسے حل کو تسلیم نہیں کریں گے۔ تیسرا ممکنہ اور خطرناک ترین حل یہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو اس طرح بے دست و پا کر دیا جائے کہ وہ کشمیر کا نام لینا ہی بھول جائے۔ ہماری موجودہ معاشی ابتری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سیاسی خلا کے باعث تیسرے آپشن پر عملدرآمد کے واضح امکانات ہیں۔ پھندے کو بتدریج بل دے کر کسا جارہا ہے۔آپ نے اگر زور سے سانس بھی لے لیا تو نادہندگی کا عفریت تیار کھڑا ہے۔ دہشت گرد قرار دیئے جانے کی دھمکیاں پہلے ہی دی جارہی ہیں۔یہ آپ کو معاشی اور بین الاقوامی بنیادوں پر تنہائی سے دوچار کرنے والے اقدامات کی صرف ایک جھلک ہے۔ہم جوانا ج میں بھی خود کفیل نہیں اپنی آزادی اور حاکمیت اعلیٰ کا دفاع کیسے کریں گے؟ محاورتاً گھاس کھانے کی بات کی جاتی ہے لیکن آج تک کس نے گھاس کھا کر گزارہ کیا ہے؟ سندھ اور بلوچستان میں حالیہ خشک سالی سے جو صورت پیدا ہوئی ہے ہمیں ذہنی طور پر اس سے بدتر حالات کیلئے خود کو تیار کرنا ہوگا۔

جہاں تک بھارت کا تعلق ہے تو کشمیر سے دست بردار ہونے کے باوجود بھی وہ پاکستان کو معاف کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ پاکستان اس کے توسیع پسندانہ عزائم کے راستے میں پہلی اور بڑی رکاوٹ ہے۔لہذا ہمیں غلامی کی زندگی یا عزت کی موت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔اس تیسرے آپشن پر عملدرآمد کرنے کے لئے ہمیں ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے۔تاہم اگر اپنی صفوں میں سے ہی جعفر اور صادق برآمد نہ ہوئے تو چودہ کروڑ غیرت مند انسانوں پر اپنی مرضی مسلط کرنا اتنا آسان بھی نہیں۔سی ٹی بی ٹی پر دستخط موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہوگا۔ہمیں اس خودکشی کے اقدام سے ہر صورت بچنا ہوگا۔اس کے علاوہ امریکہ کی جانب سے ہمارے سسٹمز کو جام کرنے کے خطرے کا تدارک کرنا ہوگا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹیکس نادہندگان سے ٹیکس وصول کیا جائے۔معیشت کو مستحکم بنایا جائے۔خوراک میں خود کفالت حاصل کی جائے۔راشی عمال کو برطرف کیا جائے اور انتخابی اصلاحات کے بعد الیکشن کرا دیئے جائیں۔فوجی حکومت بتدریج دلدل میں دھنستی جارہی ہے۔وہ بیک وقت بہت سے محاذ کھول چکے ہیں لیکن واضح پیش رفت کسی سمت میں دکھائی نہیں دیتی۔انہیں اپنا ایجنڈا مختصر کرکے تیز رفتار اقدامات کرنے چاہئیں اور مثبت نتائج سے قوم کو مطمئن کرنا چاہیئے۔اگر وہ صرف ٹیکسوں کی وصولی میں ہی کامیاب ہوگئے تو انشاءاللہ ہمیں مزید قرضوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔اندرونی یکجہتی کے بغیر کوئی قوم جنگ نہیں لڑسکتی۔حکومت کو چاہیئے کہ سیاسی خلا کو نیک نام سیاست دانوں سے پر کرے اور عوام کی قوت اور حمایت سے انقلابی و اصلاحی اقدامات کرنے میں کامیابی حاصل کرے۔اپنی بقا کی جنگ ہم نے خود لڑنی ہے۔امریکہ کا ہمارے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں۔جہادی تنظیموں پر پابندی سے ہمارا دفاع کمزور ہوگا۔اس کے برعکس کشمیریوں کیلئے اپنی جنگ آزادی کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزید مہمیز کرنے کی ضرورت ہے تا کہ بھارت کیلئے یہ بوجھ نا قابل برداشت ہو جائے۔ خارجہ محاذ پر چین کے ساتھ تعلقات مزید مستحکم بنائے جائیں اور مسلم ممالک کی اعلانیہ اور خفیہ مدد حاصل کی جائے۔ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں اور ایران و افغانستان کے ساتھ معاشی سماجی اور اقتصادی روابط استوار کیے جائیں اور دفاع کو مستحکم بنایا جائے۔ قومی پالیسی کے طور پر امریکہ سے نہ تو دشمنی مول لی جائے نہ خیر کی توقع رکھی جائے۔

نوائے وقت

15 رمئی 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

افواج پاکستان اور سیاست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرب آگہی

حالیہ برسوں میں ملکی سیاست میں فوج کی بلاواسطہ اور بالواسطہ مداخلت کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مستند حقائق کی عدم دستیابی کی بنا پر یہ ایک ایسا موضوع بن چکا ہے جس پر ہر صاحب قلم نے بلاخوف تردید جو چاہا وہ لکھا۔ اس موضوع پر طبع آزمائی ایک طرح کا فیشن بن چکی ہے۔ تاہم مجھے یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ ایسے مضامین میں سے بیشتر کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

زیر نظر تحریر کا محرک نوائے وقت کا 6 جولائی کا اداریہ اور چند روز پہلے کے اخبار میں چھپنے والا جنرل فیض علی چشتی کا اظہار خیال ہے۔ مذکورہ مضامین حقائق سے قریب تر اور صحیح پاکستانی سوچ کے غماز ہیں۔ ملکی مفاد کا تقاضا ہے کہ ایسے مضامین پر قلم اٹھانے سے پیشتر درست واقعات اور تاریخی حقائق کا ادراک حاصل کر لیا جائے تاکہ رائے عامہ پر غلط اثرات مرتب نہ ہوں۔

جنرل چشتی نے ماضی کے مارشل لاء کو دو طرح کا قرار دیا ہے۔ اول وہ جن میں فرد واحد کی ذاتی ہوس اقتدار محرک بنی مثلاً 1958ء کا ایوبی مارشل لاء اور 1969ء کا یحییٰ خانی مارشل لاء دوسری قسم کا مارشل لاء واقعاتی تسلسل کا منطقی نتیجہ ہو سکتا ہے جیسے کہ 1977ء کا جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء۔ اگر حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو ایوب خان کا مارشل لاء بھی ایک نہ ختم ہونے والی طوائف الملوکی کا نتیجہ تھا۔ پاکستان میں پہلے نو قیمتی سال صرف آئین کی تدوین میں ضائع کر دیئے گئے۔ ذاتی اغراض و مقاصد کو قومی مفاد پر ترجیح دی گئی اور بالآخر اقتدار ایک معذور گورنر جنرل کے حوالے کر دیا گیا۔ وزرائے اعظم کی تبدیلی بازیچہء اطفال بن کر رہ گئی اور اقوام عالم میں ہماری تضحیک کا باعث بنی۔ خدا خدا کر کے 1956ء میں آئین نافذ ہوا تو نئے آئین کے تحت انتخابات کا انعقاد بھی ذہنی تحفظات کا شکار بنا رہا۔ کیونکہ برسر اقتدار طبقہ کسی بھی صورت میں انتخابات کرا کے اقتدار سے محروم ہونے پر تیار نہ تھا۔ یہ تاریخی حقائق ہیں اور ان سے مفر ممکن نہیں۔ ان سے ہمارے اوائل کے سیاست دانوں اور ممدوحین کے متعلق کوئی خوشگوار اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ایسے حالات میں جب کہ جنگل کا قانون نافذ تھا میدان کو کھلا دیکھ کر ایک طالع آزما نے اقتدار پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبضہ جمالیا اور ذاتی آمریت کے حوالے سے مطعون ہوا۔ ازروئے انصاف ان سیاست دانوں کا محاسبہ بھی ضروری ہے جنہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جن میں اقتدار کی مسند کوئی اور اچک کر لے گیا۔ سیاست دانوں کی باہمی چپقلش نے ان کو بے توقیر کر دیا اور قیادت کی صلاحیت کے متعلق عوام کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔ ایسے میں جب مارشل لاء لگایا گیا تو بحیثیت مجموعی عوام نے اسے خوش آمدید کہا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ایوب خان پر تنقید کرتے ہوئے ہم ان سیاستدانوں کو بھی موردِ الزام ٹھہرائیں جن کی بے تدبیری نے مارشل لاء کا راستہ ہموار کیا کیونکہ آج پھر ہم ویسے ہی حالات سے دوچار ہیں۔

اب آیئے **1977**ء کے مارشل لاء کی طرف۔ نوائے وقت نے اپنے اداریئے میں بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اس سے پیشتر ہر مضمون نگار نے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مارشل لاء عین اس وقت لگایا گیا جب کہ سیاستدان معاہدے پر تیار ہو گئے تھے۔ یہ سراسر کذب بیانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ہر ممکن کوشش کی کہ سیاستدان ملکی مفاد میں کسی نہ کسی معاہدے پر رضامند ہو جائیں لیکن دونوں طرف کے سیاستدانوں نے انتہائی غیر لچکدار رویئے کا اظہار کیا اور آخر دم تک کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔ اس تمام عرصے میں حزب اختلاف کے سیاستدان جنرل ضیاء الحق کو مسلسل اکساتے اور ابھارتے رہے کہ احتساب سے پہلے نئے انتخابات کرائے گئے تو بھٹو صاحب پھر اقتدار میں آجائیں گے اور بشمول آپ کے سب سے شدید قسم کا انتقام لیں گے۔ ان کے لئے اپنے بچاؤ کا صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا کہ کسی طرح فوج کے ہاتھوں بھٹو صاحب کا سیاسی کیریئر انجام تک پہنچ جائے اور سیاسی میدان حزب اختلاف کیلئے صاف ہو جائے۔ حالات یہاں تک بگڑ گئے کہ لاہور میں بریگیڈیئر کے عہدے کے افسران نے عوام پر گولی چلانے سے معذوری کا اظہار کیا۔ اس انتہا کے بعد صرف کھلی فوجی بغاوت کا امکان رہ جاتا تھا جو مکمل تباہی پر منتج ہوتا۔ لہذا حالات کے اس موڑ پر مارشل لاء لگا دیا گیا۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد کسی کا دفاع کرنا نہیں کیونکہ اس کے بعد پیش آمدہ حالات نے ثابت کر دیا کہ مرحوم جنرل ضیاء نے اپنے لئے ایک سیاسی منزل کا انتخاب کر لیا اور یوں یہ مارشل لاء کم وبیش دس برسوں پر محیط ہو گیا۔ تاہم حالات کو یہ مکروہ صورت دینے کی ذمہ داری سراسر سیاستدانوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ بعد ازاں انہی سیاستدانوں نے مارشل لاء سے مکمل تعاون کیا اور اقتدار کے مزے لوٹے تو اس کی ذمہ داری وہ کس پر ڈالیں گے؟ فوج کیلئے، خفیہ ہاتھ، مقتدر طبقے اور مہربانوں کی اصطلاحات گھڑ کر مختلف مضامین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں دل کا بخار نکالا جاتا رہا ہے۔ یہ مضمون نگار یا تو حقیقت حال سے واقعی ناواقف تھے اور یا سراسر منافقت سے کام لیتے رہے ہیں۔ اپنے اس عمل سے انہوں نے بالواسطہ طور پر ایک قومی سلامتی کے ادارے کے خلاف عوامی جذبات ابھار کر دشمن کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ آج کے سیاسی منظرنامے میں ایک مختصر اقلیت کو چھوڑ کر عوام دو سیاسی پارٹیوں سے وابستگی رکھتے ہیں۔ فوج کے متعلق ہمارا رویہ کچھ یوں رہا ہے کہ اگر تو فوج کا ایکشن کسی ایک گروپ کے ممدوح کے حق میں ہے تو سبحان اللہ اور اگر اس نے آپ کی خواہشات مجروح کی ہیں تو پھر استغفر اللہ۔ اس ضمن میں 77ء کا مارشل لاء بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے جب قومی اتحاد نے حلوے کی دیگیں تقسیم کیں اور پیپلز پارٹی نے 5 جولائی کو یوم سیاہ منایا۔ بحیثیت مجموعی ہم ابھی تک اسی افراط وتفریط کا شکار ہیں جو کہ اعتدال اور انصاف کے منافی ہے۔ تاریخی حقائق کو وقتی طور پر دھندلایا جاسکتا ہے لیکن ہمیشہ کیلئے مسخ نہیں کیا جاسکتا۔ گوئبلز کی تکنیک کو استعمال کر کے بعض جھوٹ بار بار اتنی ڈھٹائی سے بولے جارہے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ سچ لگنے لگیں۔ تاہم بیچ بیچ میں کہیں کہیں سچائی بھی اپنی جھلک دکھا جاتی ہے۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے ممدوحین کے وقتی مفاد کی خاطر مستقل اداروں کی تحقیر کر کے قومی مفاد کو زک نہ پہنچائیں اور یوں نادانستہ طور پر دشمن کے آلۂ کار نہ بنیں۔ خیر یہ بات تو اپنی اہمیت کے پیش نظر برسبیل تذکرہ آگئی۔ اب آیئے حقائق کی طرف۔ مسلم لیگی حلقوں میں میاں نواز شریف کے استعفے کے حوالے سے فوج کو بالعموم اور جنرل عبدالوحید کاکڑ کو بالخصوص مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ میاں صاحب اور ان کے قریبی حلقے اس بات سے واقف ہیں کہ انہوں نے استعفیٰ دینے کی پیشکش خود کی تھی اور کسی نے ان سے بالجبر استعفیٰ نہیں لیا۔ میں آپ کی توجہ میاں صاحب کے استعفے کے اگلے روز کے آپ کے ہی اداریئے کی طرف مبذول کراتا ہوں جس میں آپ نے فوج کا شکریہ ادا کیا ہے جس نے مداخلت کر کے اس دانتا کل کل اور غیر یقینی صورت حال سے قوم کو نجات دلائی۔ حقیقت یوں ہے کہ فوج انتظامی طور پر وزیراعظم کے تحت ہوتی ہے جب کہ اس کا آئینی سربراہ صدر مملکت ہے۔ جب صدر اور وزیراعظم کے درمیان چپقلش پیدا ہو جائے تو فوج دوہرے مصائب کا شکار ہو جاتی ہے۔ یا تو وہ صدر کا تختہ الٹ کر وزیراعظم کے احکامات کی تعمیل کرے یا وزیراعظم کا حکم ماننے کی بجائے صدر سے اجازت طلب کرے۔ ایسی صورتحال تنے ہوئے رسے پر چلنے کی مہارت کی متقاضی تھی جس سے جنرل کاکڑ بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ دریں اثناء سپریم کورٹ نے میاں نواز شریف کی حکومت کو بحال کر دیا تو غلام اسحاق خان نے اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقاصد کی تکمیل کیلئے انگوروں کے مزید خوشوں میں رس کی تلاش شروع کر دی۔ پہلے اقدام کے طور پر پنجاب اسمبلی میں نیا وزیر اعلیٰ منتخب کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں جو سازشیں کی گئیں اور جو جو حربے استعمال کیے گئے وہ ایک شرمناک داستان ہے۔ بہر حال سب سے موثر دھمکی یہ تھی کہ اگر نیا قائد ایوان منتخب نہ کیا گیا تو اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ اس تکنیک کو کارآمد پا کر قومی اسمبلی میں بھی یہی طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ڈرامے کا سٹیج سیٹ ہو چکا تھا اور کردار نامزد ہو چکے تھے۔ صرف تعداد کی کمی بیشی کا مسئلہ تھا تاکہ نمبرز گیم میں ناکامی کا امکان نہ رہے۔ میاں صاحب کے آج کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں سے بھی بہت سے ثابت قدم نہ رہ سکے اور راتوں رات وفاداریاں بدلنے پر رضا مند ہو گئے۔ اس موقع پر میاں صاحب نے آرمی چیف کو طلب کیا اور مدد کی درخواست کی۔ میاں نواز شریف کا خیال تھا کہ انہیں عوام کی ہمدردیاں حاصل ہیں' عدالت عالیہ کا حالیہ فیصلہ ان کے حق میں ہونے کی وجہ سے انہیں اخلاقی برتری بھی حاصل ہے۔ ان حالات میں بجائے اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے کے بہتر ہوگا کہ وہ خود برضا و رغبت مستعفی ہو کر باوقار طریقے سے ''اقتدار کی قربانی'' دے ڈالیں۔ نتیجتہً انہیں عوام کی مزید ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی اور ان کے ساتھی بھی آئندہ الیکشن میں ساتھ رہنے پر مجبور ہوں گے۔ میاں صاحب کا اندازہ تھا کہ نئے الیکشن میں وہ پہلے سے بھی زیادہ قوت سے واپس آسکیں گے البتہ یہ تب ہی ممکن ہوگا اگر الیکشن مکمل طور پر غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ صدر غلام اسحاق خان کی موجودگی میں غیر جانبدارانہ انتخابات دیوانے کا خواب ہوتے۔ منطقی طور پر انہوں نے تجویز پیش کی کہ صدر اور وزیر اعظم بیک وقت مستعفی ہو جائیں اور ایک نگران حکومت نئے انتخاب منعقد کروائے۔ بعد از خرابی بسیار صدر نے بھی یہ تجویز مان لی اور یوں یہ کہانی اپنے انجام کو پہنچی۔ اس سلسلے میں نگران حکومت کیلئے وزیر اعظم کی نامزدگی اور الیکشن کی تفصیلات ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہیں۔ مندرجہ بالا سطور کا مقصد یہ تھا کہ کوئلوں کی دلالی میں اس بار بھی روسیاہی فوج کے حصے میں آئی جس نے انتہائی غیر جانبداری سے وسیع تر قومی مفاد میں ایک اعلیٰ سطحی جھگڑا نمٹانے میں ثالث کا کردار ادا کیا۔ بعد ازاں الیکشن چونکہ پیپلز پارٹی نے جیت لئے لہذا ان کے ہمدردوں نے انہیں منصفانہ قرار دیا اور مسلم لیگ نے ابتدائی صدمے سے سنبھلنے کے بعد ان پر ''انجینئرڈ'' ہونے کا لیبل لگا دیا۔ یہ ہماری اس نفسیات کے عین مطابق ہے جس کا ذکر قبل ازیں اسی مضمون میں کیا گیا ہے۔ گویا مارشل لاء نہ لگا کر اور سیاست سے مکمل کنارہ کشی کر کے بھی فوج سیاسی غلاظت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھینٹوں سے اپنا دامن نہ بچا سکی۔ اگر اسی کا نام سیاست ہے تو خدا ہی ہمارے سیاستدانوں اور ان کے پیروکاروں کو ہدایت دے اور اس ملک وقوم کی حفاظت فرمائے۔

نوائے وقت۔ 6 اگست 1996ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوج کا آئینی کردار

فوج کے آئینی کردار کی نفی میں 21 جولائی کے نوائے وقت میں اصغر علی گھرال صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون ریٹائرڈ جنرل اسلم بیگ کے مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ زمینی حقائق اور حالات کے معروضی جائزے کی روشنی میں جناب اصغر صاحب کا زاویہ نگاہ غیر حقیقت پسندانہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ہم کب تک یہ کہہ کر اپنے سیاستدانوں کا دفاع کرتے رہیں گے کہ مارشل لاؤں کی وجہ سے انہیں کام کرنے کا موقع نہیں ملا؟ شروع کے 11 قیمتی سال کس نے ضائع کئے؟ 1947ء سے 1958ء تک تو کوئی مارشل لاء نہیں تھا۔ آئین کی تدوین بروقت کیوں نہ کی گئی۔ ایک اپاہج گورنر جنرل کیسے مسلط ہوا۔ سازشوں کا جال سراسر اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر کس نے بنا اور وزارتیں روز کس طرح بنتی اور ٹوٹتی رہیں؟ معاف کیجئے گا یہ سب کچھ ہمارے صف اول کے سیاستدانوں کا ہی کیا دھرا تھا۔ جب اپنی باہمی چپقلش سے سیاستدانوں نے اپنی بے توقیری میں اضافہ کرلیا تو ان کا بیوروکریسی پر رعب داب بھی کم ہوتا چلا گیا۔ ایسے میں حالات سازگار دیکھ کر ایوب خان نے اقتدار جھپٹ لیا۔ 1977ء کے مارشل لاء کا نفاذ بھی سیاستدانوں کے ہاتھوں حالات کے بگاڑ کا نتیجہ تھا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ آج بھی حالات کچھ بہتر دکھائی نہیں دیتے۔ ہمارے سیاستدانوں نے شروع سے ہی بالغ نظری کا ثبوت نہیں دیا۔ ہم مغربی جمہوریت کے دلدادہ تو ہیں لیکن اس کے لوازمات پورے کرنے پر آمادہ نہیں۔ یہاں جمہوریت کے نام پر بدترین شخصی آمریت ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں کانگریس کی ڈیڑھ سو سالہ پرانی تنظیم نے بالغ نظر سیاستدانوں کی ایک کھیپ تیار کردی تھی جو یکے بعد دیگرے اپنے قومی مفاد کو مقدم سمجھتے ہوئے آگے آتے گئے۔ ہمارے ہاں فرد واحد جناب قائداعظم نے محنت کی اور باقی سب بغیر محنت کے لیڈر قرار پائے۔ اگر صورتحال میں بہتری مقصود ہو تو شخصیات کے علاوہ حالات کا مجموعی جائزہ لینا بھی اشد ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ہندوستان کی مثال دیتے ہیں تو ویسی بالغ نظر اور بے لوث قیادت بھی تو دکھائیں کہاں ہے۔ یہاں تو روز اوّل سے ذاتی مفادات اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ پیش نظر رہی ہے۔ آج بلا استثناء پرمٹ، پلاٹ اور پیسے کے حصول کیلئے سیاست کی جاتی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرق صرف خراب اور خراب تر کا رہ گیا ہے۔ آج بھی تمام سیاستدان اور صحافی زیر لب اور بین السطور فوجی مداخلت کی دعوت دے رہے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ فوج مداخلت کرے ان کے ممدوح کو حکومت دلائے اور پھر بیرکوں میں واپس چلی جائے۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہئے کیا ایسا ہی نہیں ہے؟ تمام کالم اور مضامین میں فوج کو ایسی سنگین صورت حالات میں مداخلت نہ کرنے پر تنقید کا ہدف بنایا جا رہا ہے۔ گویا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر فوج مداخلت نہ کرے تو حکومت وقت ملکی سلامتی اور مفاد کیخلاف فیصلے کر سکتی ہے۔ لیکن کیا آئینی طور پر فوج ایسی مداخلت کی مجاز ہے؟ ایماندارانہ تجزیئے سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا قومی پریس بھی سیاست پر کسی نہ کسی طرح کے کنٹرول کا متمنی ہے چاہے ایٹمی پالیسی کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہو۔ ملکی مفاد میں فوج سے مداخلت کی توقع کی جاتی ہے بلکہ اسے ضروری سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ فوج اقتدار نہ سنبھال لے۔ اسی طرح آپ کا آئین عبوری حکومت برائے الیکشن کے موضوع پر خاموش ہے اور ہر بار فوج کی نگرانی میں الیکشن کا مطالبہ ہوتا ہے تو آخر کس حوالے سے؟

ترکی میں فوج کو آئینی کردار اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس نے یونان کیخلاف جنگ لڑی بلکہ اس لئے کہ بقول گھرال صاحب کے "جمہوری تجربے کو کامیاب بنانے اور نئے نظام کو صحیح خطوط پر چلانے کیلئے یہ انکی قومی ضرورت تھی۔" بات کسی کی تقلید کی نہیں بلکہ ہماری اپنی قومی ضرورت کی ہے۔ گزشتہ تجربات کی روشنی میں اگر ہم بھی جمہوری تجربے کو کامیاب بنانے کیلئے فوج کو ایک واضح آئینی کردار سونپ دیں تو نہ تو فوج بلاوجہ ہدف تنقید بنے گی اور نہ ہی مارشل لاء کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر ذہنی تحفظات سے نجات حاصل کر لی جائے تو جلد یا بدیر ہمیں یہی حل قبول کرنا پڑے گا۔

نوائے وقت 27 جولائی 1996ء

☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوج کا آئینی کردار اور عوامی توقعات

فوج پیشہ وارانہ تربیت کے حامل مسلح افراد پر مشتمل منظّم ادارے کا نام ہے، جس کی بنیادی ذمہ اری بیرونی جارحیت کے خلاف وطن عزیز کا دفاع کرنا ہے۔ یہ ادارہ ملکی سلامتی کے حوالے سے ہت اہم اور حساس سمجھا جاتا ہے جب تک فوج کیلئے عوام میں نرم گوشہ پیدا نہیں ہوگا اور وہ فوج کو اپنی آزادی کی علمبردار سمجھتے ہوئے اس سے محبت نہیں کریں گے، فوج میں بھی وطن کی خاطر کٹ مرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس دوطرفہ محبت، عقیدت اور خلوص کے بغیر کسی بھی ملک کی فوج دشمن کے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دوسری جانب دشمن ممالک کی یہ اولین کوشش ہوتی ہے کہ پراپیگنڈے کے ذریعے حریف افواج کے خلاف شکوک وشبہات کی فضا پیدا کی جائے اور باہمی اعتماد ختم کرکے ان کی جنگی صلاحیت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا جائے۔ بنابریں افواج پاکستان کو یہ قانونی اور آئینی تحفظ حاصل ہے کہ ان کے خلاف پراپیگنڈا نہ کیا جائے اور نہ ہی ایسا مواد شائع کیا جائے جس سے افواج کے خلاف جذبات پروان چڑھیں۔

سانحہ مشرقی پاکستان تک مندرجہ بالا قانون پر سختی سے عمل ہوتا رہا، تاہم آہستہ آہستہ پریس میں تنقیدی مضامین کا سلسلہ چل نکلا۔ فوج کے گرد چھائے ہوئے اسرار کی بنا پر یہ ایک دلچسپ موضوع ثابت ہوا اور بتدریج خصوصی اہمیت حاصل کرگیا تو نتائج وعواقب کو مکمل طور پر نظر انداز کرکے جس نے جو چاہا لکھ مارا۔ تحقیق نہ جستجو، علم نہ ادراک، صرف ذاتی خیالات اور مفروضات پر مبنی مضامین کا تانتا بندھا ہوا ہے، اس طرح انجانے میں بہت سے مضمون نگاروں نے غیر ارادی طور پر اپنی لایعنی تحریروں سے وطن عزیز کی دفاعی صلاحیت کو نقصان پہنچایا ہے۔

قانون میں INNOCENT AGENT کی ایک اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اردو میں اسے معصوم گماشتے کا نام دے لیں۔ اس سے مراد ایسا شخص ہے جو لاعلمی یا صغرسنی کی بنا پر ایک غیر قانونی کام کرنے میں معاون بن جائے۔ میں ایسے تمام صحافیوں اور مضمون نگاروں کو جن کی غیر ذمہ دارانہ تحریروں سے افواج پاکستان کی دل شکنی ہوتی ہے اور ان کیخلاف جذبات پروان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چڑھتے ہیں' نرم سے نرم الفاظ میں دشمن کے معصوم گماشتے قرار دینے پر مجبور ہوں۔ جذباتیت سے نکل کر سوچئے تو حقیقت یہی ہے۔ اس میں بہت سا عمل دخل ماضی کے مارشل لاؤں کا بھی ہے جن کی وجہ سے فرد واحد کی غلطی کی سزا پورا ادارہ بھگت رہا ہے اور نجانے کب تک بھگتتا رہے گا۔ پے در پے مارشل لا کے نفاذ سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ جمہوری عمل اپنے منطقی انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی منقطع ہوتا رہا اور عوام حسرت ناتمام کا شکار ہوتے رہے لہٰذا جمہوری عمل کے حوالے سے عوام الناس یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اگر فلاں فلاں مواقع پر فوج دخل اندازی نہ کرتی تو شاید حالات بہتر ہوتے۔ مارشل لاء کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ تمام قوم بشمول صحافیوں کے ایک مخصوص معاشرتی و نفسیاتی ماحول میں زندگی گزارنے کی عادی ہوگئی ہے جس میں فوج کے کردار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صبر آزما جمہوری عمل سے گزرنے کی بجائے اب بار بار یہ تقاضا ہونے لگا ہے کہ فوج دخل اندازی کیوں نہیں کرتی؟ یا فوج (مارشل لا لگائے بغیر) حکومت وقت کو عوام دشمن پالیسی اختیار کرنے سے روکنے کی کوشش کرے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں بار بار فوج کو اس کے آئینی فرائض کے حوالے سے مداخلت پر اکسایا جاتا ہے۔ ایسے حضرات نے یقیناً آئین کا مطالعہ نہیں کیا۔ ازروئے آئین فوج حکومت کا ماتحت ادارہ ہے اور اسے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا کوئی آئینی حق یا اختیار نہیں۔ ماضی میں اگر ایسا ہوا ہے تو وہ سراسر غیر آئینی تھا اور اب اگر پھر ماضی کو نظیر بنا کر دوبارہ وہی غلطی دہرائی جائے تو آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟ میری رائے میں اب آئین پر عمل کر کے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں تاکہ اگر فوج کے کردار کے ضمن میں کوئی آئینی سقم ہے تو وہ کھل کر سامنے آجائے اور اس کا مداوا کیا جا سکے۔ پاکستان کے آئین میں مسلح افواج سے متعلقہ امور آرٹیکل نمبر 243`244`245 میں بیان کئے گئے ہیں جن کی تلخیص یوں ہے۔

آرٹیکل 243:۔ مسلح افواج کی کمان اور کنٹرول وفاقی حکومت کو حاصل ہوگا جب کہ اختیار اعلیٰ صدر پاکستان کے ہاتھ میں ہوگا جو اپنی صوابدید پر چیفس آف سٹاف کا تقرر کریگا۔

آرٹیکل 244:۔ مسلح افواج کا ہر فرد آئین کے تیسرے شیڈول میں درج حلف اٹھائے گا۔

آرٹیکل 245:۔ مسلح افواج وفاقی حکومت کی ہدایت پر بیرونی جارحیت کے خلاف ملک کا دفاع کریں گی اور جب انہیں کہا جائے گا تو قانون کے مطابق سول انتظامیہ کی مدد کریں گی۔ اس سلسلے میں وفاقی حکومت کی ہدایات کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ جس علاقے میں مسلح افواج سول انتظامیہ کی مدد کیلئے کارروائی کریں گی وہ علاقہ کارروائی کی مدت کے دوران ہائیکورٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی عملداری میں نہیں رہے گا۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ فوج کا آئینی فرض کیا ہے؟ اس میں کسی اگر مگر کی قطعی گنجائش نہیں۔ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا غلط ہوا اب اس باب کو بند کر دینا ہی بہتر ہے۔ آئینی طور پر مسلح افواج نہ خارجہ پالیسی اور نہ ہی داخلی امور و معاشی پالیسیوں پر حکومت پر دباؤ ڈال سکتی ہیں۔ البتہ انہیں ملکی سلامتی کے امور پر اپنا نقطہ نظر بیان کرنے کا حق ہے جب کہ آخری فیصلہ وفاقی حکومت کا ہی ہوتا ہے۔ اس میں فوج کی مداخلت کا نہ کوئی جواز ہے نہ ہی آئینی کردار جس کی بناء پر اسے ہدف تنقید بنایا جائے۔ امریکہ نے خلیج کی جنگ کے دوران اپنی مسلح افواج کے کمانڈر اعلیٰ کو صرف اس لئے برطرف کر دیا تھا کہ حکومت کی رائے میں انہوں نے جنگ کی آئندہ حکمت عملی پر ایک ایسا بیان دیا تھا جو حکومتی پالیسی کا غماز تھا۔ امریکی حکومت نے ایک پالیسی بیان دینے پر ایک انتہائی اعلیٰ افسر کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا جب کہ اس کے برعکس ہم کس غیر تحریر شدہ اخلاقی یا آئینی شق کی رو سے ہر بات میں فوج کی مداخلت کے متمنی رہتے ہیں؟ اگر عوام کو حکومتی پالیسیوں سے اختلاف ہے تو مروجہ جمہوری اصول کے تحت احتجاج کریں، مظاہرے کریں، عدالت اور اسمبلی میں آواز اٹھائیں، لیکن خدارا فوج کو آنے کی دعوت مت دیں۔ فوج کا مداخلت کرنا غیر آئینی ہی ہوگا۔ اگر فوج نے کوئی غیر آئینی حرکت کرنی ہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ عوام کی خواہشات کے مطابق ہی ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ خدانخواستہ ایک اور مارشل لاء لگ جائے۔ سیاسی امور میں فوجی مداخلت ہمیشہ منزل سے دور لے جاتی ہے۔

بعض اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ حکومت کو یہ کہنے کی جرات نہیں ہونی چاہئے کہ اس نے لوٹ کھسوٹ کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے اس میں اسے فوج کی تائید بھی حاصل ہے۔ یہ مطالبہ بھی ایک لایعنی تکرار ہے۔ اول تو کوئی حکومت بھی اپنی لوٹ کھسوٹ کا اعتراف نہیں کرتی۔ بینظیر حکومت کے خلاف پچھلے دور میں بھی کرپشن کے لاتعداد الزامات لگائے گئے ان میں سے عدالتوں میں کتنے درست ثابت ہوئے؟ یہی صورتحال میاں نواز شریف کے دور حکومت کی ہے جس کے خلاف ابھی تک تو کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر لوٹ مار کے الزامات کو یہ جان کر درست تسلیم کر لیا جائے کہ ہاتھ کی صفائی سے کوئی ثبوت باقی نہیں چھوڑا گیا تو پھر فوج کس قانون کی رو سے حکومت کو مورد الزام ٹھہرا سکے گی؟ کیا یہ صحیح نہ ہوگا کہ سیاسی معاملات سے فوج کو علیحدہ ہی رہنے دیا جائے اور انصاف دلانے کی ذمہ داری اعلیٰ عدالتوں کے سپرد کر دی جائے کیونکہ فوج کا ایسا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئینی کردار نہیں ہے اور نہ ہی فوج سے ایسی توقعات وابستہ رکھنی چاہئیں۔

آخری بات جو قابل غور ہے وہ حکومت کے خلاف مظاہروں میں فوج کے استعمال سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں آئینی شق بالکل واضح ہے کہ سول انتظامیہ کی مدد کیلئے فوج کا استعمال 'قانون کے مطابق'' ہوگا اگر حالات اس کے برعکس ہوئے تو پھر وہی ہوگا جو 77ء کی احتجاجی تحریک میں ہوا تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ لاہور میں بریگیڈیئر رینک کے تین افسروں نے نہتے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ آخر ہماری فوج ایک قومی ادارہ ہے، جنرل ڈائر یا کرائے کی فوج نہیں جو عوامی محسوسات سے الگ تھلگ اپنے آپ میں مگن رہتی ہو۔ بس یہ دعا کریں کہ حالات اس آخری حد تک نہ جائیں کہ ایک اور مارشل لا ناگزیر ہو جائے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا سطور کے مندرجات سے قطع نظر محسوس یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس نے فوج سے بہت ہی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں، خواہ یہ ملکی سلامتی، ایٹمی پالیسی، خارجہ امور یا کشمیر پالیسی سے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ تاہم ایسی تمام امنگیں اور خواہشات ماورائے آئین ہی ہیں۔ آئین کی متعلقہ شقوں میں فوج کیلئے کسی رورعایت کی گنجائش نہیں۔ آئین کے اپنے الفاظ میں پاکستان کا آئین عوام کی امنگوں کا مظہر ہے۔ اگر عوام سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو جمہوری طریقہ یہ ہے کہ عوامی نمائندوں کے ذریعے آئین میں مناسب ترمیم کر کے افواج پاکستان کا آئینی کردار از سر نو متعین کر دیا جائے جو عوام کی امنگوں سے مطابقت رکھتا ہو۔ ایسا آئینی کردار فوج کی ایک اضافی ذمہ داری ہوگی نہ کہ کوئی انعام یا رعایت۔ جیسا کہ آئین سے نابلد اکثر حضرات غلط فہمی سے سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو اس سے نہ صرف مارشل لا کے امکانات معدوم ہو جائیں گے بلکہ چیک اینڈ بیلنس کا نظام بھی رائج ہو جائے گا۔ تب تک ہمیں افواج کو بلاوجہ تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہئے یہ نہ صرف افواج پاکستان بلکہ پاکستان پر احسان عظیم ہوگا۔

خبریں۔ 9 اکتوبر 1996ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مارشل لاء کا نفاذ، سیاسی اور نفسیاتی عوامل

وطن عزیز کی موجودہ سیاسی صورتحال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے کہ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے علت و معلول میں تمیز کرنا ممکن نہیں رہا، تاہم ماضی کی غلطیوں سے کچھ سبق حاصل کرنے اور آئندہ کی پیش بندی کیلئے ایک غیر جانبدارانہ تجزیہ اشد ضروری ہے۔ بحیثیت ایک ادارے کے فوج نے مارشل لاء کے نفاذ پر کبھی بھی اپنا دفاع نہیں کیا۔ اس کی بظاہر چار وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ سوائے انتہائی غیر معمولی صورتحال کے فوج ''دکھائی'' دیتی ہے۔ ''سنائی'' نہیں دیتی۔ اس اصول سے جنرل اسلم بیگ کے دور کو استثنا حاصل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اب تک لگنے والے تمام مارشل لاء فرد واحد کے حکم پر لگائے گئے اور بحیثیت ایک منظم ادارے کے فوج مارشل لاء کے نفاذ کا ذریعہ تو ضرور بنی لیکن یہ ڈسپلن کی پابندی کا تقاضا تھا ورنہ تنظیم خود ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب برسر اقتدار شخص اپنے آئندہ سیاسی عزائم کا اظہار کر دیتا ہے یا توقعات پر پورا نہیں اترتا تو بحیثیت ایک ادارے کے فوج بھی مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے اور چوتھی اہم وجہ یہ ہے کہ فوج اپنے ڈسپلن کی وجہ سے نہ تو اظہار رائے کر سکتی ہے اور نہ ہی کھلے بندوں تنقید کرنے کی متحمل ہو سکتی ہے۔ نتیجتاً اس موضوع پر چھپنے والا تمام مواد یکطرفہ آراء پر مبنی ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بھی اپنی متعدد تقاریر میں مارشل لاء کو کینسر اور زہر کا نام دیا جب کہ وہ خود مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے قوم کو یہ زہر کیوں دیا گیا؟ یہی وہ عنصر ہے جسے جنرل اسلم بیگ ''حالات کی جبریت کا تقاضا'' قرار دیتے ہیں۔

پاکستان میں سیاسی موضوعات پر چھپنے والے تمام مضامین کی تان یہیں پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ بار بار کے مارشل لاء نے جمہوری روایات کو مستحکم نہیں ہونے دیا، لہذا جمہوری ادارے کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے۔ ایک سنگین صورتحال کا اتنا سادہ سا تجزیہ اگر احمقانہ نہیں تو سادہ لوحی کا مظہر ضرور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے خیال میں زیادہ بلوغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں دیگر عوامل کو بھی اپنی گرفت میں لانا چاہئے۔ مارشل لاء کو برا ضرور کہا جائے لیکن ساتھ ہی اس سلسلے میں تمام ذمہ دار عناصر کا احتساب بھی ضروری ہے۔ ہمیں درست نتائج بھی اخذ کرنا ہوں گے تاکہ وہ حالات ہی پیدا نہ ہوں جو نا خوشگوار ''حالات کی جبریت'' پر منتج ہوں اور یہ تب ممکن ہے اگر ہم قومی مفاد میں منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کریں۔

اس ضمن میں پہلا عنصر ایک منظم اور نظم وضبط کے پابند ادارے کے طور پر فوج کا ایک واضح امیج ہے۔ جب بھی قوم کسی قسم کے بحران سے دوچار ہوتی ہے تو بے اختیار سب کی نظر فوج کی طرف اٹھتی ہے۔ بظاہر یہ ایک خوش کن بات ہے کہ ملکی سلامتی سے متعلق کم از کم ایک ادارہ اب تک کسی قابل ذکر شکست وریخت سے محفوظ ہے۔ اسی بات کا تاریک پہلو یہ ہے کہ ہر بات کیلئے صرف فوج ہی کیوں؟ کیا فوج کے علاوہ باقی تمام ادارے اس قدر گل سڑ چکے ہیں کہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کرسکتے؟ تاہم یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ 1958ء کا مارشل لاء ایوب خان کی ہوس اقتدار کا نتیجہ تھا تو اس سے پہلے والے نو سالوں میں سیاستدان کیا کر رہے تھے؟ تب تو کوئی مارشل لاء نہیں تھا۔ ان نو سالوں میں آئین کیوں نہ بنایا گیا اور انتخابات کیوں نہ کرائے گئے۔ محلاتی سازشوں کے ذریعے حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کی ذمہ دار فوج تھی یا کہ سیاست دان تھے؟ اقتدار کی میوزیکل چیئر کا کھیل کس نے کھیلا؟ درست نتائج اخذ کرنے کے لیے ہمیں بے رحمی اور غیر جانب داری سے کام لینا ہوگا کیونکہ قومی مفاد ہم سے دیانت داری کا تقاضا کرتا ہے۔ جب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت کیوں پروان نہ چڑھ سکی تو ہمیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ بار بار کے مارشل لاء نے جمہوریت کے تسلسل کو منقطع کر دیا۔ جب کہ حقیقت یوں ہے کہ قوم کے ابتدائی نو قیمتی سال ضائع کر دیئے گئے اور جمہوریت کے فروغ کے لیے اقدامات کرنے کی بجائے ذاتی مفادات کی آبیاری کی جاتی رہی۔ حکومتیں روز بنتی اور ٹوٹتی رہیں لیکن آئین نہ بن سکا۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مارشل لاء ان حالات کی وجہ یعنی علت (CAUSE) نہیں تھا بلکہ ان حالات کا ناخوشگوار نتیجہ یعنی معلول (EFFECT) تھا۔

سیاستدان یہی بتاتے ہیں کہ آئین اس لیے نہ بن سکا کیونکہ انہیں مہاجرین کی بحالی کے کام سے فرصت نہ تھی اور نوزائیدہ سلطنت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے اور بھی بہت ضروری کام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے تھے۔ چہ خوب گویا نوزائیدہ سلطنت کے لیے آئین سازی سے بھی زیادہ ضروری کوئی کام تھا۔ اسے کہتے ہیں خوئے بدرا بہانہ ءبسیار۔

ان کے پاس ہر چند ماہ کے بعد نئی حکومت بنانے اور محلاتی سازشوں کے لیے تو وقت تھا۔ گورنر جنرل اور وزیراعظم کے عہدے باہمی طور پر تبدیل کرنے کے لیے فرصت ہی فرصت تھی۔ پرمٹ لینے اور متروکہ جائیدادیں الاٹ کرانے کے لیے وافر وقت دستیاب تھا۔ لیکن آئین تو کوئی ایسی ضروری دستاویز نہ تھی جس کو ترجیحی بنیادوں پر تشکیل دیا جاتا۔ ان کی اور بہت سی ترجیحات جو تھیں ؎

بایں عقل و دانش بباید گریست

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کیلئے تمام قربانیاں عوام نے دیں جنہیں خوش قسمتی سے قائداعظم جیسا مخلص رہبر ملا۔ مسلم لیگ کی کامیابی کو یقینی سمجھتے ہوئے تمام موقع پرست زمیندار، وڈیرے، نواب اور انگریز کے ٹوڈی مسلم لیگ کی کشتی میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں ہی ملک کو سیاسی طوائف الملوکی کی منزل تک پہنچا دیا اور نشان منزل نظروں سے اوجھل کر دیا اور انہی کے جانشین آج باقی ماندہ پاکستان کی سلامتی کے درپے ہیں۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب جہاز ڈوبنے لگتا ہے تو سب سے پہلے چوہے سمندر میں چھلانگ لگاتے ہیں۔ چوہے جو جہاز پر پیدا ہوتے ہیں وہیں انہیں رزق اور پناہ میسر آتی ہے اور اسی جہاز کے تختوں کو وہ کترتے رہتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچا تو تمام سیاسی موقع پرست ڈوبتے جہاز کے چوہوں کی طرح اپنے غیر ملکی ٹھکانوں کی طرف فرار ہو جائیں گے۔ لیکن بے چارے عوام کہاں جائیں گے؟ ان کی منزل پاکستان تھی اور ان کا مدفن بھی پاکستان ہی کی سرزمین بنے گی۔ کرہ ارض پر صرف پاکستان ہی وہ خطہ زمین ہے جس کے ساتھ پاکستان کے غریب اور متوسط طبقے کے عوام کا حال اور مستقبل وابستہ ہے، لہذا قدرتی طور پر پاکستان کی سلامتی کے متعلق وہ زیادہ حساس ہیں۔

افواج پاکستان کی واضح اکثریت کا تعلق چونکہ اسی غریب اور متوسط طبقے سے ہے لہذا وہ دگر گوں سیاسی اور معاشی حالات کے متعلق فکرمند رہتی ہے۔ اس کا مزید ایک پہلو جذباتی اور روحانی وابستگی کا بھی ہے۔ کوئی سپاہی چند ٹکوں کی خاطر اپنی جان دینے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسے ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر جذبہ شہادت سے سرشار ہونے اور اپنا حال قوم کے مستقبل کی خاطر قربان کرنے کے لئے سرزمین پاکستان سے ایک خاص کمٹمنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سپاہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک عام شہری کی نسبت ملکی سلامتی کے متعلق زیادہ حساس ہوتا ہے۔ دشمن کو دشمن سمجھے بغیر اور دشمن کے خلاف جذبہ دشمنی پروان چڑھائے بغیر وہ کبھی بھی خود کو اس کے خلاف لڑنے اور جان قربان کرنے پر آمادہ نہیں کر پائے گا۔ اسی لئے جب ہندوستان کو پسندیدہ ترین قوم کا درجہ دیتے ہوئے تجارت کی بات ہوتی ہے تو ایک عام سپاہی یقیناً یہ سوچتا ہوگا کہ اگر یہی کچھ ہونا تھا تو پھر وہ دشمن کہاں ہے جس کے خلاف لڑنے کیلئے اسے تیار کیا جا رہا ہے؟ اسی طرح جب سونیا گاندھی اپنی ثقافتی یلغار اور فتح کا ذکر کرتی ہے تو وردی پوش بھی اسی طرح مضطرب ہوتے ہیں جس طرح تمام باشعور پاکستانیوں کو ہونا چاہیے۔

اس مرحلے پر بعض ذہنوں میں گھر کرنے والے ایک لغو تصور کی نفی کرنا بھی ضروری ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ افواج پاکستان محض تنخواہ دار چوکیدار ہیں گھر کے مالک نہیں اور گھر کی ملکیت کا حق صرف سیاستدانوں اور حکمران طبقے کو تفویض کیا گیا ہے جو جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ چوکیدار کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ گھر کے معاملات کو چلانے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ چوکیدار کی مثال کا بودا پن ہی مزید کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ ایسی دلیلیں دینے والے اصحاب آخر کیوں نہیں سمجھتے کہ فوج بھی اسی قوم کے افراد پر مشتمل ہے اور اسی قوم کا حصہ ہے۔ وہ کسی غیر ملک سے منگوائے گئے کرائے کے فوجی نہیں جن کی ملک کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہ ہو۔ فوج بھی گوشت پوست سے بنے انسانوں کا مجموعہ ہے۔ جنہیں وردی پہنا کر ملکی سلامتی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وہ بھی سوچنے والے دماغ اور دھڑکنے والے دل رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ملکی سلامتی کے منافی جو بھی بات ہوگی وہ دوسرے شہریوں کی طرح فوجی ذہنوں کو بھی متاثر کرے گی۔ اگر افواج کو صرف چوکیدار ہی سمجھ لیا جائے تو پھر صنعتکاروں، تاجروں اور جاگیرداروں کا بھی صرف اپنے اپنے پیشے سے تعلق ہونا چاہیے۔ کیا معاملات صرف ایک مخصوص طبقے کے حوالے کر دینے چاہئیں کہ وہ اس ملک کے ساتھ جو چاہے کرے؟ صاحب الرائے حضرات کو جنرل ڈائر کی کرائے کی فوج اور پاکستان کی قومی فوج میں کچھ فرق ضرور روا رکھنا چاہیے جس کا عملی اظہار 1977ء میں اپنے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر کے کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں کچھ دیگر مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں لیکن ان کا ذکر قومی مفاد کے منافی ہونے کی بناء پر نہیں کیا جا رہا۔

افواج پاکستان کے سلسلے میں درست مثال گھر کے اس فرد کی ہوگی جسے اپنے ہی گھر کی نگرانی کی ذمہ داری سونپ کر اس کا مشاہرہ مقرر کر دیا جائے جب کہ باقی افراد صنعت و حرفت، کھیتی باڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دیگر ذرائع سے گھر کیلئے اناج اور رقم فراہم کریں اور گھر کے پڑھے لکھے اور باشعور افراد کو گھر کے پالیسی معاملات سونپ دیئے جائیں۔اب یہ ''باشعور طبقہ'' اگر گھر کی دیواریں مسمار کرنا شروع کردے تو گھر کا وہ فرد جس کی ذمہ داری بیرونی دشمنوں سے گھر کا دفاع کرنا ہے کیا محض اس لئے لاتعلق رہ سکتا ہے کہ پالیسی بنانا اس کا کام نہیں؟ پاکستان ہم سب کا وطن ہے، بشمول افواج پاکستان کے لہذا جب ایسی غیر معمولی صورتحال پیدا ہوتی ہے تو فوج بھی لازماً متاثر ہوتی ہے۔ یہ دباؤ جب اس قدر بڑھ جائے کہ بیراج کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو تو کچھ نہ کچھ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔اس طرح یہ اندرونی دباؤ حالات کے جبر کا دوسرا اہم عنصر بن جاتا ہے۔

تیسرا عنصر سیاستدانوں سے عوام کی مایوسی کا ہے۔ کسی تفصیلی بحث میں الجھے بغیر ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے سیاستدانوں کا مجموعی رویہ غیر دانشمندانہ، غیر لچکدار اور غیر جمہوری رہا ہے۔ وہ تمام اقدام جو عوامی خواہشات کے مظہر نہ ہوں کسی بھی صورت میں قبول عام کی سند حاصل نہیں کر سکتے۔ اس میں غیر یقینی صورتحال، سیاسی طوائف الملوکی، معاشی ابتری، مہنگائی اور امن عامہ کی دگرگوں حالت سے عوام براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ صنعتی اور معاشی پالیسیوں، خارجہ امور اور ملکی دفاع کی کمزوری یا مضبوطی پر بھی نظر رکھتا ہے۔ان دو ظاہری امور کے علاوہ ہماری ثقافتی اور مذہبی اقدار اور روایات بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جب بھی ان سے روگردانی کر کے عوام کو حکمرانوں کی پسندیدہ ڈگر پر چلانے کی کوشش کی گئی تو نتائج تباہ کن نکلے۔شاہ ایران کے زوال میں صرف یہ ایک پہلو ہی فیصلہ کن ثابت ہوا۔

آج کے حالات میں ایک انتہائی اہم حقیقت چوتھے عنصر کے طور پر منظر عام پر آئی ہے اور وہ ہے ملکی سلامتی کے امور۔ پاکستانی عوام بلا استثنا کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ، ہندوستان کو ازلی دشمن اور ایٹمی پروگرام کو دفاع پاکستان کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ سیاست کی پیچیدگیوں سے قطع نظر جو بھی لیڈر عوام کے ذہنوں کو ان تین امور پر مطمئن کر سکے وہ عوام کو عزیز ترین ہوگا۔اسی عنصر میں آپ اندرونی پالیسی کے امور بھی شامل کر لیں جو کسی نہ کسی طرح ملکی سلامتی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں مثلاً صوبوں سے تعلقات اور حکمرانوں کی ہنگامی صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بنگلہ دیش کے جان لیوا تجربے کے بعد پاکستانی عوام ملکی سلامتی کے متعلق بہت حساس ہو گئے ہیں اور وہ حالات کو کبھی بھی بگاڑ کی آخری حد تک لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچواں اہم اور بظاہر نا قابل یقین عنصر خود سیاستدانوں کے مارشل لاء پر اکسانے کا عمل ہے۔اس میں حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں شامل ہیں۔حزب اقتدار تو مارشل لاء صرف تب لگوانا چاہے گی جب حالات بے قابو ہوتے دکھائی دیں اور مقصد حزب اختلاف کی سرکوبی کرنا یا اپنے اقتدار کو طول دینا پیش نظر ہو۔اس سلسلے میں بھٹو کا سول مارشل لاء خاصا بدنام ہے۔اس کے علاوہ بلوچستان میں فوج کا استعمال بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔بعدازاں 77ء کے الیکشن کے بعد اندرونی سلامتی کے نام پر فوج کا بے محابا استعمال بھی اس کی ایک روشن مثال ہے۔تکنیکی طور پر یہ مارشل لاء نہیں تھے لیکن مندرجہ بالا امثال میں صریحاً سیاسی معاملات کو فوجی انداز میں حل کرنے کی کوشش کی گئی اور آخر کار مارشل لاء لگ گیا۔

جب ملکی سلامتی سے متعلقہ اہم ترین ادارے کو اپنے سیاسی عزائم کی خاطر استعمال کیا جائے تو یہ ادارے بھی متنازعہ حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ایک حساس ادارے کے طور پر افواج متنازعہ بننا گوارا نہیں کر سکتیں،لہٰذا جب ادارے کا اپنا اندرونی دباؤ بڑھتا ہے تو ناخوشگوار حالات جنم لیتے ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ کراچی سے فوج کو جلد واپس بلا لیا گیا۔

جہاں تک حزب اختلاف کا تعلق ہے تو ہر پارٹی نے اقتدار سے باہر ہوتے ہوئے مارشل لاء کو کھلی دعوت دی اور اشاروں کنایوں میں افواج کو مارشل لاء پر اکسایا۔اس کی واضح مثال 77ء کا مارشل لاء ہے،جس کا کریڈٹ لینے کی اس وقت تو ہر ایک نے کوشش کی لیکن آج ہر کوئی اپنے اس عمل سے منکر ہے۔سیاست شاید اسی کا نام ہے۔

1989ء سے 1993ء تک جتنے لوگوں نے فوج کو مارشل لاء کی دعوت دی اس کے صحیح اعداد و شمار تو شاید اس وقت کے آرمی چیفس ہی مہیا کر سکیں،تاہم مختلف قابل ذکر سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے کم از کم تیس سرکردہ سیاستدانوں کے نام گنوائے جا سکتے ہیں جو 1990-91ء میں کھلم کھلا فوجی مداخلت کی دعوت دیتے رہے۔شاید اس وجہ سے بھی کہ عسکری سربراہ کے سر میں منتخب صدر یا وزیر اعظم بننے کا سودا سما گیا تھا اور نتیجتاً میاں نواز شریف کے پہلے دورِ حکومت میں ایک متوازی حکومت مستقل طور پر وزیر اعظم کیلئے سر درد بنی رہی۔

مارشل لاء کے نفاذ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے اور نفاذ کی دعوت دینے میں چھٹا عنصر خود اخبارات ہیں۔میرا یہ دعویٰ بے جواز نہیں۔شاید قارئین کرام کا خیال ہو کہ میں 77ء کے اخبارات کا حوالہ دونگا۔جی نہیں میں آج کے اخبارات میں سے یہ بات ثابت کرونگا۔بدقسمتی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آج کے دور کے تمام اخبارات مکمل طور پر جانبدار بن چکے ہیں۔ پریس میں بھی بحیثیت مجموعی قومی سوچ کا فقدان اور پارٹی پالیٹکس کا دور دورہ ہے۔ مختلف کالموں اور مضامین میں ہمیشہ عوامی امنگوں اور خواہشوں کے حوالے سے بین السطور برسر اقتدار موجودہ حکومت کو ہٹانے کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ فوج مداخلت کرے، ہمارے ممدوح کو اقتدار دلوائے اور بیرکوں میں واپس چلی جائے۔ میرے یہ جملے اس مضمون کا مرکزی خیال ہیں۔ مارشل لاء لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ فائدہ مجھے یا میرے ممدوح کو پہنچتا ہو۔ فوج مداخلت ضرور کرے لیکن میرے ممدوح کے حق میں اور اس کے بعد فوراً اپنی ڈیوٹی پر واپس چلی جائے۔ ازروئے انصاف آپ بتائیں کہ ایک طرف تو آپ فوج کی سیاسی مداخلت کے خلاف ہیں لیکن وہی مداخلت اگر آپ کیلئے سودمند ہے تو اس کی کھلی دعوت بھی دیتے ہیں۔ یہ کیسا دوغلا پن ہے؟ کیا ہم واقعی اتنے بھولے ہیں کہ افواج کو مرغ دست آموز سمجھ کر توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری دعوت پر مداخلت کریں گی اور ہمارے حق میں فیصلہ کر کے واپس چلی جائیں گی؟ میرے خیال میں ''جن'' کو بوتل سے باہر نکالنے کا تجربہ نہ ہی کیا جائے۔ تو یہ قوم کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور مظلوم ''جن'' کے حق میں بھی جو ہر صورت میں مورد الزام ٹھہرتا ہے۔

گزشتہ انچاس برسوں میں جنرل عبدالوحید کا دور فوج کی سیاسی عدم مداخلت کا دور تھا لیکن وزیراعظم اور صدر پاکستان کی باہمی چپقلش حالات کو ایسے موڑ پر لے آئی کہ وزیراعظم نے خود جنرل عبدالوحید سے مداخلت کی اپیل کی اور مشروط طور پر اپنے مستعفی ہونے کی پیشکش کی۔ شرط یہ تھی کہ صدر بھی مستعفی ہو جائیں اور نگران حکومت نئے انتخابات کروائے۔ آرمی چیف نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر صدر سے بات چیت کی اور بالآخر دونوں نے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں چونکہ مسلم لیگ الیکشن میں کامیابی حاصل نہ کر سکی تو حسب دستور تمام نزلہ فوج پر گرا کہ فوج نے ایک منتخب وزیراعظم سے جبراً استعفیٰ کیوں لیا۔ معمولی سا سیاسی فائدہ اٹھانے کی خاطر فوج کی بلاوجہ تحقیر ایک افسوسناک امر ہے۔ اخلاقی جرات کا فقدان نہ ہو تو متعلقہ افراد کو خود ہی حقیقت کی نقاب کشائی کر دینی چاہئے۔ یہ ان کا قومی فرض ہے۔

راقم الحروف کا ریٹائرمنٹ کے بعد گزشتہ کچھ عرصے سے شہری ماحول میں عام شہریوں سے میل ملاپ ہے۔ عامۃ الناس کی اکثریت جو سیاسی ابتری، معاشی بدحالی، صنعتی تنزل اور امن عامہ کی پریشان کن صورتحال سے دوچار ہے، دو سوال ضرور پوچھتی ہے کہ فوج نے میاں نواز شریف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے استعفیٰ کیوں لیا تھا اور اب اتنے خراب حالات کے باوجود مارشل لاء کیوں نہیں لگایا جارہا؟ ایک مخصوص نفسیاتی فضا میں جینے والوں کو مطمئن کرنا خاصا دشوار کام ہے۔ آخر کس کس کو سمجھایا جائے کہ میاں صاحب نے ازخود مستعفی ہونے کی پیش کش کی تھی۔

میرے خیال میں قومی اخبارات کو پارٹی پالیٹکس سے بالا رہتے ہوئے قومی مفاد میں عوام کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا چاہئے تاکہ شہریوں کے ذہن کی دھند چھٹ سکے اور وہ فوج کے ناکردہ گناہ کو معاف کردیں۔

مندرجہ بالا چھ عوامل میں سے اول الذکر چار تو حقیقی اور نفسیاتی ہیں لہٰذا انہیں جوں کا توں قبول بھی کیا جاسکتا ہے تاہم موخرالذکر عوامل کا کوئی اخلاقی جواز نہیں کیونکہ یہ سراسر ذاتی اور مفاداتی ہیں۔ کسی سیاستدان یا اخبارنویس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک قومی ادارے کا دامن آلودہ کرے۔ قومی اداروں کی تضحیک کرکے ہم بالواسطہ طور پر دشمن کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں جو کہ ایک قومی جرم ہے۔

آخر میں مجھے موخرالذکر عناصر کا ثبوت بھی دینا ہے۔ ذرا مندرجہ ذیل بیانات کا تجزیہ کیجئے۔

ملکی دفاع کے ذمہ دار کب جاگیں گے جب کچھ باقی نہیں بچے گا۔ (عطاء الحق قاسمی)

مہاجروں کی نسل کشی کی جارہی ہے، فوج نوٹس لے۔ (الطاف حسین)

چیف آف آرمی سٹاف کو حقیقت حال سے آگاہ کردیا ہے، فوج مداخلت کرے۔

(الطاف حسین)

''مہربان'' موجودہ حکومت کو لاکر خود پریشان ہیں، جلد چھٹکارا دلائیں۔ (شیخ رشید)

فرشتے آئیں گے پھر فیملی پلاننگ ہوگی اور جھاڑو پھرے گا۔ (پیر پگاڑا)

افواج کو نہ ایف سولہ ملے نہ ہتھیار اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔ (میاں نواز شریف)

دو چار سر پھرے جرنیل عدلیہ کی مدد کو آگئے تو حالات سدھر سکتے ہیں۔ (مجید نظامی)

انتخابات میں سراسر دھاندلی ہوئی ہے، فوج نوٹس لے۔ (سردار عبدالقیوم)

لوگ جنرل جہانگیر کرامت سے کرامت دکھانے کی درخواستیں کررہے ہیں۔ (سرراہے)

وزیراعلیٰ پنجاب کی آرمی چیف کو وضاحتیں۔ (نمایاں سرخی)

کچھ لوگ پھر فوجی قیادت سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے دبی آواز سے انہیں پکار رہے ہیں۔ (میاں خورشید قصوری)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستانی عوام جنرل وحید کا کڑ کو اپنا مجرم سمجھتے ہیں۔(عطاء الحق قاسمی)
عوام کو اپنی پسند کی حکومت کے قیام سے محروم رکھنے کیلئے سازشیں کی گئیں۔(عطاء الحق قاسمی)
جنرل کرامت اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ عوام آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
(عطاء الحق قاسمی)

کسی کرامت کا ظہور ہو جائے تو شاید بات بن جائے۔(حافظ حسین احمد)
فوج اب صرف اس وقت مداخلت کا سوچتی ہے جب اسے حکومت مل رہی ہو(مجید نظامی)
کسی نئے ضیاء الحق کی ذمہ داری بینظیر پر ہوگی۔(لیاقت بلوچ)
مارشل لاء کی دھمکیاں کیوں؟(ادیب جاودانی)

صدر کے علاوہ دبے لفظوں میں فوج سے بھی مداخلت کے مطالبے ہونے لگ گئے ہیں۔(سینیٹر طارق چودھری)

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے ایک واضح خواہش اور دعوت جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ کہیں کہیں لذت آمیز خوف کا اظہار بھی ہوتا ہے اور کہیں کہیں فریق مخالف کو ڈرانا دھمکانا بھی مقصود ہے۔ مدتوں سے سیاسی مداخلت پر فوج پر لعن طعن ہوتی رہی ہے۔ اب اگر خدا خدا کر کے فوج اپنے آپ کو صرف آئینی کردار تک محدود کرنے کی کوشش کر رہی ہے تو پھر یہ غیر آئینی توقعات کیوں ہیں اور یہ توقعات پوری نہ کرنے پر فوج کو ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ بظاہر سیاستدان اور اخبار اس دوشیزہ کی کہانی دوہرا رہے ہیں کہ ''تم پھر مجھے چھیڑو گے'' اور ''اگر ہمت ہے تو اب ذرا چھیڑ کے دکھاؤ''۔

اگر 89ء کے بعد فوج نے مارشل لاء سے ہاتھ اٹھا لیا ہے تو اس درست طرز عمل پر اس کی تعریف کرنے کی بجائے بظاہر چیلنج دیا جاتا ہے کہ ''دراصل بین الاقوامی حالات نے فوج کی حوصلہ شکنی کی ہے ورنہ وہ تو کبھی کا مارشل لاء لگا چکے ہوتے''۔ ہمارے دانشوروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل کیلئے یا حالات سے مجبور ہو کر خدانخواستہ اگر کسی نے مارشل لاء لگانے کا ارادہ کر ہی لیا تو یہ تمام مفروضے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اقتدار کا نشہ سب سے برا نشہ ہے۔ اقتدار کی خاطر بادشاہوں نے بھائیوں کو قتل کیا والدین کو کال کوٹھڑیوں میں بند کیا اور والدین نے اپنی اولاد کے سر قلم کئے۔ اگر کسی ذہن میں اقتدار حاصل کرنے کے خیال نے جڑ پکڑ لی تو پھر اسے چھوت یا اچھوت کہلوانے کی پرواہ بھی نہیں ہوگی اس لئے بالغ نظری کا تقاضا ہے کہ اچھے طرز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمل کی حوصلہ افزائی کی جائے نہ کہ چیلنج دے کر جذبات کو ابھارا جائے۔

قارئین کرام! یہ تجزیہ بالکل بے مقصد ہوگا اگر اس میں سے منطقی نتائج اخذ نہ کیے جائیں۔ اگر مندرجہ ذیل لائحہ عمل طے کر لیا جائے تو مارشل لاء کے نفاذ کا ہمیشہ کیلئے قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

1۔ سیاستدان ایک باوقار طرز عمل اپنائیں اور اپنی بے توقیری نہ کریں۔ ملکی سلامتی اور دیگر قومی مفاد کے امور پر اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔ لچک دار رویہ اپنایا جائے اور حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان نزاعی امور پر باہمی عزت و احترام سے کام لیا جائے۔

2۔ سیاستدان اور اخبارات کسی بھی صورت میں تنازعات کے حل کیلئے فوج کو فریق نہ بنائیں۔ فوج کو کھلے بندوں اور ڈھکے چھپے انداز میں مداخلت کی دعوت دینا بند کر دی جائے۔ ہر بات میں فوج کے سربراہ سے اپیل کرنے کا سلسلہ بھی موقوف کیا جائے۔

3۔ عدم مداخلت کی صورت میں فوج پر طعن و تشنیع یا موافق مداخلت پر تحسین و تعریف کے ڈونگرے برسانے بند کئے جائیں۔ ماضی کے باب کو بند کر کے اخبارات میں اس موضوع پر مواد چھاپنا بند کر دیا جائے۔

4۔ فوجی مداخلت کی صورت میں تمام سیاستدان مارشل لاء انتظامیہ سے مکمل عدم تعاون کریں اور کوئی بھی عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

5۔ تمام امور سلطنت کو آئین کے مطابق چلایا جائے اور جمہوری اداروں اور روایات کو مستحکم کیا جائے۔ ملک کے اقتدار اعلیٰ اور ملکی دفاع پر مستحکم اور مستقل پالیسی اپنائی جائے۔

6۔ اخبارات مضامین کے ذریعے رائے عامہ کو بیدار کریں اور افواج پاکستان سے وابستہ غیر آئینی امنگوں اور خواہشات کی حوصلہ شکنی کریں۔ ایسے معاملات میں فوج کا دفاع قومی فریضہ ہے۔

7۔ مکمل تحقیق کئے بغیر اخبارات میں مفروضات پر مبنی مواد کی اشاعت بند کر دی جائے کیونکہ اس سے فوج مخالف جذبات ابھرتے ہیں۔ اس عمل سے نہ صرف ملک دشمن عناصر کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ فوج میں بھی منفی ردعمل پیدا ہوتا ہے اور محافظین وطن کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

8۔ عدلیہ کا وقار بحال کیا جائے اور عدالتی فیصلوں سے روگردانی کو آئین سے بغاوت سمجھتے ہوئے ضروری اقدام کئے جائیں۔ دینی اور ثقافتی اقدار کو مجروح کرنے کا سلسلہ بھی بند کیا جائے۔

9۔ آئین میں مناسب ترمیم کی جائے تاکہ سیاسی وفاداریاں بدلنے والے اور فوج کی معاونت سے برسر اقتدار آنے والے سیاستدان آئندہ انتخابات کیلئے نااہل قرار پائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

10۔ اگر سیاستدانوں کی عدم بصیرت، باہمی چپقلش اور کوتاہ اندیشی کی بنا پر یہ اندیشہ ہے کہ حالات معمول پر نہیں آسکیں گے تو پھر مناسب ترمیم کے ذریعے فوج کا ایک مستقل آئینی کردار مقرر کر دیا جائے تا کہ مارشل لاء جیسے ماورائے آئین اقدام کی نوبت نہ آنے پائے۔

خبریں۔ 19 اگست 1996ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمینی حقائق اور خواہشات کے گھوڑے

انگریزی زبان کی کہاوت ہے کہ اگر خواہشیں گھوڑے ہوتیں تو لوگ ان پر ضرور سواری کرتے۔ بدقسمتی سے ہم اپنے ملک کی سیاسی ابتری کے حوالے سے ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہیں۔ خواہشات نے ناتمامی کا سیاہ ماتمی لبادہ اوڑھ لیا ہے لیکن کچھ لوگ اب بھی خواہشات کے گھوڑے پر سواری کرنے کے متمنی ہیں۔ خراب صورتحال میں حوصلہ بلند رکھنا اور امید کا دامن تھامے رکھنا اچھی بات ہے لیکن سرابوں کے پیچھے بھاگنا اور حقائق کو نظر انداز کر کے خوابوں کی دنیا میں رہنا کسی بھی طرح ہمارے قومی مفاد میں نہیں۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ ہم من حیث القوم حقیقت پسندی سے کام لیں اور حقائق کو ''جیسا کہ وہ ہیں'' کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہوئے اپنے لئے لائحہ عمل ترتیب دیں۔ شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دھنسانے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔

چند روز قبل نگران کابینہ نے قومی سلامتی و دفاعی کونسل کے قیام کی منظوری دی تو فوراً ہی اس اقدام کی موافقت اور زیادہ تر مخالفت میں اداریوں اور مضامین کا تانتا بندھ گیا۔ مخالفت کرنے والے اصحاب نے اپنا پورا زور بیان اس نئے ادارے کے مضمرات اجاگر کرنے میں صرف کر دیا۔ اس ضمن میں جن نکات پر خصوصاً زور دیا گیا ہے وہ منطقی ہونے کے بجائے مخالفت برائے مخالفت کے ضمن میں آتے ہیں۔ نرم سے نرم الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس مجوزہ ادارے کے ناقدین نے زمینی حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ذاتی نقطہ نگاہ کو قومی مفاد پر ترجیح دی ہے۔ قومی سلامتی و دفاعی کونسل کیخلاف اٹھائے جانے والے نکات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1۔ آئین میں ایسے ادارے کا کوئی تصور نہیں۔

2۔ یہ تجربہ ملک و قوم کیلئے تباہ کن ہے۔

3۔ اس سے فوج کی ساکھ متاثر ہوگی۔

4۔ فوج کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو نقصان پہنچے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

5۔یہ ادارہ تمام دوسرے اداروں پر حاوی ہوگا۔
6۔پاکستان بنانے میں فوج کا کوئی کردار نہیں تھا لہذا فوج کو حکومتی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔
7۔یہ ادارہ وزیراعظم کے اختیارات پر قدغن لگانے کیلئے تشکیل دیا گیا ہے۔
8۔کونسل کی تشکیل جمہوری نظام کے تقاضوں کے منافی ہے۔
9۔حکومت اور اسمبلی صدر اور مسلح افواج کی خوشنودی کی محتاج رہے گی۔
10۔اختیارات بتدریج وزیراعظم سے صدر کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔
11۔نیشنل سکیورٹی کونسل کا مطلب ہے کہ یہاں جمہوریت ناکام ہوگئی ہے۔
12۔سکیورٹی کونسل کی موجودگی میں وزیراعظم کٹھ پتلی بن کر رہ جائے گا۔

ان اعتراضات پر غور کیا جائے تو ان میں سے زیادہ تر ذاتی آرا ہیں اور باقی ماندہ خدشات۔ البتہ چند نکات ایسے ہیں جن کا تفصیلی جائزہ لیا جانا چاہئے۔ جہاں تک اس ادارے کے آئین سے ماورا ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ذرا یہ بھی تو سوچئے کہ پلاٹوں کی ناجائز الاٹمنٹ، ملکی وسائل کی لوٹ کھسوٹ، غیر ممالک میں محلات کی خرید و فروخت، دفاعی سامان پر کمیشن کی وصولی اور پرتعیش غیر ملکی دوروں کی بھی تو آئین اجازت نہیں دیتا۔ آخر جب لوٹ مار کا بازار گرم تھا تو رہ رہ کر لوگوں کی نظریں فوج کی طرف کیوں اٹھتی تھیں؟ مجید نظامی صاحب ایسے سکہ بند جمہوریت پسند نے بھی اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ ''فوج اب مداخلت کا صرف اس وقت سوچتی ہے جب اسے حکومت مل رہی ہو''۔ تو اس وقت آخر فوج سے مداخلت کی توقع کیوں اور کیسے کی جارہی تھی؟ کیا ایسی کوئی مداخلت آئینی طور پر درست ہوتی؟ گویا ہم فوج کی غیر آئینی مداخلت کو تو جائز سمجھتے ہیں لیکن جب ایسے حفاظتی نظام کو آئینی تحفظ دینا مقصود ہو تو وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ اخبارات میں ہی صحافی حضرات سوال اٹھاتے رہے ہیں کہ بے نظیر بھٹو حکومت کے ظلم اور تعدی کو فوج خاموش تماشائی بن کر کب تک دیکھے گی اور کیا فوج کا فرض صرف بیرونی دشمنوں کے خلاف ملک کا دفاع ہے؟ اخبارات کی اکثریت فوج کو ''ہمہ مقتدر ادارہ'' کے نام سے ہدف تنقید بناتی رہتی ہے اور کھلے الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ فوج کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی حکومت بن سکتی ہے نہ ٹوٹ سکتی ہے۔ اسی حوالے سے ماضی میں فوج کو ''بادشاہ گر'' بھی کہا گیا۔ ٹرائیکا کی اصطلاح بھی اب کچھ اتنی غیر مانوس نہیں رہی بلکہ اسے زبان زد عام بنانے میں اخبارات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مندرجہ بالا نکات صحیح یا غلط ہونے کی بنا پر اجتماع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضدّین ہیں یعنی یہ مفروضات اور الزامات یا تو کلی طور پر درست ہیں یا مکمل طور پر نادرست، یہ جزوی طور پر درست اور نادرست نہیں ہو سکتے۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ مفروضات درست ہیں اور فوج کی مرضی کے بغیر کوئی حکومت تشکیل نہیں پا سکتی اور فوج ہی ایک فیصلہ کن قوت ہے تو پھر اس پس پردہ کردار کے بجائے ایک واضح آئینی کردار متعین کرنے میں کیا حرج ہے؟ اگر ایسا کوئی کردار فوج اپنی بالادستی کی بنا پر ادا کر رہی ہے تو پھر اس زمینی حقیقت سے آنکھیں بند کر کے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کی سیاسی صورتحال میں اگر یہ بالادستی فوج کو حاصل ہے اور ملکی مفاد میں فوج کا یہ کردار ناگزیر ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس کردار کو قانونی شکل دے کر اس کی حدود و قیود متعین کر دی جائیں تا کہ غلط فیصلے پر فوج کا احتساب بھی ہو سکے؟ اس کے برعکس اگر یہ مفروضات غلط ہیں اور فوج کا سیاست میں کسی طرح کا کوئی کردار نہیں تو پھر حکومت کی ہر ناموافق حرکت پر فوج کو ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے اور فوج سے دخل اندازی کی توقع کیوں کی جاتی ہے؟ حقائق تلخ ہوتے ہیں اور ان کا سامنا کرنے کے لئے جس اخلاقی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہم میں من حیث القوم مفقود ہے۔ ہم دل ہی دل میں ملکی سلامتی کے امور میں فوج کے کردار کے متمنی ہیں لیکن جمہوریت پسند کہلانے کی خاطر سرعام اس کا اعتراف کرنے کی بجائے شدید مخالفت کرتے ہیں تا کہ ہمارا بھرم قائم رہے۔ قائداعظم نے یورپی پارلیمانی نظام کو پاکستان کیلئے نامناسب قرار دیا تھا لیکن اس نظام کے لوازمات پورے کئے بغیر ہمارا اصرار ہے کہ پاکستان بنا ہی اس نظام کیلئے ہے اور اسے ترک کرنا فنا اور ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار میں اتنی شدت بھی غیر صحت مند رویئے کی غماز ہے۔

ملک کا آئین اتفاق رائے سے مرتب کی ہوئی دستاویز ہے جس میں ملکی مفاد کے پیش نظر ترمیم کی جا سکتی ہے۔ اگر قوانین کا یہ مجموعہ عوامی امنگوں پر پورا نہیں اترتا تو کیا اسے عوامی خواہشات کے مطابق مرتب نہیں کیا جا سکتا؟ کیا یہ اتنا ہی مقدس ہے کہ عامۃ الناس کے مفاد کو آئین کی بھینٹ چڑھا دیا جائے؟ ہمارا دانشور طبقہ حقائق کا جائزہ لینے کیلئے ذرا گلی کوچوں میں نکلے اور عوام کی رائے لے جو آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر کسی حقیقی نجات دہندہ کے منتظر ہیں۔ بدقسمتی سے جمہوریت کے کتابوں میں درج فوائد آج تک عوام تک نہیں پہنچے لہذا عوام پھر سے ایک ایسے مارشل لاء یا خونیں انقلاب کے منتظر ہیں جس کی زد میں خواص بھی آئیں، امن عامہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورتحال بہتر ہو، نئی صنعتیں لگیں اور لوگوں کو باعزت روزگار میسر ہو۔

اگر موجودہ کرپشن اور بے ضابطگی کا کلچر سیاستدانوں کی اپنی کوتاہ نظری اور ہوس اقتدار کا نتیجہ ہے تو اس پر قابو کیسے پایا جائے؟ کمزور قوانین کی بناء پر آج تک تو ملکی وسائل ہڑپ کرنے والے کسی سیاستدان کو عبرتناک سزا نہیں مل سکی اور نہ ہی آئندہ اس کی کوئی امید ہے۔ اگر قوم عدلیہ اور فوج کو اپنی آخری امید سمجھتی ہے تو کیوں نہ ان دو اداروں کا ملکی معاملات طے کرنے میں کردار بڑھا دیا جائے۔ تاکہ سیاستدانوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔ جیسے جیسے سیاستدان ذہنی بلوغت کے مدارج طے کرتے جائیں ان دو اداروں کا عمل دخل بتدریج کم کر دیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم میں قومی جنگی کونسل کے قیام کی تائید کرتے ہوئے ایک برطانوی سیاستدان نے کہا تھا کہ جنگ جیسا سنجیدہ مسئلہ صرف جرنیلوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ آج یہی جملہ معمولی ترمیم کے ساتھ پاکستانی سیاست پر لاگو ہوتا ہے کہ سیاست اور معیشت جیسے سنجیدہ مسائل صرف سیاستدانوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے جا سکتے لہٰذا ہمیں افراد کے بجائے اداروں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے جن کے سامنے ہر کوئی جوابدہ ہو۔

برادر ملک ترکی نے سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کو ختم کرنے کے لئے ایک ایسا ہی ادارہ تشکیل دیا تھا جو کامیابی سے کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کو صرف اس لئے مسترد نہیں کر دینا چاہئے کہ پاکستان کے قیام میں چونکہ فوج کا کوئی کردار نہیں تھا لہذا آج بھی ملکی بقا کی خاطر فوج کو کوئی کردار نہیں دینا چاہئے۔ ایسا کردار ایک اضافی ذمہ داری ہے کوئی انعام یا میڈل نہیں جو مشروط ہو۔

ہمارے ملک میں آٹھویں ترمیم بھی ہدف تنقید رہی ہے لیکن کم از کم چار مواقع پر اسی ترمیم کی بدولت مارشل لا لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اگر سیاسی بحران کے موقع پر متحارب گروہوں میں بیچ بچاؤ کرانا اور حکومت کو من مانیوں اور خلاف آئین و غیر جمہوری حرکات سے روکنا مقصود ہو تو اس مقصد کیلئے ایک ادارے کی بنیاد کیوں نہیں رکھی جا سکتی؟ قومی سکیورٹی کونسل کسی وزیراعظم کو اپنے منشور پر عملدرآمد کرنے سے روکنے کیلئے نہیں بلکہ خلاف آئین و جمہوریت اقدامات سے روکنے کیلئے ہوگی اور اس کا یہ کردار آئینی طور پر متعین کر دیا جائے گا۔ اگر وہ ان حدود سے تجاوز کرے گی تو اعلیٰ عدالتیں اس کے اقدامات کو غلط قرار دے سکیں گی۔ جہاں تک سیاستدانوں کا تعلق ہے تو وہ اپنی کرسی بچانے کی خاطر کشمیر کا سودا کرنے کو بھی تیار رہتے ہیں اور ایٹمی صلاحیت کو بھی تج دینے کو تیار ہیں۔ جب صورتحال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے تو قومی مفادات کا تحفظ کیونکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگا۔عدالتوں کے ذریعے احتساب بھی محل نظر ہے۔کیا کسی کرپٹ سیاستدان نے اپنی کرپشن کے اتنے ثبوت چھوڑے تھے کہ عدالتیں قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے اسے سزا دے سکتیں؟ ایسے خصوصی معاملات نمٹانے کیلئے خصوصی قوانین کی ضرورت ہے۔ چونکہ متاثرہ افراد خود ہی قانون ساز ہیں لہٰذا وہ کبھی بھی ایسے قوانین نہیں بنائیں گے جن کی زد میں وہ خود آتے ہوں۔ جہاں تک سیاستدانوں کو اعتماد میں لینے کی بات ہے تو کیا گزشتہ تین ادوار حکومت میں معاملات سیاستدانوں کے ہاتھ میں نہیں تھے؟ انہوں نے جو گل کھلائے ان کا نتیجہ آج پوری قوم بھگت رہی ہے۔ہمارا جمہوری نظام تو پہلے ہی ایک تماشا بن چکا ہے۔بار بار کے تجربات کے بعد کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ مجموعی صورتحال کا جائزہ لے کر ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے ماضی کی غلطیوں کا اعادہ نہ ہونے پائے۔اس سلسلے میں پارلیمنٹ کو مضبوط و موثر بنانا اور اختیارات سے تجاوز کرنے والے وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانا محض دیوانے کا خواب ہے۔اس کے نتیجے میں ہمیشہ ہارس ٹریڈنگ ہوتی ہے اور کرپشن میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔کیا اسی تجربے کو بار بار دہرانا مختلف نتائج پیدا کردے گا؟ البتہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ اگر فوج ایسے آئینی کردار کو قبول کرلیتی ہے تو بحسن وخوبی اس سے عہدہ برا بھی ہوجائے گی اور سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کے بجائے شروع سے ہی سانپ کا پھن کچل ڈالے گی یعنی ابتدا سے ہی وزیراعظم اور ارکان اسمبلی کو غلط کاریوں سے روک دے گی تاکہ معاملات آخری حد تک نہ چلے جائیں۔اگر سیاستدانوں کا کرپشن میں ملوث ہونا آئین کے خلاف نہیں تو انہیں ان غلط کاریوں سے روکنا آئین کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر کسی ناقد کے ذہن میں سیاستدانوں کے احتساب کا کوئی بہتر اور جمہوری حل ہے تو اسے اپنانے کیلئے بھی ذہن کھلا رکھنا چاہئے تاہم تادم تحریر تو کوئی قابل عمل متبادل تجویز سامنے نہیں آئی۔

اگر ہم حقیقت حال میں مثبت تبدیلی کے خواہاں ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہمارے سیاستدانوں نے کسی بالغ نظری کا ثبوت نہیں دیا بلکہ باہمی سر پھٹول، کرپشن، ملکی وسائل کی لوٹ کھسوٹ، ہارس ٹریڈنگ، قومی اور عوامی مسائل سے صرف نظر اور اپنے فرائض سے روگردانی کے نتیجے میں اپنی قدر و منزلت گنوالی۔ مستقبل قریب میں بھی اصلاح حال کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ان حالات میں اگر قومی سلامتی کونسل کے ذریعے یہ مقاصد حاصل ہوسکیں تو ملکی مفاد میں یہ بھی کر دیکھنا چاہئے۔مشہور مقولہ ہے کہ ''یہ نہ دیکھو کس نے کہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہا ہے''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر مرحوم جنرل ضیاء الحق نے ایک تجویز پیش کی تھی تو اسے مارشل لا ڈکٹیٹر کی تجویز کہہ کر مسترد نہیں کر دینا چاہئے بلکہ تجویز کا معروضی جائزہ لینے کے بعد اگر یہ وسیع تر قومی مفاد میں ہو تو اسے اپنا لینا چاہئے۔ مارشل لا سے تعصب کی بنا پر ایک اچھی تجویز کا رد کر دینا دیانت داری اور قومی مفاد کے تقاضوں کے منافی ہوگا۔

اپنی کرپشن کو جائز ثابت کرنے کیلئے ہندوستان کی کرپشن کا حوالہ دینا بھی کوئی مستحسن بات نہیں۔ ہماری کرپشن کے ڈانڈے تو مہاجرین کی آبادکاری کے عمل سے جا ملتے ہیں جب متروکہ جائیدادوں کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کیا گیا پھر پرمٹ، پلاٹ، پیسے اور لائسنس کا سیاسی استعمال ہوا اور ہر آنے والا دن پہلے سے بدتر ثابت ہوا۔ جاگیرداری نظام کو ختم کرنا اور متوسط طبقے کی قیادت ابھارنا بھی موجودہ سیاسی نظام میں تو ممکن نہیں۔ جس نظام میں پڑھے لکھے لوگ اور بے غرض و محبّ وطن اشخاص آگے نہ بڑھ سکیں، اس میں یقیناً کوئی بنیادی خرابی ہے۔ آج کی سیاست مکرو فریب کرپشن اور کلاشنکوف کی سیاست ہے جو شریف آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ جب معاشرے کی تلچھٹ مسند نشین ہوگی تو اس کو حدود میں رکھنے کا اہتمام بھی کرنا پڑے گا۔ اب یا تو پورے نظام کو بدلنے کی فکر کیجئے یا فی الحال سکیورٹی کونسل کو برداشت کر لیجئے تا آنکہ سیاستدان بلوغت کے مطلوبہ معیار تک پہنچ جائیں اور جمہوریت کے تقاضے بحسن و خوبی پورے کر سکیں۔

خبریں۔ 1 فروری 1997ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایکشن ری پلے

ایک دوست نے مجھے فون پر جنرل پرویز مشرف کی جبری ریٹائرمنٹ کی خبر دے کر میرا ردعمل معلوم کیا تو میرے منہ سے بے اختیار یہ جملہ ادا ہوگیا This is the end of Nawaz Govt.۔ گزشتہ چند ماہ سے جو اکھاڑ پچھاڑ جاری تھی یہ اس کا منطقی اور لابدی نتیجہ تھا تاہم اس کے درست ثابت ہونے پر ہر پاکستانی کی طرح راقم الحروف بھی صدمے کی سی حالت میں ہے۔ بہر حال زمینی حقائق یہی ہیں کہ فوج نے عنان اقتدار سنبھال لی ہے اور نواز شریف حکومت کو برطرف کر دیا گیا ہے۔

اس مضمون کا عنوان تجویز کرتے میں ماضی کے کچھ واقعات ہی محرکات بنے۔ (۱) گزشتہ ادوار میں متعدد بار مارشل لا کے نفاذ کا منظر۔ (۲) مرحوم محمد خان جونیجو کی ملک سے غیر موجودگی میں برطرفی کا منظر۔ (۳) سیاست دانوں کی جانب سے فوج، انٹیلی جنس، عدلیہ اور صدور کے خلاف سازش کے الزامات کا اعادہ۔ (۴) غلام محمد، ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، بینظیر بھٹو، غلام اسحاق خان اور میاں نواز شریف میں ہمہ مقتدر بننے اور اداروں کو تہس نہس کرنے کا رجحان۔ (۵) حکمرانوں کی عوامی رجحانات سے بے خبری اور ذاتی اقتدار کی چوکھٹ پر ملکی مفادات کا بلیدان۔ (۶) مخلص اور بے لوث قیادت کا فقدان۔ (۷) ہر آنے والی حکومت کے عوام کی مشکلات دور کرنے اور غیر جانبدارانہ احتساب کے دعوے۔ لیکن در پردہ جلب زر کی ہوس اور امریکی دہلیز پر سجدہ ریز ہونے کی خواہش۔ (۸) جمہوریت کی کوکھ سے مارشل لاء کا جنم اور مارشل لاء کے افق سے جمہوریت کا ظہور۔ ذرا ذہن پر زور دیجئے تو پس منظر اور پیش منظر میں سر مو فرق نظر نہیں آئے گا۔ باون برس سے ایک ہی ڈرامہ بار بار سٹیج کیا جا رہا ہے۔

موجودہ بحران کی جڑیں واجپائی کی پاکستان میں آمد اور اعلان لاہور کے واقعات میں ملتی ہیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ فوجی قیادت کے مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا اور ملکی مفاد کے منافی فیصلے جاری رہے۔ دریں اثنا حکومت نے امریکہ کے ایماء پر خفیہ سفارت کاری شروع کر دی جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ کشمیر کی تقسیم پر منتج ہوتی اور معمولی ردو بدل کے بعد موجودہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد کی حیثیت حاصل ہو جاتی۔ فوج کو اس سفارت کاری سے مکمل طور پر بے خبر رکھا گیا جو کہ اپنے ہی ادارے پر بے اعتمادی کا مظہر ہے۔ دوسری جانب اس پیش رفت سے ناواقف فوج کو کارگل میں اپنی دفاعی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے آپریشن شروع کرنے کی اجازت بھی دی جا چکی تھی۔ حکومتی ایوانوں نے اسے ایک مقامی سطح کی جھڑپ سے زیادہ اہمیت نہ دی جب کہ اس آپریشن کے دوررس سٹریٹجک اثرات تھے۔ دراس، لیہ سڑک کا مواصلاتی انقطاع بھارت کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ نواز شریف نے وزیر خارجہ کو بھارت بھیجا تاہم واجپائی حکومت نے کارگل کی چوٹیاں خالی کرائے بغیر مزید بات چیت کو خارج از امکان قرار دیا۔ دوسری جانب پاک فوج کچھ فوائد حاصل کئے بغیر پسپائی پر تیار نہ تھی۔ اس مرحلے پر امریکہ نے پاکستان کو باور کرایا کہ اگر کارگل سے مجاہدین کو واپس نہ بلایا گیا تو بھارت کو بھرپور حملے سے روکنا ممکن نہیں ہوگا۔ انہی وجوہات کی بناء پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ دفتر خارجہ، وزارت اطلاعات اور دیگر حکومتی اداروں نے معرکہ کارگل کے دوران مکمل بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا اور جان بوجھ کر یہ تاثر پیدا کیا گیا کہ فوج نے یہ کارروائی حکومت کی اجازت کے بغیر اپنے طور پر کی ہے۔ دوسری طرف بھارت نے امریکہ اور یورپ میں پورے صفحے کے اشتہارات شائع کرائے جن میں پاک فوج کو ''بدمعاش فوج'' قرار دیا گیا۔ امریکہ میں مقیم پاکستانیوں نے پاکستانی سفیر کو پیشکش کی وہ اپنے خرچ پر بھارتی پروپیگنڈے کے جواب میں اشتہار چھپوانا چاہتے ہیں جس کیلئے انہیں مناسب گائیڈ لائن دی جائے اور مواد فراہم کیا جائے۔ جس کے جواب میں سفیر صاحب نے فرمایا کہ ایسا کرنا حکومتی پالیسی کے خلاف ہے۔ یہ تمام باتیں فوجی قیادت کیلئے پریشان کن تھیں۔ حکومتی پشت پناہی کے بغیر فوج آپریشن جاری نہیں رکھ سکتی تھی جب کہ حکومت کی جانب سے کسی بھی مرحلے پر ایسا بیان نہیں دیا گیا اور نہ ہی پاک فوج کے اقدام کا دفاع کیا گیا۔ فوج کیلئے یہ صورتحال پائے رفتن نہ جائے ماندن والی بات بن گئی کیونکہ حکومت کی، پشتی بانی اور ساری اخلاقی وسفارتی امداد کی عدم موجودگی میں کارگل کی چوٹیوں پر مزید شہداء کے قبرستان تو ضرور بن سکتے تھے لیکن مزید پیش رفت کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

چاروناچار فوجی قیادت پسپائی کیلئے رضامند ہوگئی۔ اسی دوران میں نیاز اے نائیک کی خفیہ بھارت یاترا کی رپورٹیں بھارتی میڈیا کے ذریعے منظر عام پر آگئیں۔ مزید طوفان تب اٹھا جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نائیک صاحب نے بیان دیا کہ فوج نے سفارتی کوششوں کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ اس بیان کا بودا پن تو اس بات سے ظاہر ہے کہ اس خفیہ سفارت کاری کا تو پاک فوج کو علم ہی نہ تھا لہٰذا فوج کو مذاکرات ناکام بنانے کے لئے ذمہ دار ٹھہرانا بالکل لغو بات ہے۔ البتہ قوم یہ جاننے کا حق رکھتی ہے کہ ان مذاکرات کو فوج سے کیوں خفیہ رکھا گیا تھا؟ حکومت کی خواہش تھی کہ مکمل راز داری سے کام لیا جائے۔ فوج کے استفسار پر نیاز اے نائیک نے وضاحتیں کیں لیکن حکومت کی جانب سے کسی نے ان الزامات کی تردید نہیں۔ فوجی قیادت کو رنج تھا کہ ایک منظم اور محب وطن ادارے کی شہرت داغدار ہو رہی ہے۔ دوسری طرف بجائے فوج کو اعتماد میں لینے کے حکومتی ایوانوں میں توانائیوں کا رخ مزید غلط طرف موڑ دیا گیا۔ حکومت شروع سے ہی PARANOIA کا شکار تھی اور اسے ہر جھاڑی کے عقب میں دشمن دکھائی دیتے تھے۔ اسی خوف کے زیر اثر آٹھویں ترمیم ختم کی گئی' صدر سے تمام اختیار واپس لے لئے گئے' اراکین اسمبلی کے اختلاف رائے کو قابل مواخذہ بنایا گیا اور سروسز چیف کی تعیناتی اور ریٹائرمنٹ کا اختیار بھی حاصل کر لیا گیا۔ سینٹ کے اختیارات پر قدغن لگانے کی بھی کوشش کی گئی اور یوں تمام اختیارات فرد واحد میں مرتکز ہوتے چلے گئے۔ جب خفیہ سفارت کاری کا راز منکشف ہو گیا تو حکومتی ایوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اپنی فوج پر اعتماد کرنے کی بجائے شہباز شریف کو واشنگٹن بھیجا گیا تا کہ امریکہ کی حمایت حاصل ہو سکے۔

اس کے نتیجے میں امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بے نام رکن کی جانب سے وہ رسوائے زمانہ وارننگ پاک فوج کو دی گئی جس نے اونٹ کی پشت پر آخری تنکے کا کام کیا۔ اس کے بعد بھی حکومت مطمئن نہ ہوئی اور جنرل مشرف کو ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ راجہ نادر پرویز کے کزن لیفٹیننٹ جنرل طارق پرویز کو خفیہ ملاقات کیلئے بلایا گیا۔ اس ملاقات کی اطلاع ملتے ہی آرمی چیف نے طارق پرویز کو آرمی ڈسپلن کے تحت کمانڈ سے فارغ کر دیا اور بعد ازاں ان کا منفی ردعمل دیکھتے ہوئے انہیں ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ان سازشوں کے انکشاف کے بعد میاں نواز شریف کو جنرل مشرف کی جانب سے شدید ردعمل کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ جنرل مشرف ابھی بیرون ملک ہی تھے کہ ان کی سبکدوشی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ منظر دس برس قبل وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں سبکدوشی سے مماثلت رکھتا تھا۔ تاہم مرحوم جونیجو کے جہاز کو لینڈ کرنے سے نہیں روکا گیا تھا۔ اس موقع پر ملک میں موجود اعلیٰ فوجی قیادت نے انتہائی بالغ نظری کا ثبوت دیا اور اتفاق رائے سے جنرل مشرف کے ساتھ وفادار رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ فوج کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موقر ادارے نے تذلیل اور تباہی برداشت نہ کرنے کا درست فیصلہ کیا تو پھر برق رفتاری سے تمام اقدامات کر لئے گئے اور میاں نواز شریف کی حکومت کو برطرف کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اب فوج کی جانب سے مزید مثبت اقدامات کا انتظار ہے۔ خدا کرے کہ کوئی آئینی حل مل جائے۔ اب قوم اسی گھسے پٹے ڈرامے کا ایکشن ری پلے دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

نوائے وقت 16 اکتوبر 1999ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لمحوں نے خطا کی تھی.....صدیوں نے سزا پائی

جب 1958ء کا مارشل لا لگا تو راقم الحروف ایف اے کا طالب علم تھا۔ سیاسی طوائف الملوکی کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے عوام نے مارشل لا لگنے پر خوشیاں منائیں۔ چراغاں کئے اور شیرینی تقسیم کی حکام نے اشیائے صرف کی قیمتوں میں معجزاتی کمی کی، تجاوزات ہٹائی گئیں سڑکیں اور بازار صاف ستھرے ہوگئے اور اشیائے خوردونوش کی دکانوں پر جالیاں لگوائی گئیں۔ اگلے دس برس میں ایک صنعتی انقلاب بپا کیا گیا۔ سمگلنگ روک دی گئی اور ملک معاشی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوگیا۔ تاہم آنے والے دس برسوں میں سیاسی قیادت کے خلا نے ایک احساس محرومی پیدا کیا۔ ون یونٹ نے عملاً عوام کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ آئین بنایا گیا اور اس پر عمل بھی ہوا لیکن 71ء میں اسی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور مارشل لاء لگا دیا گیا۔ نتیجتاً مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ جنرل ایوب خان کا مارشل لا سب سے موثر اور سخت ترین مارشل لا تھا لیکن اس کے نتائج مثبت کی بجائے منفی ثابت ہوئے تو آخر کیوں؟ اس لئے کہ یہ مارشل لا ہوس اقتدار پر مبنی تھا اور اس کے پس پردہ سیاسی عزائم تھے' خلوص نیت نہ تھی۔ سیاست دانوں کے باہمی انتشار نے اسے مہمیز کیا۔

1977ء کا مارشل لا راقم نے بحیثیت میجر اور لیفٹیننٹ کرنل دیکھا۔ کوئی کچھ بھی کہے حقیقت یہی ہے کہ اس وقت فوج مارشل لا لگانے پر تیار نہ تھی لیکن سیاست دانوں کی باہمی عدم برداشت اور نفاق نے یہ مارشل لا وطن پر مسلط کرایا۔ چوٹی کے سیاست دانوں نے فوج کے تمام رینکس کو سائیکلوسٹائل کئے ہوئے اور پریس پر چھپے ہوئے خطوط ارسال کئے۔ فوج کی غیرت کو بحیثیت پاکستانی للکارا اور مداخلت کی اپیل کی اور بعدازاں مارشل لا لگوانے کا کریڈٹ بھی لیا۔ شروع میں جنرل ضیاء الحق کے کوئی سیاسی عزائم نہیں تھے اور ان کا ایجنڈا حقیقتاً نوے دِن پر ہی محیط تھا۔ ان دنوں ایک ریٹائرڈ جرنیل نے جنرل ضیاء الحق کو ایک خط تحریر کیا جس میں گزشتہ مارشل لاؤں کی تاریخ بیان کی گئی تھی اور مختصراً یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ چونکہ فوج کا ادارہ سول امور چلانے میں مہارت نہیں رکھتا۔ لہٰذا سیاست کی دلدل سے جتنا جلد ممکن ہو فوج کو باہر نکال لیا جائے کیونکہ ماضی کا تجربہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی ہے کہ مارشل لا مختصر عرصہ کیلئے لگایا گیا لیکن بعد ازاں دلدل گہری ہوتی چلی گئی اور کمبل سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا۔ جنرل ضیاء الحق اس خط کے مندرجات سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اس خط کی کاپیاں کروا کر فوج کے تمام یونٹوں میں تقسیم کرائیں اور جلد از جلد مارشل لا اٹھانے کے ارادے کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد سرکردہ سیاست دانوں نے جنرل صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا اور انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ بھٹو کا احتساب کرانے بغیر الیکشن کروانا بے مقصد ہوگا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ ضیاء الحق بھی انسان ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے مبرا ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے تھے۔ جب انہیں اپنی سیاسی مہارت کا ادراک ہوا تو تمام سیاست دان انہیں بونے دکھائی دینے لگے اور یوں ان کا عرصہ اقتدار برسوں پر محیط ہوگیا۔ اس مارشل لا کے شروع سے ہی محدود مقاصد تھے۔ لہٰذا اس کی جہت بھی سیاسی تھی۔ تاہم جب جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سے چمٹے رہنے کا فیصلہ کرلیا تو مارشل لا بھی کثیر المقاصد بنتا چلا گیا اور سیاسی عناصر پر بہت بیجا سختی بھی کی گئی جس کا خاص شکار پیپلز پارٹی اور بیباک صحافی بنے۔ حقیقت یوں ہے کہ اگر سوویت یونین افغانستان میں پیش قدمی نہ کرتا تو یہ مارشل لا بہت پہلے ختم ہو چکا ہوتا لیکن فطرت کے منصوبے میں ضیاء الحق کو خاصا اہم کردار کرنا تھا اور یہ کام ان سے لے لیا گیا۔ اس دور میں بھی آئین میں ترمیم کی گئی اور آرٹیکل **58-B(2)** کے ذریعے بظاہر مارشل لا کا راستہ بند کردیا گیا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ اس ترمیم کی قباحتیں بھی سامنے آگئیں۔ اس مارشل لا میں بھی ایسے انقلابی اقدامات نہ کئے گئے جو کہ قوم کو درست راستے پر ڈال کر اس کی تقدیر بدل سکتے بلکہ سیاست میں کرپشن کی داغ بیل ہی ایم این ایز کو ''کلاّ فنڈ'' دے کر اس دور میں ڈالی گئی جس سے بعد ازاں ہارس ٹریڈنگ نے فروغ پایا۔ مزید برآں قرضوں کا بوجھ مزید بڑھ گیا۔ یہ وہ دو قابل ذکر ادوار تھے جن میں اگر خلوص نیت سے انقلاب کا راستہ اپنایا جاتا تو ہم جانب منزل بہت سا فیصلہ طے کر چکے ہوتے۔ تاہم یہ محض مارشل لا ہی ثابت ہوئے انقلاب نہ بن سکے۔

12 اکتوبر سے ہم ایک تیسرے دور میں داخل ہوئے ہیں۔ جس میں اصحاب اقتدار مارشل لا کی اصطلاح کا استعمال بھی مناسب نہیں سمجھتے بلکہ صرف ایمرجنسی کے نفاذ کا سہارا لیا گیا ہے۔ چیف ایگزیکٹو کی پہلی نشری تقریر اور بعد ازاں 18 اکتوبر کی پالیسی تقریر سے ہر پاکستانی کو حالات کی حساسیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ موصوف نے اپنی حکومت کیلئے بہت سے اعلیٰ مقاصد کا انتخاب بھی کیا ہے لیکن کسی بھی سمت میں واضح پیش رفت سامنے نہیں آئی۔ اس رفتار سے تو شاید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیس برس بھی منتخب ایجنڈے کی تکمیل کیلئے ناکافی ہوں۔ کسی بھی انقلابی حکومت کے پہلے بہتر گھنٹے جو کہ انتہائی اہم ہوتے ہیں اسی بحث وتمحیص میں گزر گئے کہ مارشل لا لگائے بغیر وہ کون سے کم سے کم اقدامات کئے جائیں کہ تبدیلی کو قانونی حیثیت مل سکے۔۔Time and Space کی اہمیت کو چیف ایگزیکٹو بحیثیت ایک فوجی کے سب سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ تمام پروگرام ایک ٹائم فریم کے اندر رہتے ہوئے بنانا چاہئے۔ نادہندگان سے قرضے وصول کرنے اور غیر ممالک میں جمع شدہ زرمبادلہ واپس لانے کے عزائم قابل تعریف ہیں لیکن مروجہ عدالتی نظام سے بروقت فیصلوں کی امید نہیں کی جاسکتی۔ دوسری جانب نہ تو مارشل لا کے احکامات جاری ہوئے ہیں اور نہ ہی فوجی عدالتیں قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔ ان حالات میں مثبت نتائج حاصل کرنا بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس سلسلہ میں خاصی سختی سے کام لیا تھا اور جنرل حبیب اللہ سمیت بہت سے مشاہیر کو پابند سلاسل بھی کیا تھا لیکن وہ ایک ڈالر بھی واپس نہ لا سکے۔ ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا کہ بیان کردہ اعلیٰ مقاصد کا حصول کیسے ممکن بنایا جائے گا اور کون سا الہ دین کا چراغ میسر آ گیا ہے۔ جس کے ذریعے باون برس سے پھیلی ہوئی غلاظت کو صاف کرنا ممکن ہو سکے گا۔ سات مقاصد میں سے سوائے معیشت کی بہتری، اقتدار کی مرکزیت کے خاتمے اور احتساب کے باقی ماندہ مقاصد اہم ہونے کے باوجود غیر مرئی نوعیت کے ہیں۔ اس امر کا ادراک خاصا مشکل ہے کہ قومی اعتماد اور موزال کی تعمیر نو کیسے ہوگی۔ وفاق کو کیسے مضبوط بنایا جائے گا اور فوری انصاف کی ترسیل کس طرح ممکن ہوگی جب کہ غیر معمولی اقدامات کی بھی نشان دہی نہیں کی گئی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ کچھ ایسے عوامل کو بھی ایجنڈے میں شامل کیا جاتا جن سے عوام براہ راست متاثر ہو رہے ہیں۔ مثلاً تمام سرکاری محکموں سے رشوت اور کرپشن کے فوری خاتمے کی اشد ضرورت ہے جو صرف مثالی سزاؤں سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح کلاشنکوف کلچر کے خاتمے کیلئے ممنوعہ بور اور آٹو میٹک ہتھیاروں کے لائسنس بلا استثنا منسوخ کرنے چاہئیں اور غیر قانونی ہتھیاروں کے خلاف مہم چلانی چاہئے تاکہ امن عامہ کی صورت حال بہتر ہو سکے۔

خود کفالت کے حصول اور مزید قرضے نہ لینے کے متعلق بھی عزم کا اظہار کیا جاتا تو بہت اچھا تاثر قائم ہوتا۔ چیف ایگزیکٹو نے بجا طور پر کہا کہ پاک سرزمین ہر لحاظ سے مالا مال ہے۔ اگر ہم پاکستان کے تمام خوردو کلاں کیلئے نصف کلو آٹا فی روز کے حساب سے بھی اعداد و شمار مرتب کریں تو ہم گندم میں پہلے ہی خود کفیل ہیں۔ آٹے کی قلت کے ذمہ دار سمگلر ہیں جو پاکستانی آٹا افغانستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی نہیں بلکہ ہمسایہ وسط ایشیائی ریاستوں تک سمگل کرتے ہیں۔ سمگلنگ کے موثر خاتمے سے گندم کی درآمد کی ضرورت ہی نہیں رہے گی تو ہمیں کاسہ گدائی بھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔ پاکستانی قوم میں بے انتہا لچک ہے۔ اگر حکمران ذاتی مثال قائم کریں تو عوام کو ہر حال میں ہمقدم پائیں گے۔ بڑے بڑے غیر پیداواری منصوبوں کو معطل یا مؤخر کر دینا چاہئے اور ایسے منصوبوں پر عملدرآمد کرنا چاہئے جن سے عام پاکستانی مستفید ہو سکے۔ وی سی آر اور ڈش انٹینا کی فیس میں گرانقدر اضافے کی گنجائش ہے کیونکہ اس سے صرف طبقہ امرا کی دل بستگی کا سامان ہوتا ہے۔ بڑی اور لگژری کاروں کی درآمد پر مکمل پابندی کی ضرورت ہے علاوہ ازیں ہر طرح کے سامان تعیش کی درآمد ختم کر دی جائے تو شاید ہم اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے ہی بجٹ کی تشکیل کر سکیں۔

اب جب کہ فوج نے بادل ناخواستہ یہ بھاری پتھر اٹھا ہی لیا ہے تو ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جو ایک انقلابی سوچ کے آئینہ دار ہوں اور ایک مثبت تبدیلی کا احساس ہو سکے۔ طالع آزما موقع پرست آزمائے ہوئے سیاست دانوں کو ہرگز نہ آزمایا جائے اور نہ ہی ان کی خوشامد اور چاپلوسی کو در خور اعتنا سمجھا جائے۔ اگر ایسا کرنا ناگزیر ہے تو پھر بہتر ہے کہ فوج ان ہاؤس تبدیلی کر کے اقتدار واپس سیاست دانوں کے حوالے کر دے اور پس منظر میں رہتے ہوئے ضروری مشورے دیتی رہے۔ اگر سیاسی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے تو پھر تمام امور غیر سیاسی طور پر ہی انجام دینے چاہئیں تا کہ سیاسی مصالح چیف ایگزیکٹو کے منتخب ایجنڈے پر اثر انداز نہ ہونے پائیں۔ مثلاً اگر کالا باغ ڈیم ملک کی معاشی ضرورت ہے تو اس کو مخصوص ٹولے کی سیاست سے قطع نظر بننا چاہئے اور اگر احتساب ہونا ہے تو بلا استثنا سب کا ہونا چاہئے ورنہ فوجی انتظامیہ اپنا اعتبار کھو بیٹھے گی۔ آخر میں بحیثیت ایک سابق فوجی کے محترم چیف ایگزیکٹو سے گزارش ہے کہ جناب **Concept of operation** کو عالم ظہور میں آئے ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اب آپ **Scheme of Manoeuvre** کی بھی وضاحت فرما دیں تا کہ منصوبے پر عملدرآمد شروع ہو جائے کیونکہ کاؤنٹ ڈاؤن تو شروع ہو چکا ہے اور منصوبہ سازی میں زمان و مکاں کی بہت اہمیت ہے۔

نوائے وقت۔ 4 نومبر 1999ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالیہ نشان؟

فیلڈ مارشل منٹگمری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ہسٹری آف وارفیئر'' میں لکھا ہے کہ ''اگر کوئی قوم جارحیت کا شکار ہو جائے یا جنگ ناگزیر ہو جائے تو جنگ کرانے کی ذمہ دار سیاسی قیادت ہوتی ہے اگر سیاسی لیڈر کم ہمت ہوں جو اپنے جرنیلوں کو سیاسی اہداف اور واضح حکمت عملی نہ دے سکیں اور جنگ میں ان کی حوصلہ افزائی نہ کر سکیں تو فوجی جرنیل مشکل اور ناامیدی کا شکار ہو جاتے ہیں اور حکومت کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتے''۔

حقائق کے بتدریج منکشف ہونے کے بعد یہ امر تقریباً طے ہو گیا ہے کہ کارگل آپریشن کے دوران ہی نواز حکومت اپنے اہداف تبدیل کر چکی تھی اور امریکی دباؤ پر اس معرکے کو کسی منطقی انجام تک پہنچائے بغیر فی الفور ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پیشتر واجپائی کی لاہور آمد کے موقع پر آرمی چیف کی واہگہ بارڈر پر غیر موجودگی بھی نوٹ کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ معرکہ کارگل کیلئے فوجی تیاری بہت عرصہ پہلے شروع کی گئی ہوگی۔ اس ضمن میں فوجی قیادت کے اس دعوے کی آج تک تردید نہیں کی گئی کہ آپریشن حکومت کی اجازت سے شروع کیا گیا تھا۔ اگر یہ دونوں باتیں درست ہیں تو پھر حکومت وقت بعد میں ہی منتشر خیالی اور دوعملی کا شکار ہوئی ہوگی، جب کہ فوجی قیادت کے خیال میں کارگل سے کچھ حاصل کئے بغیر واپسی ایک ''صدی کا موقع'' ضائع کرنے والی بات تھی۔ سابق حکومت نہ صرف فوج کی پشت پناہی کرنے میں ناکام رہی بلکہ جنرل زینی کی آمد پر وزیراعظم نے موصوف سے مذاکرات کرنے سے بھی معذوری کا اظہار کیا اور یہ ذمہ داری بھی فوج کے کندھوں پر ڈال دی، جو حکومتی فرائض سے پہلوتہی کرنے کے مترادف ہے۔

ان تمام حقائق سے قطع نظر یہ بھی درست ہے کہ سابق حکومت کی مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے جب فوجی قیادت پسپائی پر رضامند ہو گئی تو حکومت نے بھی تالیف قلوب کیلئے بہت سے اقدامات کئے، جن میں تمغاجات کی تقسیم، کارگل کے شہداء کے اعزاز میں خصوصی پروگرام اور 6 ستمبر کی منسوخ شدہ تعطیل کی بحالی بھی شامل تھی۔ یوں بظاہر یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔ معاملے کے بگاڑ کی صورت نیازاے نائیک کے بیان اور اس انکشاف سے پیدا ہوئی کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خفیہ سفارتکاری کے ذریعے کشمیر کا مسئلہ بھارت کے ساتھ طے پا چکا تھا، لیکن فوج نے مذاکرات کے عمل کو غارت کر دیا۔ بعد میں میاں شہباز شریف کے امریکی دورے اور اس کے نتیجے میں امریکی سفارتکار کی وارننگ نے نواز حکومت اور فوج کے درمیان اختلاف کی خلیج کو مزید وسیع کر دیا۔

اب بعض نکتہ چین یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نواز حکومت کو ختم کرنے کا فیصلہ تو فوج پہلے ہی کر چکی تھی اور بالآخر اس فیصلے پر عملدرآمد بھی کر دیا گیا اور میرے نزدیک یہی نکتۂ اختلاف ہے۔ اگر حکومت کی برطرفی صرف دو افراد کے درمیان ذاتی رنجش کی بنا پر ہوئی ہے تو یقیناً اس کی حمایت نہیں کی جا سکتی۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی 12 اکتوبر کی تقریر میں حکومت پر فوج کو سیاست میں ملوث کرنے غیر مستحکم کرنے اور پھوٹ ڈلوانے جیسے الزامات عائد کئے ہیں، تو یقیناً اس بات کے ناقابل تردید شواہد بھی ہوں گے جو کسی نہ کسی مرحلے پر منظر عام پر آ ہی جائیں گے۔ ممکن ہے کہ اختلافات کی نوعیت کو بعض مصالح کے پیش نظر فی الحال سامنے نہ لایا جائے۔ تاہم ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا واقعی سابق حکومت بعض ایسے اقدامات کر رہی تھی، جن سے ہمارے قومی مفادات کو زک پہنچنے کا اندیشہ تھا؟ اگر یہ مفروضہ درست ہے تو اس کا سدباب بھی ہونا چاہئے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ کے ادارے تو موجود تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ ان اداروں سے بالا ہی بالا قومی مفادات پر سودے بازی ہوتی رہی؟ ان معاملات کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات ہونی چاہئے اور کوئی ایسا ادارہ وجود میں لانا چاہئے جسے شارٹ سرکٹ کرنا ممکن نہ ہو۔

جہاں تک فوج کے ادارے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں مکمل خاموشی ہے۔ البتہ 12 اکتوبر سے صرف چند روز پیشتر سابق وزیراعظم کی جنرل طارق پرویز سے خفیہ ملاقات اور جنرل پرویز مشرف کی جانب سے مذکورہ جنرل کی سبکدوشی بعض حقائق منکشف کرتی دکھائی دیتی ہے۔ فوجی حلقوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ میاں نواز شریف بعض کور کمانڈروں کو ترقی کا لالچ دے کر فوج میں ویسے ہی پھوٹ ڈلوانا چاہتے تھے جیسے کہ وہ عدلیہ میں کامیابی سے کر چکے تھے۔ یہ یقیناً ایک بہت سنگین الزام ہے اور اگر یہ درست ہے تو اس اقدام کا دفاع کرنا ممکن نہیں۔

گزشتہ ہفتے کے دوران میں بعض سیاسی عناصر نے ذاتی محفلوں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جہاز کو لینڈنگ کی اجازت نہ دینے والا واقعہ محض حاشیہ آرائی کیلئے ہے تاکہ حالات کو سنگین بنا کر پیش کیا جائے کیونکہ ان کے بقول جہاز میں کم از کم دو طرفہ اضافی ایندھن موجود ہوتا ہے جو اتنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلدی ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان امور کا جواب صرف ماہرین اور پی آئی اے کے متعلقہ حکام ہی دے سکتے ہیں۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ان شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے تاکہ افواہ سازی کا خاتمہ ہو سکے۔

زیرنظر مضمون کے مندرجات سے قطع نظر بحیثیت ایک سابق فوجی میں صرف ایک بات پر پوری ذمہ داری سے رائے دے سکتا ہوں کہ اگر جنرل مشرف کی جانب سے عائد کردہ الزامات مبنی برحقیقت ہیں، تو نواز حکومت کے یہ اقدامات پاکستان کے سب سے منظم اور بہترین ادارے کی مکمل تباہی پر منتج ہو سکتے تھے۔ کیا وزیراعظم کے عہدے پر فائز ایک ذمہ دار شخص سے اس کی توقع کی جاسکتی تھی؟ ایک ایسا شخص، جو اپنی پاکستانیت اور حب الوطنی پر فخر کرتا رہا ہو، اس نے ایسا کرنے کے متعلق کیوں سوچا اور اس کے اغراض ومقاصد کیا تھے؟ یہ امور ایک بہت بڑا سوالیہ نشان چھوڑ جاتے ہیں، جس کا جواب کسی نہ کسی کو دینا ہوگا۔

خبریں۔ 28 اکتوبر 1999ء

☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ بھی تو نہیں بدلا

ایک یورپی ملک کے وزیراعظم نے اپنی مادر علمی درسگاہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حسب خواہش کالج کے دورے کا پروگرام طے ہوگیا۔ کالج میں آمد پر طلباء وطالبات نے وزیراعظم پر گل پاشی کی تو مہمان خصوصی جھوم اٹھے۔

وہی ''عظیم اور تابندہ روایات'' انہوں نے کہا'' کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔

پھر مہمان لائبریری میں گئے تو فرمایا'' وہی علمی ماحول، گھمبیر سناٹا اور عظمت کا احساس، کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔

کلاس روم میں گئے تو فرمایا'' وہی دوستانہ فضا، باوقار رویہ اور طلب علم کی پیاس، کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔

مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد وزیراعظم نے ہوسٹل میں وہ کمرہ دیکھنے کی خواہش کی جس میں بطور طالب علم وہ خود رہا کرتے تھے یہ سوچتے ہوئے کہ اس وقت طلبہ کمروں کے بجائے کلاس روم میں ہوں گے، موصوف نے بے تکلفی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئے کمرے کے ایک گوشے میں ایک نازنین اور ایک نوجوان انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھڑے دکھائی دیئے۔ بدحواس نوجوان نے وزیراعظم کو دیکھا تو معذرت خواہانہ انداز میں کہا'' سر یہ میری فرسٹ کزن ہے اور چند ہی لمحے قبل میری کتابیں واپس کرنے آئی تھی۔''

وزیراعظم نے آسمان کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری اور کہا: ''ہاں وہی پچاس برس پہلے والے گھسے پٹے بہانے، کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔

مذکورہ واقعہ برطانیہ کے سر ونسٹن چرچل سے منسوب ہے۔ اب یہ بھی محض اتفاق کی بات ہے کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے پچاس سال ہوگئے ہیں ''لیکن کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔ شمال مشرقی ایشیا کے بہت سے ممالک اور چین نے ہمارے بعد آزادی کا سفر شروع کیا اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے، لیکن ہم نے سوائے ترقی معکوس کرنے کے'' کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔

پاکستان کے عوام کو ہمیشہ سہانے خواب دکھائے گئے ہیں جن کی تعبیر ہمیشہ ناخوشگوار ہوتی ہے۔ نہ لاہور پیرس بنا نہ نالہ لئی خوبصورت جھیل میں تبدیل ہوا، البتہ مربہ خور گھوڑے درآمد ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دھواں اگلتی چمنیوں میں مزید اضافہ ہوا۔ نئی ریلوے لائن بچھانے کی بجائے پہلے سے موجود ریلوے مواصلات کو غیر منافع بخش قرار دے کر متروک کر دیا گیا۔ سڑکیں آثار قدیمہ کی خبر دینے لگیں۔ روپے کی قدر و قیمت کم ہوتی گئی۔ ڈالر، پٹرول، کھاد، سیمنٹ، آٹا، کپڑا اور دیگر اشیائے صرف کی قیمتیں بڑھتی گئیں۔ حکومتیں بدلیں لیکن پیش منظر پر وہی چہرے رہے ہر نئی حکومت نے اپنی پیش رو حکومت کو تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا، خزانے کو خالی قرار دیا، خزانہ بھرنے کے دعوے کئے اور اگلی حکومت نے انہی الزامات اور اقدامات کا اعادہ کیا لیکن عوام کی تقدیر نہ بدل سکی۔

گندم کی قیمت بڑھانا ناگزیر ہے، بجلی کی قیمت نہ بڑھائی گئی تو واپڈا دیوالیہ ہو جائے گا، دو لاکھ روپے فی گھنٹہ کے اخراجات والے ہیلی کاپٹر پر سفر نہ کیا جائے تو وقت کا ضیاع ہوتا ہے، حکومتی شان و شوکت کا اظہار بھی وقت کی ضرورت ہے، کالا باغ ڈیم سیاسی وجوہ کی بنا پر تعمیر نہیں ہو سکتا، ملک دشمن نظریات رکھنے والوں سے سیاسی اتحاد حکومت کی ضرورت ہے، ملکی مفاد جائے بھاڑ میں۔ ڈالر کی قیمت پچھلی حکومت نے بلا وجہ بڑھائی تھی، ہمارے لئے ایسا کرنا جائز ہے! پہلے قرضوں کا حصول غلط تھا، ہم مزید قرضے حاصل کر کے ملک سنواریں گے!!

ملک دو طرح سنورتا ہے۔ ایک تو قرض اتارنے سے اور دوسرے مزید قرضے لینے سے۔ ان دو آتشہ قرضوں سے ملک مزید سنورے گا۔ آپ ناامید نہ ہوں۔ آپ کا مستقبل بہت خوشگوار ہوگا۔ بس اب چند سال کی بات رہ گئی ہے۔ جو لوگ قیام پاکستان کے وقت پیدا ہوئے تھے، وہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں۔ واقعی اب صرف چند سال کی بات ہی رہ گئی ہے! پھر یہ نسل معدوم ہو جائے گی اور آئندہ آنے والی نسلوں سے آج کے سیاستدانوں کے فرزندان ایسے ہی وعدے پھر سے کر لیں گے کہ ہماری حکومت آئے گی تو دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی۔ تعلیم اور صحت کی سہولیات مفت فراہم ہوں گی۔ ون ونڈو آپریشن سے صنعت کاری کو فروغ ملے گا پولیس کی اصلاح کی جائے گی۔ عدلیہ فیصلے کرنے میں آزاد ہوگی۔ انصاف غریب کی دہلیز پر فراہم کیا جائے گا۔ ملازمتیں میرٹ پر ملیں گی۔ تعلیم و ترقی کے مواقع غریب اور امیر کو یکساں حاصل ہوں گے۔ امن عامہ کی صورتحال بہتر بنائی جائے گی۔ بجلی سستی کرنے کے لئے ڈیم تعمیر کئے جائیں گے۔ بیرونی سرمایہ کاری کو فروغ دیا جائے گا۔ غریب کی حالت بہتر بنائی جائے گی۔ تنخواہوں اور پنشن میں اضافہ کیا جائے گا۔ روپے کی قیمت کم نہیں کی جائے گی۔ پچھلی حکومت نے ڈی ویلیوایشن کی تھی جب کہ ہم اس کی بجائے ایکسچینج ریٹ ایڈجسٹمنٹ کریں گے۔ کشمیر پر کوئی مفاہمت نہیں کی جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گی۔دفاع کو مضبوط بنایا جائے گا۔دشمن کو عبرتناک شکست دی جائے گی۔وغیرہ وغیرہ۔
آپ گزشتہ پچاس برسوں کے اخبارات کی فائلیں کھنگال لیں۔سیاستدانوں کے انہی وعدوں کی تکرار ملے گی اور وہی آزمودہ بہانے تحریر وتقریر میں ملیں گے۔
واقعی یہ تو وہی پچاس برس پرانے والے وعدے اور بہانے ہیں۔
''کچھ بھی تو نہیں بدلا''۔
اسے بدلنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ ہمارے قائدین اس شعر پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ۔

جھوٹ بولا ہے ظفر تو اس پہ قائم بھی رہو
آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہئے

خبریں۔21 مئی 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حسن تعبیر

انگریزی زبان کا ایک بہت جامع اور خوبصورت لفظ ہے ''یوفے مزم'' (EUPHEMISM)۔ یوفے مزم کسی تلخ حقیقت کو قدرے گوارا الفاظ میں بیان کرنے کا فن ہے۔ اردو زبان میں اس کے قریب ترین اصطلاح حسن تعبیر کی ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس نے خواب دیکھا کہ اس کے تمام دانت ایک ایک کر کے گر گئے ہیں۔ ایک جوتشی نے جو کہ حسن تعبیر کے فن سے نا آشنا تھا بادشاہ کو اس خواب کی تعبیر یوں بتائی کہ بادشاہ کے تمام قریبی عزیز اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے مر جائیں گے۔ اتنی بھیانک اور غلط تعبیر پر اس نادان نے موت کی سزا پائی۔ دوسرا جوتشی بلایا گیا جو کہ پہلے جوتشی کی موت سے عبرت حاصل کر چکا تھا۔ اس نے یوفے مزم سے کام لیا اور تعبیر یوں کی کہ حضور اپنے تمام عزیز و اقارب سے لمبی عمر پائیں گے۔ یوں اس فنکار نے ایک ناگوار حقیقت کو اپنے حسن تعبیر سے بہت خوشگوار بنا کر انعام پایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب حکومتیں اور ادارے بھی حسن تعبیر کے فن میں طاق ہوتے جا رہے ہیں۔ اس معاشرے میں جب مجروں اور ناچ گانے کو معیوب سمجھا جاتا تھا اور حکومتی سرپرستی درکار تھی تو آرٹ، فن اور ڈانس کی اصطلاحات سے کام لیا گیا۔ طوائف اور ناچی کو رقاصہ اور فنکارہ کے نام سے متعارف کرایا گیا اور جو ملک ایگری کلچر میں بھی خود کفیل نہیں اس کی اخلاقی اقدار کو کلچر کے نام پر کھوکھلا کیا گیا۔ گھوڑ دوڑ اور کتا دوڑ کو تفریح کہہ کر جائز قرار دیا گیا۔ یہ فن ہم نے اپنے مغربی آقاؤں سے سیکھا ہے جنہوں نے منافقت کو ڈپلومیسی کا نام دے رکھا ہے۔ انگریز اور امریکی اس فن میں خاصے ماہر ہیں۔ انگریز عالم جب کسی چیز یا کام کے معیار سے مطمئن نہیں ہوتے تھے تو اسے اچھا یا برا کہنے کی بجائے ''ناٹ بیڈ'' کہتے تھے۔ اقوام عالم کی درجہ بندی میں بھی ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ کے درمیان ''ترقی پذیر'' کی اصطلاح وضع کر کے غریب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقوام کو مطمئن کیا گیا کہ آپ لوگ اگر ترقی یافتہ نہیں تو غیر ترقی یافتہ بھی نہیں۔ اگر آپ یونہی ترقی کرتے رہے تو جلد ہی ترقی یافتہ اقوام کے ہم پلہ ہو جائیں گے۔ یہ اسی ''ناٹ بیڈ'' کا اظہار ہے۔ اب ہم سود کو مارک اپ کہتے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کو لوڈ شیئرنگ کہہ کر عوام کو برداشت کی تلقین کی جاتی ہے۔ واپڈا والے بجلی کی چوری کو لائن لاسز کا نام دیتے ہیں۔ جب ملازمین کا معاشی قتل عام مقصود ہو تو ''ڈاؤن سائزنگ'' اور ''رائٹ سائزنگ'' کی نئی اصطلاحات متعارف کرادی جاتی ہیں۔ بجلی کا بل بڑھانا مقصود ہو تو بل کی شرح میں تبدیلی کیے بغیر ''فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز'' ''سرچارج'' اور ''اضافی سرچارج'' کو متحرک کر دیا جاتا ہے اور ابھی تو سروس رینٹ اور انکم ٹیکس کے کالم بھی بل کے فارم میں اپنی باری کے منتظر ہیں۔ یہ تمام ستم حسن تعبیر کی آڑ میں ڈھایا جا رہا ہے۔ جب ایٹمی پروگرام بند کرنا ہو تو ''کیپ'' ''فریز'' اور ''رول بیک'' کی اصطلاحات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جب کشمیر پر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا ہو تو ''تھرڈ آپشن'' کی بات کی جاتی ہے۔ غرضیکہ اس میدان میں ہم نے کمال فن کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ تاہم وفاقی وزیر خزانہ نے اپنے تازہ ترین بیان میں جو چھکا مارا ہے اس کی بنا پر انہیں حسن تعبیر کے فن میں تمغۂ حسن کارکردگی ملنا چاہئے۔ پندرہ اکتوبر کو جب ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر و قیمت یکمشت پونے نو فیصد کم کر دی گئی تو موصوف نے فرمایا کہ یہ ڈی ویلیوایشن نہیں بلکہ ''ایکسچینج ریٹ ایڈجسٹمنٹ'' ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنے۔ گویا یہ اصطلاح استعمال کرنے سے زمینی حقائق بدل جائیں گے۔ 56ء کی بات ہے ہمارے سکول کی ہاکی ٹیم کا ایک حریف ٹیم سے میچ ہو رہا تھا۔ ایک متنازعہ گول پر کچھ جھگڑا ہو گیا۔ تماشائی بھی الجھنے لگے کیونکہ بعض کے خیال میں غلط گول دیا گیا تھا۔ ایک سیانے نے کھڑے ہو کر کہا۔ بھائیو ہٹ ٹھیک لگی تھی، فاؤل بھی نہیں ہوا اور گیند دونوں پولوں کے درمیان سے گزری تھی۔ اب اگر یہ گول نہیں تھا تو تم اسے کوئی سا بھی نام دے لو۔ تو محترم وزیر خزانہ ڈالر مہنگا ہو چکا ہے۔ پٹرول کی قیمت بڑھ چکی ہے۔ باربرداری کے اخراجات بڑھیں گے تو گندم اور کھاد مہنگی ہو گی۔ فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز بڑھیں گے تو بجلی مہنگی ہو گی۔ پیداواری لاگت مزید بڑھ جائے گی۔ درآمدی بل میں اضافہ ہو گا۔ صنعتی برآمدات مزید کم ہو جائیں گی۔ زرعی برآمدات کی مقدار بڑھے گی لیکن کم قیمت کی وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کم زرمبادلہ حاصل ہوگا۔ خسارے میں مزید اضافہ ہوگا۔ بیرونی قرضہ جات میں بیٹھے بٹھائے کئی ارب ڈالر کا اضافہ ہو جائے گا۔ غریب کیلئے سانس لینا مزید دوبھر ہو جائے گا۔ ضرب بالکل ٹھیک لگی ہے عوام نیم بسمل ہیں اور مہنگائی کی چکی کے دونوں پاٹوں میں پس رہے ہیں۔ جناب زمینی حقائق تو یہی ہیں اب آپ اس سارے عمل کو کوئی بھی نام دے لیں نام میں کیا رکھا ہے اگر یہ ڈی ویلیوایشن نہیں بلکہ ایکسچینج ریٹ ایڈجسٹمنٹ ہے تو یونہی سہی، آپ نے پالیسی کے دفاع کی اپنی سی کوشش تو کی ہے۔ ''ناٹ بیڈ ایٹ آل''!!

نوائے وقت۔ 26 اکتوبر 1997ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرفان ذات

قرآنی تعلیمات سے مطابقت کی بنا پر علامہ اقبالؒ مثنوی مولانا روم کو فارسی کے قرآن کا درجہ دیتے ہیں ؎

مثنویٔ مولویٔ معنوی
ہست قرآں درزبان پہلوی

مولانا جلال الدین رومی چھوٹے چھوٹے قصے کہانیاں بیان کر کے ان سے مثبت سبق اخذ کرتے ہیں اور انداز ایسا دلنشین ہے کہ ان کی بات دل میں ترازو ہو جاتی ہے۔ مثنوی میں ایک قصہ ہمارے قومی حالات اور ایٹمی دھماکے کے فیصلے سے نسبت کی بنا پر حسب حال ہے۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک شیرنی جس نے حال میں ہی ایک بچے کو جنم دیا تھا قضائے الٰہی سے وفات پا گئی۔ شیرنی کا نومولود بچہ بھوک پیاس کے ہاتھوں نیم جان پڑا ہوا تھا۔ ادھر سے ایک گڈریئے کا گزر ہوا تو اس نے ایک بکری کا دودھ دوہ کر بچے کو پلا دیا۔ بعدازاں وہ بچے کو گھر لے گیا اور بکری کے دودھ پر ہی شیر کے بچے کی پرورش ہونے لگی۔ شیر بھی بھیڑ بکریوں سے مانوس ہو گیا اور انہی کی طرح گھاس پھونس اور سبزے سے پیٹ بھرنے لگا۔ اس ماحول کا شیر پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح ہی منمناتا اور ذرا سی آہٹ ہونے پر بھاگ اٹھتا۔ اپنی جنس، فطری جبلت اور قوت سے بے خبر یہ سبزی خور شیر یونہی بھیڑ بکریوں کے ساتھ بھیڑ بکری ہی بن کر رہتا رہا۔ البتہ قد و قامت میں وہ باقی ریوڑ سے جلد ہی ممتاز نظر آنے لگا۔ پھر ایک دن یوں ہوا کہ ایک بھیڑیا ریوڑ پر حملہ آور ہوا اور اس نے شیر کو سب سے ''صحت مند بھیڑ'' سمجھ کر اپنا نشانہ بنایا۔

اس ایک لمحے میں سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ شیر کو جب جان کا خطرہ لاحق ہوا تو اس کی خوابیدہ جبلت اور صلاحیت بیدار ہو گئی۔ اس نے بھاگنے کی بجائے حملہ آور بھیڑیئے کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تو بھیڑیا دور تک لڑھکنیاں کھاتا چلا گیا۔ پھر شیر نے حملہ آور ہو کر بھیڑیئے کی انتڑیاں ادھیڑ ڈالیں اور اس کے مردہ جسم پر کھڑے ہو کر پہلی مرتبہ منمنانے کی بجائے دہاڑا۔ تبدیلی کے اس لمحے میں شیر کو اپنی ذات کا عرفان اور، اپنی قوت کا شعور ہوا اور اس نے بھیڑ اور شیر کا فرق محسوس کر لیا۔ اس دن سے وہ ریوڑ سے الگ ہو کر جنگل کے بادشاہ کی زندگی بسر کرنے لگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذرا غور کیجئے پاکستانی قوم کی گزشتہ پچاس برسوں کی تاریخ اور اس شیر کے قصے میں کتنی مماثلت ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ سازشوں کو شکست دیتے ہوئے اپنے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کیا۔ نوزائیدہ سلطنت خداداد ابھی عہد طفولیت میں تھی کہ بابائے قوم کی بے وقت موت نے اسے یتیم کر دیا۔ طاقتور ہمسائے نے سوچا کہ شیر کے بچے کو بڑا ہونے سے پہلے ہی مار دیا جائے۔ اس نے اثاثہ جات دینے سے انکار کر دیا۔ حیدر آباد، مناوادر، جونا گڑھ اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کیا اور دریاؤں کا پانی بھی بند کر دیا۔ بعد ازاں اپنی فوجیں سرحدوں پر لا کھڑی کیں۔ ابھی شیر کے بچے میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ تن تنہا ایک مکار دشمن کا مقابلہ کر سکتا۔ ادھر مغربی ممالک کو بھی اس خطے میں ایک اتحادی کی ضرورت تھی۔ اس طرح امریکہ نے پاکستان کو گود لے لیا۔ اس بچے کو امریکن گھی، خشک دودھ، گندم اور ڈالروں سے بہلایا گیا۔ بھیک کے ٹکڑے اتنے نشہ آور تھے پاکستانی قوم یہ بھی بھول گئی کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا تھا۔ اس نے شکم پروری کو ہی مقصد حیات بنا لیا حالانکہ انہیں سبق دیا گیا تھا کہ

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ ترا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اٹھارہویں سال میں شیر کو زخمی کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے آنکھیں کھولیں لیکن سرپرستوں نے اس کے ناخن اور پنجے کاٹ کر اسے بے بس کر دیا۔ یوں شیر ایک جیتی ہوئی جنگ ہار گیا۔ دشمن نے پچیسویں سال میں ایک کاری ضرب لگائی اور شیر جو بدقسمتی سے دوسروں کی مدد پر تکیہ کر بیٹھا تھا اپنا ایک بازو کھو بیٹھا۔ اس سے پیشتر جب بھی شیر نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی اسے خوفزدہ کر کے خاموش بیٹھا رہنے کا مشورہ دیا گیا۔ تاہم ایک بازو سے محروم ہونے کے بعد شیر نے کچھ خود حفاظتی اقدامات کئے۔ اگلے ستائیس سالوں میں بھی شیر کو ہمیشہ خوفزدہ کیا گیا اور امریکی حفاظت کے زیر سایہ تھپک تھپک کر سلا دیا گیا۔ آخر کار مئی 98ء میں طاقتور دشمن نے ایک ایسا قدم اٹھایا کہ شیر کا وجود عدم وجود میں تبدیل ہوتا دکھائی دیا۔ شیر نے جھرجھری لی، خواب خرگوش سے بیدار ہوا اور دشمن پر غضبناک نگاہ ڈالی۔ شیر کے سرپرستوں نے بہت دم دلاسے دیئے۔ اس کے حریف کی جارحیت کے خلاف سلامتی کی ضمانت دی۔ مزید ڈالروں کا وعدہ کیا اور بات نہ ماننے کی صورت میں انواع و اقسام کی پابندیوں سے ڈرایا گیا لیکن جب عرفان ذات حاصل ہو جائے تو پھر سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا ہے۔ 28 مئی کے دن شیر کو عرفان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذات حاصل ہوگیا۔ وہ دھاڑا تو جنگل اور میدان گونج اٹھے۔ اس نے کھلے میدان میں آکر دشمن کو اپنے جوابی اقدامات سے للکارا۔ اچانک ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ دشمن اپنے علاقے میں دبک گیا۔ شیر کے ماضی کے سرپرست انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان کیلئے یہ یقین کرنا بہت دشوار تھا کہ اب شیر سن بلوغت کو پہنچ چکا ہے۔ اس نے سبزی خوری ترک کردی ہے اور اب وہ جبلی تقاضوں کے تحت اپنی شکم پروری اور حفاظت خود کرسکتا ہے۔

ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ پاکستانی شیر پچاس برس بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ میں سے شیر کی پہچان ہوچکی ہے۔ اب اس شیر نے جنگل کی بادشاہت پر اپنا حق ثابت کردیا ہے۔ اب ایک قوم کے طور پر ہم نے خود کو اس قیادت کا اہل ثابت کرنا ہے تو کچھ مزید قربانیوں کی ضرورت ہے۔ عرفان ذات کے بعد اب منزل دور نہیں ہے۔

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

(نوائے وقت۔ 13 جون 1998ء)

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اثبات ذات

پکاسو سے کسی نے پوچھا کہ جب آپ کی کسی پینٹنگ کو انعام کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، تو آپ کے تاثرات کیا ہوتے ہیں؟ پکاسو نے بہت دلچسپ جواب دیا کہ میری ذہنی کیفیت اس گھوڑے جیسی ہوتی ہے، جو جی جان سے ریس کورس میں بھاگتا ہے، لیکن انعام جاکی کو مل جاتا ہے۔ یہ تاثرات اس مصور کے تھے، جس کی پینٹنگز کی وجہ شہرت ہی مصور خود تھا اور پینٹنگ کا اول آنا بھی فی الحقیقت مصور کی قابلیت اور ہنر کا اعتراف تھا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ان معاملات کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہوتا ہے۔

انسان میں کوئی سی بھی غیر معمولی صلاحیت ہو تو وہ اپنا اظہار چاہتی ہے۔ یہ اظہار ہی مصور سے تصویر بنواتا ہے۔ قلمکار سے عظیم ادب تحریر کرواتا ہے۔ سائنس دان اور انجینئر سے نت نئی ایجادات کرواتا ہے۔ ان سب کے پیچھے ایک ہی جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ ”میں بھی کچھ ہوں۔ مجھے جانو، مجھے دیکھو اور میری غیر معمولی صلاحیت کا اعتراف کرو۔“ یہ جذبہ اثبات ذات کا جذبہ ہے، جسے قدر شناسی، تحسین و آفرین اور لافانی شہرت سے تسکین ملتی ہے۔ اثبات ذات کا جذبہ انسان کی ترقی میں قوت محرکہ کا کام کرتا ہے۔ فلسفیوں کے نزدیک بیج کا پھوٹنا اور برگ و بار لانا بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے کہ مجھے حقیر مت جانو۔ میں بھی کچھ ہوں، مجھے پہچانو کہ اس ننھے منے بیج کی کوکھ میں ایک تن آور درخت خوابیدہ ہے۔

مرزا غالب تو کہتے ہیں کہ اس دنیا کی تخلیق ہی اسی لئے ممکن ہوئی کہ فطرت کو اپنی صناعی فنکاری اور قدرت کا اظہار مقصود تھا

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

اثبات ذات کا یہی جذبہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو 1976ء میں ہالینڈ سے پاکستان لے آیا۔ آئندہ تئیس برسوں میں انہوں نے انتھک محنت اور لگن سے اپنی منزل مقصود پالی اور ملک کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ موصوف نے گراں قدر مشاہرہ اور مراعات چھوڑ کر جب پاکستان میں گریڈ بیس کے عہدے پر کام کرنے کا فیصلہ کیا تو جذبہ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ اثبات ذات کا جذبہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بھی قوت محرکہ بنا ہوگا۔ الحمدللہ پاکستان نے ایٹمی دھماکے کر لئے اور پھر اچانک سائنس دانوں کے نزاعی بیانات کا لامتناعی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہر کوئی اس بات پر مصر تھا کہ دھماکوں کا کریڈٹ دوسروں کے بجائے اسے جاتا ہے اب حقیقت حال یہ ہے کہ یورینیم کی افزودگی اور ایٹمی دھماکا کرنے کی اہلیت لازم وملزوم ہیں۔ اگر افزودہ یورینیم دستیاب نہ ہو تو مزید پیش رفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری طرف اگر یورینیم کو ہتھیار میں ڈھالنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ محض خام مال کا ایک ڈھیر ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ ایک کامیاب جراحت دل کے بعد ڈاکٹر یہ فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں کہ اینستھیزیا دینے والا زیادہ اہم تھا کہ سرجن، دوسرے مددگار یا آپریشن تھیٹر کا عملہ یا وہ صنعت کار جنہوں نے آلات جراحی فراہم کئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک لایعنی بحث ہے۔ البتہ اس نزاع کا ایک مثبت پہلو بھی ہے کہ اثبات ذات کی رو سے سب سائنس دانوں کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور سب کو وہ اہمیت دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

یورینیم کی افزودگی سے دھماکا کرنے تک کم وبیش اکیس مراحل طے کئے جاتے ہیں اور کوئی بھی مرحلہ غیر اہم نہیں کہلا سکتا، تاہم افزودہ یورینیم ہی دستیاب نہ ہو تو باقی ماندہ بیس مراحل صرف دیوانے کا خواب ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر عبدالقدیر خان بجا طور پر ہمارے ایٹمی پروگرام کے خالق کہلانے کے حقدار ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈاکٹر ثمر مبارک مند، ڈاکٹر اشفاق اور دیگر سائنس دانوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں بھی اعلیٰ ترین قومی اعزازات عطا کئے جائیں۔

تاہم اس شاخسانے کا ایک خاصا منفی پہلو بھی سامنے آتا ہے، جب یہ معلوم کیا جائے کہ اچانک چائے کی پیالی میں یہ طوفان کیسے کھڑا ہوگیا؟ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ ایک اہم اجلاس میں ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب تشریف لائے تو تمام حاضرین احتراماً کھڑے ہوگئے اور انہوں نے پرجوش تالیوں سے قومی ہیرو کا استقبال کیا، لیکن صدر مجلس نے کھڑا ہونا اپنے منصب کے منافی سمجھا۔ اس پر بعض پرجوش حاضرین نے برملا کہا کہ جناب ہمارے اور آپ جیسے تو بہت سے افراد پہلے بھی آئے اور آئندہ بھی آتے جاتے رہیں گے، لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خان قومی ہیرو ہیں، لہذا آپ کو بھی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرنا چاہئے تھا۔ یہ بات صدر مجلس کی طبع نازک پر گراں گزری اور فوری ردعمل کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی اہمیت کم کرنے کے اقدامات کئے گئے۔ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں نے احکامات جاری کئے کہ اٹامک انرجی کمیشن کے سائنس دانوں کا استقبال شایان شان طریقے سے کیا جائے، جس میں ان سائنس دانوں کے اہل خانہ بھی شرکت کریں اور وہ بھی اس حال میں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

PAEC کے بینرز اور سٹکرز نمایاں طور پر ڈسپلے کئے گئے ہوں۔ پبلک کو بھی استقبال کے لئے وہی وقت دیا جائے جب PAEC کے سائنس دانوں کی آمد متوقع ہو۔ دوسری طرف KRL کے سائنس دانوں کی آمد کا بلیک آؤٹ کیا گیا، نتیجتاً ان کے استقبال کے لئے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

اگر اس سارے تنازع کا پس منظر مندرجہ بالا واقعہ ہی ہے، تو یقیناً یہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہیں کہلا سکتا اور ہمارے قومی مفادات کو زک پہنچانے کا موجب بن سکتا ہے۔ وکٹوریہ کراس کے حاملین کا استقبال تو انگریز کمانڈر انچیف اور ملکہ وشاہ برطانیہ بھی کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ یہی عزت واہمیت قومی ہیروز کو جان لڑانے کی ترغیب دیتی ہے، ورنہ بیس ہزار روپلی تو جوتے بیچ کر بھی کمائے جاسکتے ہیں۔ سیاست اور دولت کے مروجہ معیار پر قومی ہیروز کی بے وقعتی کر کے ان کے اثبات ذات کی نفی مت کیجئے۔ سیاست دان جا کی تو ہمیشہ انعام لیتے رہے ہیں۔ کم از کم ریس جتانے والوں کی حق تلفی تو مت کریں۔

خبریں۔12 جون 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فکری انتشار میں مبتلا صحافت کے علمبردار

بڑی طاقتوں کے کمال فن کو سراہنا چاہئے کہ انہوں نے اپنے قومی مقاصد کے حصول کے لئے کس طرح ہر خطے میں اپنے ہم خیال صحافیوں کا طبقہ پیدا کرلیا ہے۔اس طبقے کو نہ تو اپنے قومی مفاد کا صحیح طور پر ادراک ہے اور نہ ہی ملکی سلامتی سے کوئی دلچسپی ہے بلکہ وہ ''ہز ماسٹرز وائس'' کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ یہاں پر ایک دلچسپ واقعہ حسب حال ہے۔ایک انگلش میڈیم سکول کے استاد نے شاگرد سے سوال کیا کہ ہز ماسٹرز وائس کے ریکارڈوں پر پائی جانیوالی تصویر کتے کی ہے یا کتیا کی۔ذہین شاگرد نے اپنی یادداشت پر زور دینے کے بعد ایمانداری سے اعتراف کیا کہ اس نے تصویر کو اتنے غور سے نہیں دیکھا کہ ٹھیک جواب دے سکے۔اس موقع پر موصوف انگریزی گرائمر بھی بھول گئے، جس کی رو سے یہ تصویر کتے کی ہونی چاہئے کیونکہ اگر کتیا کی ہوتی تو His کے بجائے Her کا استعمال ہوتا۔مذکورہ طبقے کو سامنے کی بات تو دکھائی نہیں دیتی لیکن اپنی باریک بینی پر ناز کرتے ہیں۔حالانکہ یہ باریک بینی نہیں بلکہ کورنگاہی کا ثبوت ہے۔

یہ بھی عجیب سوءِ اتفاق ہے کہ مذکورہ صحافیوں میں اکثریت کا تعلق طبقہ اناث سے ہے اور وہ بھی ''انگلش میڈیم'' کلاس سے جسے ''ہز'' اور ''ہر'' کا فرق اوائل عمر سے ہی معلوم ہوتا ہے جب کہ بیچاری اردو میڈیم کلاس چھٹی جماعت سے پہلے ان الفاظ سے نا آشنا رہتی ہے۔تاہم جب ناموافق حقائق کا سامنا ہو تو اس طبقے کو گرائمر کے قواعد بھی بھول جاتے ہیں اور صرف رٹا رٹایا آموختہ یاد رہ جاتا ہے۔

گیارہ سے اٹھائیس مئی کے دوران جب تمام قوم یک زبان ہو کر ایٹمی دھماکے کا مطالبہ کر رہی تھی، تو یہ مختصر طبقہ ہرزہ گوئی میں مصروف تھا۔میری رائے میں ایٹمی دھماکے کی مخالفت یا موافقت کوئی جرم نہیں تھا۔اختلاف رائے ہر شخص کا بنیادی حق ہے بشرطیکہ یہ شائستگی کی حدود میں رہے اور رائے کا اظہار دوسروں کے لئے باعث آزار نہ ہو۔ایٹمی دھماکے سے اختلاف رکھنے والے افراد کو چار طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اولاً وہ افراد جنہیں قومی سلامتی کو درپیش خطرات کا صحیح شعور ہی نہیں اور وہ کم علمی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایٹمی قوت بننے سے فائدہ کم ہوگا اور نقصان زیادہ۔ ان افراد کے خلوص پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ انہیں درست رہنمائی کی ضرورت ہے۔

دوسرے درجے میں وہ افراد شامل ہیں جو ببل گم اور برگر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ انگریزی پڑھتے ہیں اور انگریزی میں ہی سوچتے ہیں بزعم خویش اس ''دانشور'' طبقے کی دانش کے سوتے مختلف موضوعات پر چھپنے والے امریکی لٹریچر سے پھوٹتے ہیں اور وہ حقائق نگاری اور برین واشنگ والے مواد میں فرق معلوم کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ امریکہ ہی ان کا فکری مائی باپ ہے اور امریکی فرمودات سے ہٹ کر سوچنا یا عمل کرنا ان کے نزدیک خودکشی کے مترادف ہے۔ قومی غیرت، عزت، جہاد، شہادت، آزاد فکری، حاکمیت اعلیٰ کا دفاع، مرد مومن کا تصور، تائید غیبی، قوت ایمان اور توکل علی اللہ جیسی تراکیب ان کے نزدیک فرسودہ اور آج کے دور میں ناقابل عمل ہیں۔ یہ طبقہ رہتا تو پاکستان میں ہے لیکن گن امریکہ کے گاتا ہے۔ ان کے نزدیک نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی کوئی اہمیت نہیں، معاشی ترقی دفاع سے زیادہ اہم ہے۔ خوشحالی زیادہ ضروری ہے چاہے اس کے لئے آزادی اور ملکی سلامتی ہی داؤ پر لگ جائے۔ مذہب ایک اضافی قدر ہے، اصل اہمیت انسانیت کی ہے۔ بوسنیا، فلسطین اور کشمیر میں ہونے والے مظالم انہیں ہرگز دکھائی نہیں دیتے، کیونکہ ان کا آقا فی الحال ان مسائل سے صرف نظر کر رہا ہے۔ انہیں ہندوستانی ایٹمی دھماکے سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، جب کہ پاکستانی دھماکا ان کے نزدیک انسانیت کے لئے موت کا پیغام ہے۔ یہ ایک طمانچہ کھا کر دوسرا گال پیش کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ انہیں اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ کا حق دے کر بھی معاف کر دینے پر اجر عظیم کی نوید سناتا ہے۔ یہ اشخاص یہ بھی نہیں سمجھتے کہ کمزور دفاع ہمسایوں کو جارحیت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ معصوم فاختائیں چونچ میں زیتون کی شاخ لئے امن کی تلاش میں محو پرواز ہیں۔ تاہم اگر یہ افراد اپنی سوچ میں مخلص ہوتے تو اپنی توپوں کا رخ ہر وقت پاکستان کی طرف ہی نہ کئے رہتے۔ انہیں غیر مسلم ''انسانیت دوست'' ممالک کے مسلمانوں کے خلاف روا رکھے گئے مظالم دکھائی ہی نہیں دیتے، جب کہ ''اسلامی بنیاد پرستی'' سے یہ ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں۔ ان کی سوچ ان کے آقا کی سوچ ہے، لہذا یہ اس سے ہٹ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہ دانش ور توپ کے دہانے کو سرخ گلابوں سے ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں۔ یوٹوپیا میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنے والے یہ افراد میلینیم (Millenium) کے انتظار میں ہیں اور گردوپیش کے حقائق ان کی سوچوں پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پاکستانی سائنس دانوں اور محب وطن جرنیلوں کے لئے یہ اہانت آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ خودکو ان سے بڑا دانشور سمجھتے ہیں اور پاکستان کے ایٹمی دھماکے پر اصرار کرنے کے جرم میں ان پر ''انسانیت کے قاتل'' اور ''زمین کی کوکھ میں آگ بھرنے والے'' کی فرد جرم عائد کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان ریٹائرڈ جرنیلوں کو پنشن ہضم نہیں ہو رہی، لہذا وہ ملک کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

ایک محترمہ جو انگریزی میں گل فشانی کرتی ہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے لئے انتہائی توہین آمیز القابات استعمال کرتی ہیں۔ پھر انگریزی محاورے کا استعمال کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اگر ہندوستان نے دھماکا کرنے کی غلطی کی تو ضروری نہیں تھا کہ پاکستان بھی وہی غلطی کرتا، کیونکہ دو غلطیاں مل کر ایک درست بات نہیں بن جاتیں۔ (Two wrongs don`t make one right) جب کہ بھارتی صحافی کلدیپ نیر اپنے ملک کے دفاع میں فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ ظلم کا جواب ظلم نہیں ہوتا، لیکن ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ بھارت کی طرف سے یہ ایٹمی دھماکے، ملکی سلامتی کو لاحق خطرات سے بچنے کے لئے کئے گئے ہیں۔ یہ بھارتی صحافی کی قومی سوچ ہے تو پھر ہمارے معدودے چند صحافیوں کی سوچ کو کیا کہا جائے گا؟

تیسرے درجے میں وہ افراد شامل ہیں جو بکاؤ مال کی حیثیت کے حامل ہیں۔ یہ غیر ملکی وظیفوں پر پلنے والے اصحاب جس کا کھاتے ہیں اسی کے گن گاتے ہیں۔ این جی اوز کی آڑ میں ان کی اتنی شکم پروری کی گئی ہے کہ اب یہ مستقلاً امریکی کھونٹے سے بندھ چکے ہیں۔ جو شخص اپنی عزت غیرت اور ملکی سلامتی کا بھی سودا کرنے کو تیار ہو، اس بدکردار اور ننگِ وطن کے لئے مزید کچھ کہنا بیکار ہے۔ یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ انہیں کوئی اہمیت دی جائے، یا ان کا ذکر بھی کیا جائے، کیونکہ قلم کی عصمت کا سودا کرنے والوں کا کردار بھی طوائف سے بہتر نہیں ہوتا۔

چوتھے درجے میں ان قلم کاروں کا شمار ہوتا ہے، جن کی اپنی کوئی رائے ہی نہیں ہوتی۔ یہ ابن الوقت افراد ہوا کا رخ دیکھتے رہتے ہیں اور پھر جھکنے والے پلڑے میں اپنا وزن بھی ڈال کر سرخرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا کسی قومی بحران میں ان سے کسی مثبت رائے کے اظہار کی امید نہیں رکھی جاسکتی، نہ ہی یہ قومی معاملات میں رائے سازی اور عوام کی تربیت کے عمل میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ اگر حکومت اپنی دی ہوئی لائن سے ہٹ کر عمل کر گزرے تو ان کے پاؤں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیچے سے زمین سرک جاتی ہے اور ان کے لئے اپنا دفاع کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ جی حضوریئے کسی کے دوست نہیں، بلکہ انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ سچی بات کڑوی ہوتی ہے لیکن مخلصانہ مشورہ وقعت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر وہ فی الوقت ناگوار بھی گزرے تو درست ہونے کی بنا پر بعد ازاں صحیح مشورہ دینے والے کے لئے عزت کا باعث بن جاتا ہے۔ ملکی مفاد کا تقاضا ہے کہ خوشامدیوں، چاپلوسوں کاسہ لیسوں اور جی حضوریوں کو مشاورت کے عمل سے دور رکھا جائے اور ان کی رائے کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی جائے۔

اب جب کہ پاکستان ایک ایٹمی قوت بننے کے بعد اپنے قومی مقاصد حاصل کرنے کے لئے مزید پیش رفت کر رہا ہے، ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مذکورہ زمرے میں شامل قلم کاروں کے تشخص کی پہچان ہو جائے، تاکہ وہ ملکی مفادات کو زک پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

خبریں۔ 23 جون 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لامارشل لاء

زیرِ نظر مضمون کا عنوان بظاہر مارشل لا لگانے کا تقاضا دکھائی دیتا ہے، لیکن درحقیقت پہلا لا عربی زبان والا ہے۔ گویا ''نہیں مارشل لاء'' یہ وہ مفہوم ہے جو موجودہ فوجی حکمرانوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور وہ ہنگامی حالت کے نفاذ سے آگے جانے کے خواہش مند نہیں دکھائی دیتے۔ سہولت کی خاطر ہم کہہ سکتے ہیں کہ 53ء کے مارشل لاء کے علاوہ یہ چوتھی فوجی حکومت ہے۔ پہلے تین مارشل لاء بالترتیب ایوبی (عیوبی) یحییٰ خانی (جنرل رانی) ضیاء الحقی (حقانی) مارشل لا کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ مؤخر الذکر کو حقانی اس لئے کہا گیا ہے کہ عدالت عظمیٰ نے نظریہ ضرورت کے تحت اسے جائز اور بجا قرار دے دیا تھا لہٰذا یہ مبنی برحق تھا۔

موجودہ فوجی حکومت کئی طرح سے اپنی پیش رو حکومتوں سے ممتاز اور منفرد ہے۔ مثلاً پہلے تین مارشل لاؤں کے نفاذ کے موقع پر فوج کی اعلیٰ قیادت پیادہ فوج کے پاس تھی۔ 77ء کے مارشل لاء کے سربراہ کا تعلق رسالے سے تھا۔ تاہم 12 اکتوبر والی فوجی حکومت کے سربراہ اور ان کے دست راست اعلیٰ افسران کا تعلق توپخانے سے ہے۔ اب یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ توپخانے کا طرۂ امتیاز ہی ''عزت و اقبال'' ہے۔ اللہ ان کے دم قدم سے پاکستان کی عزت بحال اور اقبال بلند فرمائے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ توپخانہ بحیثیت مجموعی خود لڑائی نہیں لڑتا بلکہ لڑاکا دستوں کو لڑائی میں امداد مہیا کرتا ہے۔ بظاہر دکھائی دیتا ہے کہ قیادت سنبھالنے کے باوجود اس مرتبہ فوج نے خود لڑنے کے بجائے انہی کو میدان جنگ میں جھونکنے کا پروگرام بنایا ہے، جنہیں اس بات کی تنخواہ ملتی ہے جیسا کہ چیف ایگزیکٹو نے متعدد بار اعلان کیا کہ فوج صرف مختلف محکموں کی استعداد کار کا جائزہ لے گی اور عوام کی مشکلات دور کرنے میں معاون بنے گی۔ لہٰذا ماضی کے برعکس ہمیں صرف چند مقامات پر ہی گنے چنے فوجی دکھائی دیں گے۔ اس طرح فوج کی جنگی صلاحیت بھی متاثر نہیں ہوگی اور حکومتی اداروں میں بھی اعتماد بڑھے گا۔

فوج کے تمام شعبوں میں سے توپخانے کا اپنا ایک مخصوص مزاج ہے۔ زمانہ امن کا ہو یا جنگ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توپخانے کی تربیت کا انداز یکساں نوعیت کا ہوتا ہے۔لہذا سابقہ جنگوں میں توپخانے کی کارکردگی بھی نہایت اعلیٰ درجے کی رہی ہے۔حتیٰ کہ 65ء کی جنگ کے بعد بھارتی پارلیمنٹ میں آپریشن کی ناکامی پر بحث ہوئی تو برملا اعتراف کیا گیا کہ بھارتی ناکامی کی ایک بڑی وجہ پاکستانی توپخانے کی درست، نپی تلی ناگہانی اور بھرپور گولہ باری تھی۔۔ پاکستانی توپخانے نے معرکہ کارگل میں بھی اسی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی شمشان گھاٹوں اور ہسپتالوں کی رونق دوبالا کرنے کا اہتمام کیا۔بھارتی جریدے ''انڈیا ٹوڈے'' کے مطابق ''پاکستانی توپخانے کی گولہ باری اتنی نپی تلی تھی کہ توپوں کی گھن گرج سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور دراس کا قصبہ بھوتوں کا مسکن بن کر رہ گیا تھا''۔

توپخانے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ منصوبہ بندی میں بہت باریک بینی سے کام لیا جاتا ہے لیکن جب فائر شروع کر دیا جائے تو کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ہر حال میں کامیابی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔جنگ شروع ہونے سے پہلے اہداف کا تعین کیا جاتا ہے اور بار بار ان کی درستی کو یقینی بنایا جاتا ہے، تاکہ فائر اپنے ہی دستوں پر نہ گرتے رہیں۔ہوا کے رخ اور درجہ حرارت کا خیال رکھا جاتا ہے۔زمین کی گردش کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔اور باریک بینی کی انتہا یہ کہ جس وقت ہدف پر فائر گرانا مقصود ہو، اس میں سے گولے کی اڑان کا وقت نکال کر فائر کیا جاتا ہے تاکہ گولے سیکنڈوں کی درستی کے ساتھ ہدف پر گریں اور انچوں کی حد تک درست ہوں۔

مثبت تنقید کا حق بھی توپخانے کی خصوصیت ہے۔ٹریننگ کے دوران اگر اعلیٰ افسر کوئی غلطی کرے تو ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی غلطی کی نشاندہی اور تنقید کا حق رکھتا ہے جس کا ہرگز برا نہیں مانا جاتا بلکہ غلطی کی اصلاح کر لی جاتی ہے۔فوج کے دوسرے شعبوں کا خیال ہے کہ توپخانے والے رواداری سے کام نہیں لیتے بلکہ پیشہ وارانہ معاملات میں ''کمینگی'' کی حد تک بے رحم ہوتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ زمانہ امن کی یہی بے رحمی توپخانے کی اعلیٰ کارکردگی کا بڑا سبب ہے۔

توپخانے کے افسروں کو کام کا جنون ہوتا ہے، وہ دبلے پتلے ہوتے ہیں اور پیشہ وارانہ معاملات میں درگزر کے بجائے ''کمینگی'' کا مظاہرہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔اسی لئے فوج کے دیگر شعبے توپخانے کے افسروں کے لئے KLM کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں جس کا مطلب ہے۔KEEN LEAN& MEAN

مندرجہ بالا خصوصیت کو ذہن میں رکھا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تین دن صرف اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بحث میں کیوں گزر گئے کہ کم سے کم کون سے اقدامات سے ملک کی باگ ڈور سنبھالی جاسکتی ہے تاکہ مارشل لا کا نام بھی استعمال نہ کیا جائے۔اب تمام معاملات مشاورت سے سرانجام پا رہے ہیں۔منصوبہ سازی میں خاصی سوچ بچار سے کام لیا جارہا ہے۔سوائے نادہندگان کے خوف و ہراس کی عمومی فضا بھی پیدا نہیں کی گئی۔خود بھاگنے کے بجائے دوسروں کو بھگانے کا عزم کیا گیا ہے۔بنیادی حقوق پر پابندی نہیں لگائی گئی اور تحریر و تقریر و تنقید کی آزادی ہے۔

اہداف کا چناؤ بھی بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔بادمخالف اور مجموعی عالمی درجہ حرارت کو ذہن میں رکھا گیا ہے۔تمام اقدامات نپے تلے ہیں۔17 نومبر کا دن "Time On Target" کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ہم امید رکھتے ہیں کہ جب گولہ باری شروع ہوگی تو تمام ملک دشمن عناصر اس کا نشانہ بنیں گے اور مکمل فتح حاصل ہونے تک گولہ باری اس لئے نہیں روک دی جائے گی کہ کچھ اپنی طرف کے دستے بھی فائر کی زد میں آگئے ہیں۔اگر فوجی حکومت صرف شفاف احتساب کے ذریعے ملک کی لوٹی ہوئی دولت واپس لینے میں ہی کامیاب ہوگئی تو نہ صرف اس کے خلوص نیت پر مہر تصدیق ثبت ہوجائے گی بلکہ مزید مثبت اقدامات کے لئے بھی راہ ہموار ہوجائے گی،جن میں تمام قسم کی کرپشن کا خاتمہ سرفہرست ہے ورنہ

ع گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں

قوم فوج کو ایک موقع دینے کے لئے تیار ہے۔امید ہے کہ قرض نادہندگان کے ضمن میں بھی درگزر اور رواداری کے بجائے توپخانے کی روایتی بے رحمی سے کام لیا جائے گا۔اگر نادہندگان سے وصولی نہ ہوسکی تو پھر عام تاثر یہی ہوگا کہ "گیا مارشل لاء"۔

خدا توپخانے کو عزت و اقبال سے مشرف کرے۔آمین۔

خبریں۔6 نومبر 1999ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی شفاخانے اور گردہ فروش انتظامیہ

12 اکتوبر کے فوجی اقدام کے بعد معروف کالم نگار اور صاحب طرز ادیب محترم عطاء الحق قاسمی نے دو دلچسپ کالم تحریر کئے، جن کا مرکزی خیال سیاستدانوں کو مجبور و مظلوم پاکستانی عوام پر حق حکمرانی دینا اور ان کے اقدامات کا دفاع تھا۔ قاسمی صاحب بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں اور انہوں نے بہت دلچسپ پیرائے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔

اپنے ایک کالم میں انہوں نے اپنے آشوب چشم کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ایک دیرینہ اور مخلص دوست جو کہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر نہیں ہے عرصے سے مصر ہے کہ موصوف اپنی آنکھ کا آپریشن اس سے کروالیں۔ موصوف کے انکار پر وہ اپنی دیانتداری، خلوص اور دیرینہ دوستی کا حوالہ دے کر پوچھتا ہے کہ آخر کن وجوہات کی بنا پر وہ اپنی آنکھ کا آپریشن اپنے دوست سے کروانے پر رضامند نہیں ہوتے۔ کالم نگار نے اس سوال کا جواب قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

دوسرے کالم میں قاسمی صاحب نے پھر یہی بات دوسرے آہنگ میں کہی ہے کہ آپریشن تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہی کرسکتا ہے۔ پی ایچ ڈی ڈاکٹر آپریشن کرنے کی اہلیت بہرحال نہیں رکھتا۔

مذکورہ دونوں کالموں میں جس دوست کا ذکر ہے وہ فوج ہے جب کہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر سے مراد سیاستدان ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ انہوں نے فوج کے لئے پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی اصطلاح کا استعمال کیا، ورنہ وہ ڈنگر ڈاکٹر یا وچ ڈاکٹر بھی کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے یہ رعایت غالباً اس لئے برتی ہے کہ مریض وہ خود ہیں اور اپنے لئے اہانت آمیز الفاظ بھلا کون پسند کرتا ہے۔

بہرحال جس کوالیفائیڈ ڈاکٹر کا کیس لڑنے کی قاسمی صاحب کوشش کر رہے ہیں تاحال اس کی کوالیفکیشن کا علم نہیں ہوسکا، سوائے اس کے کہ بقول خواجہ معین الدین مرحوم ''زیر تعلیم کو ووٹ کی واؤ لگا دیں تو وزیر تعلیم بن جاتا ہے''۔ یہ ووٹ کی واؤ ہی وہ جادو کی کنجی ہے، جس سے تمام قفل کھل جاتے ہیں۔ جھوٹے وعدوں، مکر و فریب اور ترغیب و تحریص سے ووٹ حاصل کرنے کی اہلیت وہ واحد کوالیفکیشن ہے جو ہمارے سیاستدان رکھتے ہیں حقیقت کچھ یوں ہے کہ قوم کی مسیحائی کا دعویٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنے والے یہ اصحاب جھوٹے مسیحا ہیں۔ نہ تو یہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہیں اور نہ ہی انہیں قوم کے مرض کا ادراک ہے۔ ان میں سے اکثریت تو ایوان اقتدار میں بیٹھنے کی اہل ہی نہیں۔ اگر قاسمی صاحب والی مثال کو ہی آگے بڑھایا جائے تو سیاستدان دراصل سیاسی شفا خانے کی انتظامیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے زیر انتظام شفا خانے میں کوالیفائیڈ ڈاکٹروں کی حیثیت معیشت دانوں، قانون دانوں، بینکاروں، سائنس دانوں، سفارتکاروں اور مختلف میدانوں میں مہارت رکھنے والے بیورو کریٹس کو حاصل ہوتی ہے۔ ہسپتال کی انتظامیہ جتنی دیانتدار مخلص اور راست باز ہوگی، اتنا ہی اس کی کوشش ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ باکردار اور اہل ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ شفایابی کا تناسب بڑھ جائے اور انتظامیہ کی نیک نامی کا باعث ہو۔ اس کے برعکس ہوتا یہ آیا ہے کہ ووٹوں کو تولنے کے بجائے گنے جانے والے نظام میں حریص، بددیانت اور بدکردار اشخاص ووٹوں کی اکثریت کے بل پر شفا خانے کا انتظام سنبھالتے رہے ہیں۔ اس کے بعد جمہوریت کے ٹیکے کے زیر اثر مریض کو بیہوش کر دیا جاتا ہے اور اسی بیہوشی کے عالم میں اس کا پیٹ چاک کر دیا جاتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد مریض کو پتا چلتا ہے کہ انتظامیہ نے ڈاکٹروں کی ملی بھگت سے اس کے گردے بھی بیچ کھائے ہیں۔ جی ہاں یہ ہے اصلیت ہمارے سیاسی معالجین اور منتظمین کی!

مبادا اس سے یہ تاثر قائم ہو کہ ہم عدم جمہوریت کے حامی ہیں تو یہ قطعاً غلط تاثر ہوگا۔ آج کے دور میں قائدین کو مروجہ طریقے سے منتخب کرنا ہی درست طریق کار ہے۔ تاہم کسی بھی نظام کو اپنانے سے پہلے اس کے لوازمات تو پورے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنے حقوق و فرائض سے بے بہرہ اور غیر تعلیم یافتہ ووٹر سے ہم کیسے توقع رکھتے ہیں کہ وہ صحیح افراد کو ووٹ دے گا؟ تعلیم کے بغیر یہ محض دیوانے کا خواب ہوگا۔ ہمیں یقیناً جمہوریت کو مادر پدر آزاد ہونے سے بھی بچانا ہوگا کیونکہ یہیں سے آمریت اور اخلاقی بے راہ روی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ مغربی جمہوریت میں تو ہم جنس پرستوں کو خوش کرنے کے لئے بھی قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور عائلی نظام و اخلاقی اقدار کی دھجیاں بنیادی حقوق کے نام پر اڑائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں ایسی آزادی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح ایسا نظام وضع کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ووٹر اپنے منتخب کردہ حاکم کو بددیانتی، نا اہلی یا قومی مفادات کو زک پہنچانے والے اقدامات پر با آسانی معزول کر سکیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ حاکم کی اطاعت صرف تب تک فرض ہے جب تک وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ جس نظام میں حاکم کا احتساب نہ ہو سکے وہ غیر فطری اور غیر اسلامی ہے۔ اس حد تک ہمیں اپنے آئین اور نظام کو اسلام میں ڈھالنا ہی ہوگا، ورنہ بار بار پرانے مسائل کا اعادہ ہوتا رہے گا۔ بقول اقبالؒ

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

ملکی سیاست کے بحران کا ذکر چھڑتا ہے تو بجا طور پر سیاستدانوں کی اہمیت اور ان کے کردار کا ذکر بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ سیاستدانوں کے حق میں چھپنے والے مضامین کا لب لباب یہی ہوتا ہے کہ سیاست میں تخصیص کار یا سپیشلائزیشن حاصل کئے بغیر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس سے یہ غلط نتیجہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ سیاستدانوں کی مخصوص مافیا میں کسی نووارد کے لئے کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ سیاست کی باندی ان کے بیٹوں، بھائیوں، دامادوں اور بھتیجوں، بھانجوں کے لئے مختص کر دی گئی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگ اور دانشور حضرات سیاست کے ذکر پر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور یوں اپنی صلاحیتیں ضائع کر دیتے ہیں؟ سیاست میں کامیابی کا معیار کیا ہے اور شرائط کیا ہیں؟

کتنے ستم کی بات ہے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ نے بہترین ذہنی صلاحیتوں اور ملکی تعمیر کے جذبے سے نواز رکھا ہے، وہ سیاست سے متنفر ہیں اور جو لوگ ملک کی جڑیں کھودنے اور بے ضمیری سے ملکی وسائل لوٹنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں بار بار وہی کرسیٔ اقتدار پر متمکن دکھائی دیتے ہیں۔ ہماری سیاست کا محور غنڈہ گردی، بددیانتی اور جہالت سے عبارت ہے۔ لہٰذا شریف آدمی ایسی سیاست سے مجتنب رہنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ یہی امر ہمارے سیاسی نظام کی کمزوری کی دلیل ہے۔

چند ایک کو چھوڑ کر سیاستدانوں کی اکثریت کا تعلق طبقہ جُہلا سے ہے، جن کی سیاسی قوت جاگیر داری، صنعتکاری اور غلط بخشیوں سے حاصل ہونے والی دولت اور اثر و رسوخ کی مرہون منت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری اعلیٰ سیاسی قیادت جمہوریت کی چکی کی پیداوار نہیں بلکہ یہ بیساکھیوں کے سہارے ملک و قوم پر اوپر سے مسلط ہوئی ہے۔ ان میں سے اکثریت نے کونسلر کا انتخاب بھی نہیں جیتا، لیکن دولت کے بل بوتے پر ڈائریکٹ حوالدار کی طرح صوبائی اور قومی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسمبلیوں اور سینٹ کے انتخابات میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ملک وقوم کی تقدیر سے کھیلنے کا حق حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سیاسی قیادت ملک وقوم کی خدمت کے جذبے سے عاری ہے۔ براہ راست اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے کے بعد ان حضرات کے احساس تفاخر اور برتری میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے رویئے میں تکبر اور نخوت در آتے ہیں۔ اس طرح بگاڑ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

آخر کیا وجہ ہے کہ معیشت، تعلیم، انجینئرنگ بین الاقوامی امور و دیگر میدانوں میں مہارت رکھنے والے اشخاص کسی مرحلے پر ملکی سیاست میں حصہ لے کر ملک وقوم کی خدمت نہیں کر سکتے؟ سیاست کے لئے دجل وفریب، ریاکاری، دولت اور اثر ورسوخ کے علاوہ اہلیت کا معیار کیا ہے؟ آخر سیاستدانوں میں کون سی خوبی ہے، جو ان ماہرین میں نہیں؟

مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی جانشینی بھی انگریز کے زمانے سے حاصل کردہ سیاسی اثر ورسوخ اور ایوب خان کی پشت پناہی کی مرہون منت تھی۔ مسٹر بھٹو بہت ذہین اور شاطر انسان تھے، لیکن ان کے طرز سیاست کے ہاتھوں ملکی معیشت اور قوم کی اخلاقی اقدار کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔

بینظیر بھٹو نے اپنے والد کے ووٹ بینک سے فوائد حاصل کئے جب کہ میاں نواز شریف بھٹو مخالف جذبات کی بنا پر کامیاب ہوئے۔ سیاست میں ان کا تعارف جنرل جیلانی نے کرایا اور یوں وہ بھی اوپر سے قوم پر مسلط ہوئے۔ متوسط اور زیریں طبقے سے تعلق رکھنے والے اشخاص تو موجودہ سیاسی نظام میں برسر اقتدار آنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور حق فرمانروائی صرف خوشحال طبقوں کی میراث بن چکا ہے۔

12 اکتوبر کے اقدام کے بعد جو منصوبہ بندی ہوئی ہے ابھی تک اس کے خدوخال واضح نہیں ہوئے اور سوچ کو عمل میں ڈھالنے میں بہت سست روی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ یقیناً اس کی کچھ وجوہ بھی ہوں گی تاہم لگتا یوں ہے کہ قطرے کے گہر ہونے تک بہت سی منازل طے کرنا باقی ہیں۔

چیف ایگزیکٹو حقیقی جمہوریت متعارف کرانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس نیک عزم میں ہماری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعائیں بھی شامل ہیں۔ تاہم خدشہ ہے کہ یہ حقیقی جمہوریت کراچی کی لسانی پارٹی کے حقیقی ونگ کا روپ نہ دھار لے۔ جہاں تک گزشتہ ادوار کا تعلق ہے تو ہم اس بات پر متفق ہیں کہ جمہوریت کو تو وطن عزیز میں آج تک پنپنے کا موقع ہی نہیں ملا، نہ ہی عوام جمہوریت کے ثمرات سے مستفید ہوئے ہیں۔ اب اگر حقیقی جمہوریت کا نفاذ فوج کے ہاتھوں ہو جائے تو مستقبل کا مؤرخ کہہ سکے گا کہ

ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

خبریں۔ 9 مئی 2000ء

☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کرے تجھ کو عطا جدت افکار

شاید یہ حقیقت قارئین کیلئے باعث تعجب ہو کہ فوج کے حلقوں میں جب کبھی مارشل لاء کے امکانات کا ذکر ہوتا ہے تو تمام سینئر افسران یک زبان ہو کر ''خدانخواستہ'' پکار اٹھتے ہیں۔ یہ نفسیاتی کیفیت بینظیر اور نواز شریف کے گزشتہ دو ادوار حکومت میں مکمل طور پر حاوی تھی۔ اسی طرح یہ بات بھی منظر عام پر لانا ضروری ہے کہ فوج کے سب سے اعلیٰ تعلیمی ادارے نیشنل ڈیفنس کالج میں ہر سال کورس کے اختتام پر جب سفارشات مرتب کی جاتی ہیں تو یہ سفارش سرفہرست ہوتی ہے کہ جمہوری اداروں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے اور جمہوریت کو استحکام بخشنے کے لیے اقدامات کئے جائیں۔

ان سچائیوں کے علی الرغم یہ بھی حقیقت ہے کہ بدعنوان اور نااہل حکومتیں ملکی حالات کو اس نہج پر لے آتی ہیں کہ عوام کی نظریں فوج کی جانب اٹھنے لگتی ہیں حالانکہ فوج کا اس سلسلے میں واضح آئینی کردار متعین کرنے کی بجائے ''اندرونی اور بیرونی خطرات کیخلاف ملکی سالمیت کے دفاع'' کی مبہم اصطلاح کا سہارا لیا گیا ہے لہذا نہ چاہتے ہوئے بھی فوج کا ادارہ سیاست کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ آئینی خلا ہے جو ہمارے مخصوص حالات میں کوئی آئینی حل پیش نہیں کرتا لہذا فوج کی مداخلت ہمیشہ غیر آئینی ہی ہوتی ہے۔ زیر نظر مضمون کا محرک جناب عطاالحق قاسمی کے متعدد کالم بنے ہیں جن میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں فوج کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ میں قاسمی صاحب کی حس مزاح اور کالموں کی شگفتگی کا مداح ہوں۔ موصوف بہر حال اپنی بات قارئین تک پہنچانے کا سلیقہ رکھتے ہیں چاہے اس میں منطق کا غلط استعمال ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

جن چار کالموں کا ذکر مقصود ہے ان میں سے دو کالموں میں انہوں نے ایک مخلص اور دیانتدار دوست سے آنکھ کا آپریشن کرانے سے انکار کیا ہے کیونکہ وہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر نہیں ہے۔ ایک کالم میں کرپٹ کرکٹ ٹیم کی جگہ فوجی افسروں پر مشتمل فوجی کرکٹ ٹیم بنانے کی پیچیدگیوں کو موضوع سخن بنایا گیا ہے جب کہ آخری کالم بعنوان ''گن مین محمد رمضان'' میں درپردہ فوج کے ادارے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانب سے اندرونی سیاست میں حصہ لینے کے مضمرات کا ذکر ہے۔

ربع صدی پیشتر چھپنے والے قاسمی صاحب کی ایک خصوصیت پاکستانیت کی گہری چھاپ تھی جو کہ بظاہر سیاسی مفادات کی نذر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ میں بصد احترام ان کے مذکورہ کالموں کا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آسکے۔

پہلے تین کالموں کا مرکزی خیال سپیشلائزیشن یا تخصیص کار پر مبنی ہے یعنی سیاست ایک مخصوص طبقے کا میدان ہے جو اپنے کام میں مہارت رکھتا ہے لہذا کوئی غیر سیاسی فرد سیاست کا کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اپنے بیشتر سیاستدانوں کی قابلیت، علمیت اور مہارت سے واقفیت رکھتے ہوئے یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ وہ کسی طرح کی خاص کوالیفکیشن کے حامل ہوں۔ میاں نواز شریف کو جنرل جیلانی نے سیاست کے میدان میں عقبی دروازے سے داخل کیا اور بدقسمتی سے یہ انتخاب غلط ثابت ہوا۔ میاں صاحب کی انتخابی کامیابی فوج کی پشت پناہی اور پیپلز پارٹی کے مخالف ووٹ کی مرہون منت تھی۔ ان کا اپنا نہ تو کوئی سیاسی پس منظر تھا اور نہ ہی انہوں نے کوئی سپیشلائزیشن کورس کیا ہوا تھا۔ ہمارے بیشتر سیاستدان دھن، دھونس، دھاندلی اور جبر کی بناء پر سیاست کے میدان میں موجود ہیں۔ یہ عبادت والی سیاست نہیں بلکہ غبن، کرپشن اور ذاتی مفادات کی سیاست ہے جس کیلئے واحد کوالیفکیشن ووٹ حاصل کرنے کے لئے امیدوار کی قوت خرید اور دروغ گوئی کی اہلیت ہے۔ جہاں تک خارجہ امور، داخلی وسماجی مسائل اور معیشت کا تعلق ہے تو بیشتر فوجی افسران اور خصوصاً اعلیٰ قیادت ان مضامین میں اعلیٰ تعلیمی اہلیت کی حامل ہے۔ بریگیڈیئر اور اس سے اوپر والے رینکس میں شاید ہی کوئی افسر پوسٹ گریجوایشن اور ایم ایس سی سے کم تعلیمی معیار رکھتا ہو۔ اس کے مقابلے میں ہمارے سیاستدانوں میں سے کتنے اس تعلیمی معیار تک پہنچتے ہیں یا ان قومی مسائل کا ادراک رکھتے ہیں؟ کتنے وزرائے خارجہ نے انٹرنیشنل ریلیشنز میں ڈگری حاصل کر رکھی ہے؟

قاسمی صاحب نے کرپٹ کرکٹ ٹیم کی مثال دیکر یہ واضح کیا ہے کہ چونکہ ان کھلاڑیوں کا متبادل دستیاب نہیں ہوسکتا لہذا ان کی کرپشن کے باوجود انہی سے کام چلانا پڑے گا۔ یہ ایک انتہائی غلط سوچ ہے کہ چور کو چور بھی نہ کہا جائے اور اصلاح حال کی کوشش بھی نہ کی جائے۔ یہ مثال بھی انتہائی غیر مناسب ہے کیونکہ اگر کرپٹ کھلاڑیوں کا بحران پیدا ہو ہی گیا تھا تو کیا ہمارے خارجہ امور اور معیشت جیسے پیچیدہ معاملات سے نبرد آزما ہونے والے سیاستدان کوئی سیاسی کرکٹ ٹیم بنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتے تھے؟ ظاہر ہے کہ کرکٹ ٹیم نہ تو فوجیوں کی بنائی جاسکتی ہے اور نہ ہی سیاستدانوں کی۔ ہاں البتہ میاں صاحب کو استثنیٰ حاصل ہے کہ وہ خود بھی کرکٹ کے ماہر بلے باز تھے اور کم از کم ایک کھلاڑی کی جگہ پر کر سکتے تھے۔ ہمارے سیاستدانوں کے اپنے میدان میں ماہر ہونے کا مفروضہ سرے سے غلط ہے۔ دراصل اپنے اپنے میدان کے ماہر تو معیشت دان، ڈاکٹر، انجینئر، بینکار، صنعتکار اور بیوروکریٹ ہوتے ہیں جو سیاستدانوں کے زیر نگرانی امور سلطنت چلاتے ہیں اور سیاستدانوں کو ملکی معاملات پر مشورہ بھی دیتے ہیں۔ حکومت تو ہسپتال کی انتظامیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپریشن تو ماہر امراض چشم سرانجام دیتا ہے انتظامیہ دیانتدار ہوگی تو ہسپتال کی کارکردگی بھی بہتر ہوگی ورنہ انتظامیہ اور ڈاکٹر ہسپتال کو بیچ کھائیں گے۔ ہمارے ہاں عوام کو جمہوریت کا انجکشن لگا کر بیہوش کیا جاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر مریض کو پتہ چلتا ہے کہ اس کے گردے بھی نکال کر فروخت کر دیئے گئے ہیں۔ اگلے الیکشن کیلئے نعرہ لگایا جاتا ہے کہ ہم آپ کے گردے واپس دلوائیں گے لیکن دوسرے آپریشن میں جگر غائب کر دیا جاتا ہے۔ جاں بلب مریض پر یہ زیادتی کب تک روا رکھی جائے گی؟ اس کا کچھ تو تدارک ہونا چاہئے۔

قاسمی صاحب کا چوتھا کالم اشارتی یا رمزیہ ہے جس میں گن مین محمد رمضان کو فوج کے سمبل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قصہ کوتاہ بنک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کر کے محمد رمضان اپنے فرائض بھول گیا ہے۔ اس کا ڈسپلن خراب ہو گیا ہے اور اب لوگ اس کا احترام کرنے کی بجائے اس سے ڈرنا شروع ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر وہ بنک کی حفاظت بھی نہیں کر سکا۔

مثال بہت اچھی ہے لیکن کہانی نامکمل رہ گئی ہے۔ ''محمد رمضان نے جب بنک مینجر کو کرپشن میں ملوث ہوتے دیکھا تو وہ رہ نہ سکا کیونکہ وہ صرف بنک کا گارڈ ہی نہیں بلکہ اس کے اپنے مفادات بھی اسی بنک سے وابستہ ہیں۔ اس کی عمر بھر کی کمائی بھی اسی بنک میں جمع ہے اور اسے علم ہے کہ بنک دیوالیہ ہو گیا تو اس کے پاس نہ سر چھپانے کا ٹھکانہ ہوگا نہ کھانے کو دو نوالے لہذا وہ کھلی آنکھوں سے اپنی عمر بھر کی کمائی لٹتے نہ دیکھ سکا۔ اس کا اپنا اور اس کی آنے والی نسلوں کا مستقبل بنک کی ترقی اور خوشحالی سے وابستہ ہے۔ وہ لوگوں کی امانتوں کا رکھوالا بھی ہے۔ لوگ عرصہ دراز سے بنک مینجر کی بدعنوانیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے محمد رمضان نے مینجر کو سمجھانے کی کوشش کی تو مینجر نے اسے ملازمت سے برطرف کرنا چاہا لیکن محمد رمضان نے اس کی سازش ناکام بنا دی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاملہ قاضی کو رپورٹ کر دیا۔ قاضی نے گارڈ کے ایکشن کو درست قرار دیا۔ بنک کو دیوالیہ ہونے سے بچانا ہے تو کرپٹ افراد کی ناراضگی مول لینا ہی پڑے گی۔ محمد رمضان کیلئے دوہری مصیبت ہے کیونکہ بنک کے قوانین کے تحت اسے بیرونی اور اندرونی خطرات کیخلاف بنک کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا ہے لیکن طریق کار کی وضاحت نہیں کی گئی۔ کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ بنک کے آئین میں ترمیم کر کے اسے اس دوہری ذمہ داری سے نجات دلائی جائے تا کہ کھاتہ داران یا بنک کا پریذیڈنٹ خود ہی بدعنوان مینجروں کا احتساب کر سکیں؟ محمد رمضان صرف بیرونی خطرات کا سدباب کرے اور روز روز کی لعن طعن سے بھی محفوظ رہ سکے''۔

فوج کی مداخلت کا سدباب کرنا ہے تو حالات کی اصلاح کرنا ہوگی۔ فی الوقت ہر پاکستانی کو چاہئے کہ نیک مقاصد کے حصول میں فوجی انتظامیہ کی معاونت کرے تا کہ وہ جلد از جلد معیشت کی اصلاح اور انتخابی قوانین میں ترمیم کر کے الیکشن کروا سکیں اور ملک کی باگ ڈور ایک نیک نام سیاسی حکومت کے حوالے کر کے بیرکوں میں واپس جا سکیں۔ اس مقصد کیلئے ہمیں سیاسی وابستگیوں سے بلند ہو کر پاکستانی سوچ اپنانا ہوگی۔ فوجی انتظامیہ کی مخالفت اس بنا پر نہیں کرنا چاہئے کہ ان کی کابینہ میں کسی ''شیدے یا فیقے'' کی گنجائش نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر سیاسی حکومت ہے۔

نوائے وقت۔ 19 جون 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

دفاعی امور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایٹمی دھماکا: امکانات اور خدشات

بھارت کے 11 اور 13 مئی کے ایٹمی دھماکوں کے بعد تمام قومی اخبارات میں متعدد مضامین اور اداریوں کی صورت میں گرانقدر مواد چھپ چکا ہے۔ مختلف نقطہ نظر رکھنے والوں نے نہ صرف بھر پور انداز میں قومی سلامتی کے اس حساس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے بلکہ مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں نے ایک دوسرے کے خوب لتے بھی لئے ہیں، حالانکہ یہ موضوع زیادہ سنجیدگی، متانت اور بردباری کا تقاضا کرتا تھا۔ زیر نظر مضمون میں مختلف آراء کا تنقیدی جائزہ لینا اور بہترین قومی مفاد میں سفارشات مرتب کرنا مقصود ہے تاکہ غوری کی آڑ میں بھارت سے ایٹمی دھماکے کرا کے امریکہ نے ہمیں جس مشکل میں مبتلا کر دیا ہے اس سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوا جا سکے۔

گزشتہ بارہ روز میں تین نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں:۔

1۔ پاکستان کو بلا تاخیر اور بغیر سوچے سمجھے دھماکا کر دینا چاہئے۔

2۔ پاکستان کو اقتصادی پابندیوں کے پیش نظر ہرگز دھماکا نہیں کرنا چاہئے ورنہ ہماری معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔

3۔ پاکستان کو ہندوستان کے خلاف عالمی رائے عامہ کو متحرک کرنا چاہئے اور اس دوران میں اقوام عالم کے رویے کا جائزہ لینا چاہئے۔ بعد ازاں کسی مناسب موقع پر نتائج وعواقب پر خوب سوچ بچار کر کے دھماکا کرنا چاہئے۔

یہ تینوں مکاتب فکر اپنے نقطہ نظر کے حق میں اور مخالف نقطہ نظر کے استرداد کے لئے ٹھوس دلائل سے مسلح ہیں۔ تاہم بدقسمتی سے یہ کوئی انٹر کالج مباحثہ نہیں، نہ ہی کوئی مذہبی مناظرہ ہے، جہاں مخالف کو بہتر دلائل اور اسلوب بیان سے چت کرنا پیش نظر ہو، بلکہ یہ ملکی سلامتی اور بقا کا مسئلہ ہے جو ذاتی پسند اور ناپسند کی سطح سے بلند رہ کر بے لاگ تجزیئے کا متقاضی ہے۔ آیئے ان آراء کا یکے بعد دیگرے بامقصد تجزیہ کیا جائے۔

عوام کی غالب اکثریت اور ممتاز اخبارات پہلے نقطہ نظر کے موئد ہیں۔ اس رائے کی پشت پر گزشتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پچاس برسوں کی تاریخ، عالمی طاقتوں کا پاکستان کی جانب مجموعی رویہ، ملکی سلامتی کے متعلق تشویش اور مختلف مواقع پر قومی مفاد کو فراموش کئے جانے کا تلخ تجربہ ہے۔ ظاہر ہے کہ فوری دھماکا کرنے کا مطالبہ کرنے والے خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ امریکہ ہمیشہ ناقابل اعتماد اتحادی ثابت ہوا ہے۔ ہم تجزیئے ہی کرتے رہ جائیں گے اور دشمن اپنا کام دکھا جائے گا۔ بہت سوچ بچار ہو چکی، جو کرنا ہے جلد از جلد کر گزریں۔

2۔ ملکی دفاع، آزادی اور حاکمیت اعلیٰ سب سے مقدم امر ہے۔ ہم روکھی سوکھی کھالیں گے، لیکن ملکی سلامتی پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

3۔ دھماکا کرنے سے ہندوستان کا کیا بگڑا، ہمیں بھی کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں بلاوجہ پابندیوں سے ڈرایا جارہا ہے تاکہ ہم بھارت کے ہم پلہ نہ ہوسکیں۔

4۔ اگر ہم نے اب دھماکا نہ کیا تو ہندوستان کے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے بعد ہم کبھی بھی دھماکا نہیں کر پائیں گے۔ امریکہ بھارت اور اسرائیل کے تعاون سے ہماری ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرا کر یہ باب ہمیشہ کے لئے بند کر دے گا۔

5۔ اس مرحلے پر ہمارا دھماکا فوری اشتعال کا ردعمل قرار پائے گا۔ سوچ بچار میں وقت ضائع ہو گیا تو عالمی پابندیاں مزید سخت ہو جائیں گی۔

6۔ اگر ملک سلامت رہا تو اقتصادی ترقی بھی ہوتی رہے گی۔ اگر آزادی ہی خطرے میں پڑ گئی تو خوشحالی کس کام آئے گی۔ ہمارے ملک کے عوام تو ویسے بھی تنگدستی سے گزر بسر کر رہے ہیں۔ اقتصادی پابندیاں صرف خواص کے لئے پریشان کن ہونگی۔

7۔ اگر بھارت اور پاکستان دونوں ایٹمی صلاحیت کے حامل ہیں تو جو فائدہ بھارت نے دھماکہ کر کے حاصل کیا ہے وہی ہمیں بھی حاصل کرنا چاہئے۔ قومی عزت اور غیرت کی قیمت تاجرانہ انداز میں لگانے کے بجائے مومنانہ فراست اور مجاہدانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

8۔ ایٹم بم کا مقابلہ صرف ایٹم بم سے ہی ممکن ہے بھارت جنگی جنون میں مبتلا ایک متعصب اور جارحیت پرست ملک ہے، جس نے پاکستان کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ایٹمی دھماکا اکھنڈ بھارت کی جانب واضح پیش رفت ہے۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار ملک کی حیثیت سے اپنی سلامتی کے لئے جو اقدام مناسب سمجھتے ہیں، وہ کرنا ہمارا حق ہے۔

9۔ امریکہ کو بھارت کا مفاد عزیز ہے۔ ہمیں اپنی سلامتی کا دفاع خود کرنا ہوگا، لہٰذا علاقے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھارت کی چودھراہٹ کو روکنے کے لئے ایٹمی میدان میں برابری ضروری ہے۔ بھارت کی فوجی اورنفسیاتی برتری کوختم کرنا صرف ایٹمی دھماکے سے ہی ممکن ہے۔

10۔ایٹمی صلاحیت کے حصول سے ملکی سلامتی کودرپیش خطرات کا سدباب ہوجائے گااور پاکستان کے ایٹمی دھماکے سے جنوبی ایشیا پرمنڈلاتے جنگ کے خطرات ٹل جائیں گے۔کیونکہ جوہری اسلحہ کے حامل ممالک شاذ ہی براہ راست ٹکراؤ کا خطرہ مول لیتے ہیں۔

11۔بھارت کے جارحانہ بیانات آزاد کشمیر پر حملے کا پیش خیمہ ہیں،جنہیں ایٹمی دھماکے سے روکا جاسکتا ہے۔امریکی امداد مراعات اور یقین دہانیوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ملکی سلامتی سب سے مقدم ہے۔ہم کسی بھی قیمت پراس کا دفاع خود کریں گے۔

12۔ایٹمی دھماکا اقوام عالم اور بالخصوص عالم اسلام میں ہمارا وقار بڑھادے گا۔

13۔خدانخواستہ ہمارے ایٹمی پروگرام کے خالق کی زندگی کوخطرہ لاحق ہوگیا تو ہم کبھی بھی دھماکا نہیں کر پائیں گے۔اس کے بعد امریکہ براہ راست یا بھارت اوراسرائیل کے ہاتھوں ہمارا انجام عراق سے بھی بدتر کردے گا۔

14۔آزادی ایک نعمت ہے،جس کی حفاظت کسی بھی قیمت پر کرنی چاہئے۔

ظاہر ہے کہ یہ جواز خاصے مدلل اور چندایک کے سوانا قابل تردید بھی ہیں۔نیز یہ دلائل پیش کرنے والوں کی تشویش قابل فہم اورحب الوطنی شک وشبہ سے بالا ہے۔البتہ طریقہ کار کے متعلق ان سے بعض امور پراختلاف کی بھی گنجائش ہے جس کا ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

دوسرا موقف رکھنے والے اتنی ہی شدومد سے دھماکا نہ کرنے کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

1۔امریکہ کا پاکستان سے دھماکا نہ کرنے پر اصرار ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم ایٹمی صلاحیت رکھتے ہیں۔جب یہ امر معلومہ ہے تو ہم دھماکا کرکے مزید کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ دھماکا کرنے میں نقصان ہی نقصان ہے فائدہ کچھ بھی نہیں۔ہم امریکہ کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے ورنہ ایٹم کا پرامن استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔

2۔دھماکا کرنے کی صورت میں ہم اقتصادی پابندیوں اورتعزیراتی اقدامات سے نشان عبرت بنا دیئے جائیں گے۔ہماری معیشت تباہ ہوجائے گی۔اور ہماری آئندہ نسلیں بھی ہمیں اس غلطی پر معاف نہیں کریں گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3۔امریکہ کی شہ پر بھارت اوراسرائیل ہماری ایٹمی تنصیبات کوتباہ کردیں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ بھارت عام جنگ کرکے ہماری اینٹ سے اینٹ بجادے۔

4۔ دھماکانہ کرنے سے ہماری ایٹمی صلاحیت برقرار رہے گی، جسے ہم بعد میں کسی وقت استعمال کرسکیں گے۔ہمیں اپنی ایٹمی ابہام کی پالیسی پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

5۔ایٹمی جنگ کی صورت میں کہیں دودھ ملے گا نہ پانی اور نہ کوئی پینے والا۔کسی کو حق نہیں کہ وہ دھرتی کی کوکھ میں آگ بھر دے اور ہمیں اپنی کروڑوں ماؤں، بہنوں، بچیوں اور بیٹوں کی لاشیں دیکھنے پر مجبور کرے۔

6۔ایٹمی دھماکا بھارت کی مجبوری تھی تاکہ حکومت کوسیاسی استحکام مل سکے۔نیز بھارت سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کا خواہاں ہے جب کہ ہماری ایسی کوئی مجبوری نہیں۔بھارت نے پاگل پن کا مظاہرہ کیا ہے تو ضروری نہیں کہ ہم بھی پاگل بن جائیں۔

7۔بھارت پراس وقت عالمی دباؤ ہے۔ہمیں اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی معیشت کومضبوط بنانا چاہئے اور بھارت پر مزید پابندیاں لگوانی چاہئیں۔امریکہ سے تعلقات بہتر بنانے چاہئیں۔ممکن ہے ہمارے قرضے معاف کردیئے جائیں۔ایف 16 بھی مل جائیں اور مزید فوجی واقتصادی امداد بھی مل جائے۔

8۔دھماکا کرنے کی صورت میں ہم نہ گندم درآمد کرسکیں گے نہ مشینری اور خام مال۔دوسری طرف ہماری تمام برآمدات بشمول چاول اور کپاس یہیں پڑے پڑے سڑتی رہیں گی۔

دھماکے کے مخالفین کو یقیناً یہ بھی علم ہوگا کہ افزودہ یورینیم صرف خام مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے گویا بارود کا ڈھیر آپ کی دسترس میں ہو۔تاہم دھماکہ کئے بغیر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ہم اس خام مال کو دفاعی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔13 مئی کو جب بھارت نے مزید دھماکے کردیئے تو پاکستان پر کڑی نگرانی مسلط کردی گئی اور سفارتی دباؤ میں اضافہ ہوگیا۔اس صورت میں پاکستان کی حکمت عملی درست تھی کہ اقوام عالم کے ردعمل کا مشاہدہ کیا جائے۔اس مرحلے پر چند سوالوں کا جواب ضروری ہے۔دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی وزیراعظم سر ونسٹن چرچل نے قوم سے اپنے خطاب میں آنسوؤں اور سسکیوں کے تحفے کے سوا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔البتہ انہوں نے قوم کو جنگ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا تھا اور قوم کی عظمت ووقار کی خاطر قربانیوں کی توقع ظاہر کی تھی۔کیا ہم نے قوم کو ذہنی طور پر پابندیوں کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیار کرلیا ہے؟ ایران عراق اور لیبیا تو تیل کی دولت کے بل بوتے پر اقتصادی پابندیوں کا سامنا کرتے رہے۔ کیا ہم نے کوئی متبادل حکمت عملی وضع کی ہے؟ کیا حکمران طبقہ بھی عوام کے ساتھ مصائب اور مشکلات میں حصہ دار بننے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہے؟ کیا ہم تیاری کے بغیر ہی اقتصادی جنگ لڑنا چاہتے ہیں؟ کیا اب وقت آنہیں گیا کہ اپنی ضروریات کو اشد ضروری اشیاً اور پراجیکٹس تک محدود کردیا جائے؟ ہمارے وسائل اتنے کم بھی نہیں کہ قرض کے بغیر ہمارا بجٹ نہ بن پائے۔ صرف تعیش پرستی کی بجائے صحرانشینی کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ پجارو کلچر کو تیاگ دینا ہوگا اور ایوانہائے بالا کے اخراجات ختم کرنا ہونگے۔ پٹرول اور خوراک کی راشننگ کرنا ہوگی تاکہ ہم محدود وسائل سے طویل اقتصادی جنگ لڑسکیں۔ ایٹمی دھماکے کے بعد ہم مسلم دنیا میں ایک خصوصی اہمیت کے حامل ہوں گے جس کے ثمرات بھی ہمیں ملیں گے اور معاشی نقصانات کی تلافی ہوسکے گی۔ ملکی دفاع کے نام پر 65ء والا جذبہ آج بھی زندہ ہے کوئی اس کو استعمال میں لانے والا ہی نہیں ملا۔ قرآن مجید کے الفاظ میں فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ترجمہ: (یعنی جب ارادہ کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو (آل عمران آیت 158)

اس معاشی جہاد کیلئے بھی بھرپور تیاری کی ضرورت ہے جو جتنی جلد مکمل ہو جائے بہتر ہے۔ پریسلر ترمیم کے باوجود پاکستان کو ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے سے نہیں روکا جاسکا۔ امریکہ نے روس پر دباؤ ڈال کر پاکستان کو روسی ساخت 29 کی ترسیل رکوادی۔ کینیڈا سے کنوپ کے لئے فالتو پرزہ جات کی ترسیل رکوائی۔ 65ء اور 71ء کی جنگ میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہمارے ایٹمی پروگرام پر بے جا پابندیاں عائد کی گئیں۔ فرانس سے ری پروسیسنگ پلانٹ کا سودا منسوخ کرایا۔ افغانستان کی جنگ میں ہمارے کندھوں پر سوار ہوکر واحد سپر پاور بنا اور اس کے باوجود ہر موقع پر ہمارے مفادات کو زک پہنچانے کا موجب بنا۔ اب اگر پاکستان امریکہ پر بھروسہ نہیں کرتا تو وہ اس میں حق بجانب ہے۔ ہمیں اپنے قومی مفادات کا تحفظ خود کرنا ہوگا۔ جو کام پریسلر ترمیم کے اطلاق سے نہ ہو سکا اب وہی مقصد اس کی منسوخی سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ملکی دفاع اور ملکی سلامتی کے درمیان نازک فرق کو بھی ذہن میں رکھنا ہے۔ چند سو ٹینک اور چند طیارے ملکی دفاع کو تو مضبوط بنا سکتے ہیں لیکن ملکی سلامتی اور تحفظ کی ضمانت نہیں بن سکتے۔ مضبوط دفاع ملکی سلامتی کا صرف ایک جزو ہے۔ باقی عناصر کو بھی فعال ہونا چاہئے۔ امریکہ نے اب تک اس حقیقت سے مفاہمت نہیں کی کہ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے اور وقت کے پہیے پر ان کی گرفت پہلے جتنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مضبوط نہیں رہی جس کا باعث ان کی اپنی بے اصولیاں ہیں ۔اگر اس خطے میں ان کے قومی مفادات ہیں تو پاکستان کے لئے اپنی سلامتی کا مفاد سب سے مقدم ہے۔ایک آخری بات کی وضاحت بھی ضروری ہے۔عام تاثر کے برخلاف ایٹمی ہتھیار روایتی ہتھیاروں اور باقاعدہ فوج کا نعم البدل نہیں ہوتے بلکہ روایتی افواج ایٹمی چھتری کے زیرسایہ آپریٹ کرتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایٹمی ہتھیار بذات خود ایک فورس نہیں بلکہ FORCE MULTIPLIER کا کام کرتے ہیں۔لہذا ہمیں اپنی معیشت کو بہرحال مضبوط بنانا ہوگا تاکہ ہم دفاع کے اخراجات برداشت کرسکیں۔ہمیں جلد از جلد تمام حالات اور معاشی صورتحال کی سٹاک ٹیکنگ کرلینی چاہئے تاکہ ہمارا ایٹمی اقدام نپے تلے خطرے CALCULATED RISK کی بجائے جوئے کی اندھی چال نہ ثابت ہو۔ہمیں پیش آنے والے خطرات اور مشکلات کا مکمل شعور ہونا چاہئے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکمت عملی اور طریقہ کار بھی طے کرلینا چاہئے۔اگر یہ تمام تیاریاں مکمل ہیں تو پھر دیر کاہے کی۔بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبا دیجئے!۔

خبریں 27 مئی 1998ء

نوائے وقت 30-31 مئی 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسل نہ جائے

گزشتہ چند ہفتوں سے پاکستان کی فضا غوری میزائل کی کامیاب ٹیسٹ فائرنگ کی خوشی سے معمور رہی ہے۔قوم نے اس تاریخی کامیابی پر جس خوشی کا اظہار کیا اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عوام دفاع کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی مجموعی سوچ کیا ہے۔خوشی کی یہ فضا 11 مئی کو ہندوستان کی طرف سے بیک وقت تین ایٹمی دھماکوں نے قدرے دھندلا دی تاہم محسن ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا یہ بیان حوصلے کا سبب بنا کہ حکومت اگر آج چاہے تو ہم ایٹمی دھماکہ کر سکتے ہیں۔آرمی چیف نے بھی اس طرح کے خیالات کا اظہار کر کے قوم کی ہمت بندھائی کہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے جو حکومت جب چاہے کر سکتی ہے۔

جوہری اسلحہ سازی کی صلاحیت کے بعض اہم پہلوؤں سے واقفیت عمومی دلچسپی کے علاوہ موجودہ صورت حال کو سمجھنے میں مفید ثابت ہوگی۔اس سلسلے میں چند ناگزیر مرحلے طے کرنا ہوتے ہیں اور ہر مرحلہ ایک منفرد اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔اختصار کی خاطر ہم صرف چند بڑے مرحلوں کا ذکر کریں گے۔اگرچہ ان مرحلوں کے درمیان بھی تہہ در تہہ مرحلے اور پیچیدگیاں ہیں۔

1۔خام مال یعنی یورینیم کی دستیابی، فراہمی یا حصول 2۔آلائشوں کی علیحدگی کے بعد کارآمد یورینیم کا حصول 3۔یورینیم کا اینٹوں کی شکل میں مجسم کیا جانا۔4۔یورینیم 238 کو ہتھیاروں کے لیے کارآمد (Weapon Grade) بنانے کے لیے تین زائد آئسوٹوپس کی علیحدگی اور یورینیم 235 کا حصول۔5۔یورینیم 235 کی افزودگی (Enrichment) تاکہ یہ انشقاق (Fission) کے لیے تیار ہو جائے۔6۔انشقاق کے عمل سے ایٹمی دھماکہ کرنے کا عمل جو کہ ایٹمی صلاحیت کا حتمی ثبوت ہے۔7۔(Miniaturization) یعنی عمل تصغیر یا بم کا سائز چھوٹا کرنا۔8۔ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری۔9۔قابل اعتماد ڈلیوری سسٹم یعنی ایٹمی ہتھیار کو ہدف تک پہنچانے کا نظام بشمول میزائل، راکٹ، ہوائی جہاز، لانگ رینج توپ خانہ اور گائیڈنس سسٹم وغیرہ کا ارتقاء۔

یہ تمام مراحل جو کہ انتہائی مشکل اور صبر آزما ہیں دراصل مزید مشکل مراحل کی ابتدائی منزل کا مقام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے گویا کہ کسی سر بفلک عمارت کی چوٹی پر پہنچنے کیلئے پہلے زینے پر قدم رکھ دیا گیا ہو۔ تاہم اس پہلے قدم کی یہ اہمیت ہے کہ اس کے بغیر منزل پر پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جب انشقاق کے قابل (Fissionable) یورینیم تیار ہو جائے تو اگلا مرحلہ اس کی مناسب مقدار میں دستیابی ہے۔ یورینیم کی کم سے کم مقدار جو ایٹمی دھماکے کیلئے درکار ہوتی ہے وہ 7 کلوگرام ہے جب کہ بین الاقوامی پابندیوں کی وجہ سے یہ بقدر اشک بلبل ہی ذخیرہ کی جاسکتی ہے اور یہ عمل کئی سالوں پر محیط ہے۔ جب مطلوبہ مقدار میں افزودہ یورینیم دستیاب ہو جائے تو اگلا اہم مرحلہ ایٹمی دھماکے کا ہے۔ اس کا ایک طریقہ کنٹرولڈ انشقاق (Controlled Fission) کا ہے جس میں مرکزے (Nucleus) پر مسلسل نیوٹرون سے گولا باری کی جاتی ہے حتیٰ کہ مرکزہ انگیخت ہو کر پھٹ جاتا ہے۔ اس طریقے پر عمل کرنا خاصا دشوار کام ہے اور یہ طریقہ ایٹمی بجلی گھروں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یورینیم کو اس حد تک دباؤ میں لانے کا ہے کہ (Compression) سے مرکزہ پھٹ جائے یہ ایک غیر محفوظ اور بے قابو (Uncontrolled) طریقہ ہے کیونکہ یہ ایک مسلسل اور لگاتار ردعمل (Chain Reaction) کا موجب بن جاتا ہے۔ جس سے تباہی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً تمام قابل انشقاق دھاتیں (FISSILE Materials) تابکاری شروع کر دیتی ہیں۔ اس طریقے میں بارودی دھماکے سے کام لیا جاتا ہے اور ہر طرف سے پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے یورینیم کمپریس ہو کر (Critical Mass) کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد دھماکے سے پھٹ کر غیر محدود انرجی، حرارت، خیرہ کن روشنی اور تابکاری کا باعث بنتا ہے۔ اس طریقے سے تیار کئے بم کو (Dirty Bomb) کہا جاتا ہے تاہم ایٹمی صلاحیت کا ناقابل تردید ثبوت اس طرح کا ایٹمی دھماکہ ہی مہیا کرتا ہے اور اسی مرحلے میں سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دستیاب معلومات کے مطابق بھارت نے پہلا دھماکہ 1974ء میں پوکھران کے مقام پر کیا جو کہ پاکستان کی سرحد سے صرف 73 میل دور ہے۔ شدید عالمی ردعمل کے پیش نظر چوبیس سال کے طویل وقفے کے بعد جس میں بھارت نے اپنا خفیہ پروگرام جاری رکھا حال ہی میں بی جے پی کی حکومت نے 11 مئی کے دن تین اور صرف دو دن بعد یعنی تیرہ مئی کو مزید دو دھماکے کر ڈالے اور یوں پورے جنوبی ایشیاء کے امن کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس سلسلے میں ایک مزید بات جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستان کیلئے باعث تشویش ہے وہ بھارتی دھماکوں کی نوعیت ہے۔1974ء میں بھارت نے انشقاق کا طریقہ آزمایا تھا جب کہ اس مرتبہ بیک وقت تین مختلف ٹیسٹ کئے گئے ہیں۔ پہلا طریقہ تو روایتی انشقاق (Fission) کا تھا جب کہ دوسرا اور تیسرا دھماکہ علی الترتیب نیوٹرون (Low Yield) اور تھرمو نیوکلیئر (Thermo Nuclear) کے طریقے سے کیا گیا تھا۔ جو ہائیدروجن بم کہلاتا ہے۔ نیوٹرون بم انفراسٹرکچر یعنی تعمیرات اور بنیادی ڈھانچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے لیکن انسانی وحیوانی حیات کا مکمل طور پر خاتمہ کردیتے ہیں۔ نیز ان کے مابعد تابکاری اثرات بھی نہیں ہوتے۔ اس بم میں بھارت جیسے جارح کیلئے خاص کشش ہے کہ کسی علاقے کی تمام آبادی نیست ونابود کر کے اس علاقے پر بشمول تمام مادی ذرائع آسانی سے قبضہ کرسکے گا۔ اس کا پہلا ہدف آزاد کشمیر ہوسکتا ہے اور بعدازاں وہ ہمیشہ کیلئے پاکستان کو بلیک میل کرتا رہے گا۔ ہائیڈروجن بم ''غلیظ بم'' سے کئی ہزار گنا زیادہ تباہ کن اثرات رکھتا ہے۔ بھارت جیسے توسیع پسند ملک کیلئے نیوٹران اور ہائیڈروجن بم کی دستیابی ایک حسین خواب کی تعبیر ہے جس کے نتائج بھگتنے کیلئے اس کے سرپرستوں کو بھی تیار رہنا چاہئے۔

اس کے برعکس پاکستان نے ایٹمی صلاحیت سے لیس ہونے کے باوجود اب تک روایتی ایٹمی دھماکہ کرنے سے اجتناب برتا ہے۔ اگرچہ بعض حلقوں کے خیال میں پاکستان اپنے قابل اعتماد دوست ملک چین کے تعاون سے چین کی حدود میں دھماکہ کرچکا ہے لیکن اس کے ثبوت میں کوئی قابل اعتماد شہادت نہیں ملتی۔ آج کل جدید ٹیکنالوجی نے یہ ممکن کردیا ہے کہ دھماکہ کئے بغیر بھی کمپیوٹر کی مدد سے یہ معلوم کرلیا جائے کہ اگر دھماکہ کیا جائے تو وہ کامیاب ہوگا یا نہیں لیکن اس صلاحیت والے سپر کمپیوٹر پاکستان کو فراہم کرنے پر پابندی عائد ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ پاکستان نے کسی دوست ملک کی مدد سے مطلوبہ ٹیسٹ کے نتائج معلوم کرلئے ہوں لیکن ایسے نتائج کو غلطی سے مبرا اور فول پروف نہیں سمجھا جاسکتا۔ ایٹمی صلاحیت کا حتمی ثبوت بہرحال ایٹمی دھماکہ ہی ہوتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

سوویت یونین کی افغانستان میں پیش قدمی کے موقع پر جب کہ امریکہ اور یورپی ممالک شدید دباؤ کا شکار تھے پاکستان نے دو ہمالیائی غلطیاں کیں۔ یعنی ایک تو اپنے گزشتہ قرضے معاف نہ کروائے اور دوسرے ایٹمی دھماکہ نہ کیا لہذا تادم تحریر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے متعلق شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پاکستان آج کھڑا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایٹمی دھماکے کے بعد اگلا مرحلہ ''غلیظ بم'' کو صحیح شکل وصورت دینا ہے تا کہ نہ تو اس کا حجم بہت بڑا ہو اور نہ ہی اس کی نقل وحمل میں مشکل پیش آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ Aerodynamically اسے دشمن کے علاقے میں گرایا جانا ممکن ہو۔ مغربی ماہرین کی رائے میں جب کوئی ملک ترسیل کے ذرائع (Means of Delivery) میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو باور کر لینا چاہئے کہ وہ ایٹمی اسلحہ سے لیس ہے۔ راقم الحروف نے 1988ء میں اپنے تحقیقی مقالے میں سفارش کی تھی کہ پاکستان کو افغانستان سے روسی افواج کی واپسی سے قبل ایٹمی دھماکہ کر دینا چاہئے کیونکہ اپنا مطلب نکل جانے کے بعد امریکہ ہی ہمارے ایٹمی پروگرام کے خلاف سب سے زیادہ مزاحمت کرے گا۔ حالات نے اس تجزیئے کو حرف بحرف درست ثابت کر دیا۔ امریکہ نے نہ صرف ایف سولہ طیاروں کی ترسیل روک دی جو کہ لمبی اڑان کی وجہ سے ایٹمی ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتے تھے بلکہ پاکستان کی بے ضرر سی امداد بھی روک دی اور پرزہ جات کی عدم دستیابی کی وجہ سے پاکستان بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ گزشتہ چھ برس میں پاکستانی سائنس دانوں نے ترسیل کے متبادل ذرائع پر توجہ دی اور میزائل سازی میں پیش رفت کی۔ اس سلسلے میں چین اور کوریا کے تعاون کا ذکر بھی کیا جاتا ہے بلکہ ہندوستانی میڈیا کے بقول چینی ساختہ ایم 11 میزائل کو ہی رنگ و روغن کر کے غوری کے نام سے فائر کیا گیا ہے۔ اس لایعنی بحث میں الجھنے کی بجائے ہمارے لئے یہی کافی ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس ایسے میزائل موجود ہیں جو ایٹمی ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہم ایک سے زائد مرتبہ حملے (Second Strike Capability) کی اہلیت بھی رکھتے ہیں جس کی ایٹمی صلاحیت کے ضمن میں بے پناہ اہمیت ہے۔ گزشتہ ماہ جب تمام قوم غوری کے بخار میں مبتلا تھی اور اخبارات میں مضامین کا تانتا بندھا ہوا تھا، بہت سے احباب نے میرے قلم سے دستکش رہنے پر حیرانی کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے وجدان کے مطابق ابھی تصویر مکمل نہیں ہوئی تھی اور بھارتی رد عمل کا قوی امکان تھا۔

نیز امریکہ اور دیگر بڑی طاقتوں کا نرم رد عمل بھی خاصا غیر فطری دکھائی دیتا تھا۔ غوری کی فائرنگ پر خوش ہونے کے باوجود ذہن کچھ خدشات کا شکار تھا کہ ابھی کچھ نہ کچھ ہونا باقی ہے۔ ان خدشات نے بالآخر 11 اور 13 مئی کو حقیقت کا روپ دھار لیا۔ ہمارے تجزیئے کے مطابق پاکستان نے غوری کی ٹیسٹ فائرنگ امریکہ کی اجازت سے نہیں بلکہ امریکہ کی فرمائش پر کی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس تجزیئے کی صحت کو جانچنے کیلئے زمینی حقائق اور امکانات کا جائزہ ضروری ہے۔ یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ امریکہ کو قبل از وقت ہندوستان کی ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کا علم نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں اسے روکنے کی کوشش میں ناکامی ہوئی تو پاکستان کو استعمال کیا گیا۔ پاکستان کی میزائل سازی کی صلاحیت کا امتحان بھی مقصود تھا لہذا پاکستان کو غوری فائر کرنے کا گرین سگنل دیدیا گیا تاکہ بھارت کو باور کرایا جاسکے کہ پاکستان بھی از خود ایٹمی اسلحہ ہدف تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے بلکہ میزائل سازی ہی اس بات کا مظہر ہے کہ پاکستان کے پاس بھی ایٹمی اسلحہ موجود ہے۔ اس دھمکی کے زیر اثر بھارت کو دھماکے سے روکنا مقصود ہوسکتا تھا۔ غوری کی ٹیسٹ فائرنگ پر امریکہ و دیگر ممالک کا نرم ردعمل بھی اس نظریئے کی تائید کرتا ہے۔ ذرا غوری کی فائرنگ سے تھوڑا عرصہ قبل آرمی چیف کی امریکہ یاترا اور وہاں ان کی غیر معمولی آؤ بھگت کو ذہن میں رکھئے تو تمام صورتحال واضح ہوجائیگی۔ تاہم بھارت اس دھمکی میں نہیں آیا بلکہ اس نے یکے بعد دیگرے ایک دو چھوڑ پانچ دھماکے کر ڈالے۔ اگر امریکیوں کے (Grand Strategic Design) کو پیش نظر رکھا جائے تو عین ممکن ہے کہ پاکستان سے ایک ولن کا کردار ادا کرایا گیا ہوتا کہ غوری کی فائرنگ سے بھارت کو ایٹمی دھماکوں کا جواز فراہم کیا جاسکے کیونکہ بالآخر امریکہ کو بھارت کا مفاد ہی زیادہ عزیز ہے جو کہ ان کی نظر میں چین کا مدمقابل ثابت ہوسکتا ہے۔ ہماری رائے میں موخرالذکر نظریئے کا زیادہ قوی امکان ہے۔ امریکی صدر کی آمد سے پیشتر بھارت کو ایٹمی کلب کا مصدقہ رکن بنانا مقصود تھا تو وہ تو ہو چکا۔ رہی بات اقتصادی پابندیوں کی تو دنیا کو دکھانے کی خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ دو چار برس میں اس کو ایک ''تلخ حقیقت'' سمجھ کر سمجھوتہ کرلیا جائیگا اور پابندیاں بھی ہٹ جائیں گی۔ خطے کی چودھراہٹ بھی عنایت ہوگی اور سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت بھی مل جائے گی۔ یوں رسوائے زمانہ منروڈاکٹرین کو لفظاً و معناً عملی جامہ پہنایا جائیگا۔

اب ہم پاکستان کی طرف امریکی رویئے کا جائزہ لیتے ہیں۔ 13 مئی کو امریکی صدر نے وزیراعظم میاں نواز شریف کو ٹیلی فون کیا اور ضبط سے کام لینے کی درخواست کی، فوراً بعد ہی بھارت کے خلاف اقتصادی پابندیوں کا اعلان کردیا گیا۔ اگر تو میاں صاحب نے امریکی صدر کو وہی کچھ کہا جو ٹیلی ویژن کی سکرین پر دکھایا جارہا تھا تو انہوں نے قوم کے جذبات اور امنگوں کی ترجمانی کا حق ادا کردیا لیکن اگر انہوں نے خدانخواستہ امریکہ کو کچھ یقین دہانیاں کرادی ہیں تو سمجھ لیجئے کہ ایک بار پھر ملکی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بات کا قوی امکان ہے کہ امریکہ اب نہ صرف ایف سولہ طیارے دینے پر تیار ہو جائیگا بلکہ گرانقدر امداد کا وعدہ بھی کیا جائیگا۔ بشرطیکہ پاکستان جوابی دھماکہ نہ کرے۔ پاکستانی عوام صرف ایک سادہ سا سوال پوچھنا چاہیں گے کہ اگر ہمارا اقتدار اعلیٰ، ملکی سلامتی اور آزادی ہی داؤ پر لگی ہو تو ہم غیروں کے دیئے ہوئے ٹکڑوں پر کتنا عرصہ اور جی لیں گے؟ اب فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے اگر ہم ایٹمی صلاحیت رکھتے ہیں تو دھماکہ کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرالیں اور برابری کی سطح سے گفت وشنید کریں اور اگر شکوک وشبہات کی دھند میں لپٹی ہوئی ہماری ایٹمی صلاحیت خدانخواستہ صرف بلف (Bluff) تھی تو بلف کو چیلنج کیا جا چکا ہے۔ ہمارے پاس ردعمل کیلئے زیادہ مہلت نہیں ہے بلکہ اب یا کبھی نہیں، والی صورتحال بن چکی ہے۔ جو کچھ کرنا ہے جلد کر گزریں کہیں وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسل نہ جائے۔

جنگ 20 مئی 1998ء

پاکستان 18 مئی 1998ء

دن 17 مئی 1998ء

☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایٹمی دھماکے..... ہماری منزل یا نشان منزل؟

آج پاکستان کو ایٹمی دھماکے کئے تقریباً آٹھ ہفتے ہونے کو ہیں اور دھماکوں کے پس منظر میں اٹھنے والا معاشی اور سیاسی گرد و غبار ایک مہیب شکل اختیار کر چکا ہے۔ عالمی طاقتوں کو پاکستانی قوم کا ایٹمی قوت بن جانا ایک آنکھ نہیں بھایا۔ تمام بے اصولیوں کو روا رکھتے ہوئے پاکستان پر ہر طرف سے دباؤ بڑھایا جا رہا ہے کہ نہ صرف وہ مزید تجربات سے باز رہنے کے معاہدے پر دستخط کر دے بلکہ پہلے سے موجود جوہری ہتھیار بھی ضائع کر دے۔

یورینیم کے حصول سے لیکر اس کی افزودگی اور دھماکہ کرنے تک اکیس صبر آزما مراحل حائل ہوتے ہیں جب کہ دھماکہ کرنے کی صلاحیت کا حصول جوہری ہتھیار سازی کی جانب پہلا قدم ہے۔ ابھی تک ہم نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ ہم یورینیم کو افزودہ بھی کر سکتے ہیں اور حسب خواہش اس سے دھماکہ بھی کر سکتے ہیں۔ عالمی طاقتوں کا اندازہ ہے کہ جوہری ہتھیار سازی کیلئے ابھی ہمیں مزید تجربات اور مہارت کی ضرورت ہے لہذا اسی مرحلے پر مزید پیش رفت کا گلا گھونٹ دینا مناسب ہوگا۔ اس لئے ہمیں درج ذیل مراحل طے کرنے سے روکا جا رہا ہے جنہیں مزید تجربات اور مسلسل تحقیق کے بغیر طے کرنا ممکن ہی نہیں۔

(1) ہتھیار سازی کی صلاحیت:۔

ایٹمی دھماکے صرف اس امر کے مظہر ہیں کہ پاکستان افزودہ یورینیم کو ہتھیار سازی کیلئے بھی استعمال کر سکتا ہے لیکن شکوک و شبہات سے بالا اور قابل اعتماد ہتھیار سازی کیلئے مسلسل تحقیق اور تجربات کی ضرورت ہے۔ صرف دھماکہ خیز مواد کی تیاری اور دستیابی اس بات کی ضامن نہیں بن سکتی کہ اس سے رائفل کی گولی یا توپ کا گولہ بھی مزید تجربات کے بغیر خود بخود بن جائے گا۔ دھماکہ کرنے کی صلاحیت کو ہتھیار سازی میں استعمال کرنا بذات خود ایک طویل اور مشکل سفر ہے۔

(2) سو فیصد نتائج کی ضمانت:۔

جوہری ہتھیار اول تو استعمال ہی نہیں ہوتے صرف ان کی دہشت استعمال ہوتی ہے۔ تاہم اگر انہیں استعمال کرنے کی نوبت آ جائے تو ناکامی کا ایک فیصد امکان بھی مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ دشمن شاید آپ کو دوسرا ہتھیار استعمال کرنے کی مہلت نہ دے۔ لہٰذا اس امر کو یقینی بنانا اشد ضروری ہے کہ جوہری ہتھیار سو فیصد کامیابی کے ضامن ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ ضمانت مسلسل تحقیق اور تجربات کے بغیر فراہم نہیں ہو سکتی۔

(3) متعدد بار حملہ آور ہونے کی صلاحیت:۔

جوہری ہتھیاروں کے ضمن میں ایک سے زائد بار حملہ آور ہونے کی صلاحیت (SECOND STRIKE CAPABILITY) کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس کے لئے مختلف مقامات پر لانچنگ پیڈز کی موجودگی، موسمی حالات کے مطابق متبادل سمت سے حملہ آور ہونے کی سہولت اور کافی تعداد میں محفوظ مقامات پر ذخیرہ کئے گئے جوہری ہتھیاروں کی دستیابی ضروری ہے۔ یہ امر بھی افزودہ یورینیم کی غیر منقطع فراہمی اور مزید تحقیق و تجربے سے منسلک ہے۔

(4) اوجھل رہنے کی صلاحیت:۔

جدید ٹیکنالوجی نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ جوہری ہتھیار بردار میزائل کو دوران پرواز ہی تلاش کر کے تباہ کر دیا جائے۔ امریکہ اپنے PATRIOT میزائلوں سے یہی کام لیتا ہے۔ دوسری طرف ایسی ٹیکنالوجی بھی موجود ہے کہ میزائل دشمن کے راڈار کی آنکھ سے اوجھل رہتے ہوئے ہدف تک پہنچ جاتا ہے۔ بھارت نے حال ہی میں روس سے پیٹریاٹ میزائلوں کی متبادل بیٹریاں حاصل کی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں STEALTH TECHNOLOGY پر عبور حاصل کرنا ہوگا تاکہ دشمن ہمارے میزائلوں کے خلاف حفاظتی حصار بنانے میں کامیاب نہ ہو پائے۔

(5) یورینیم کی مطلوبہ مقدار:۔

آج سے پچیس سال قبل تک یہ باور کیا جاتا تھا کہ دھماکہ کرنے کیلئے افزودہ یورینیم کی کم از کم مقدار سات کلوگرام ہونی چاہئے۔ تاہم جدید تحقیق سے یہ مقدار دو کلوگرام تک آ چکی ہے۔ اگر ہم نے مزید تحقیق ترک کر دی تو ہم دستیاب یورینیم سے صرف گنتی کے چند ہتھیار ہی بنا پائیں گے جب کہ وقت گزرنے کے بعد از کار رفتہ اور فرسودہ ہتھیاروں کو ضائع کرنے اور نئے کارآمد ہتھیاروں کو ان کی جگہ لانے کیلئے بھی مزید یورینیم درکار ہوگا جو کہ بغیر تحقیق کے ممکن نہیں۔

(6) ہتھیاروں کا حجم۔

امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر جوہری ہتھیار ہوائی جہاز کے ذریعے گرائے تھے جب کہ جدید راڈار اور برقیاتی جاسوسی نظام کی موجودگی میں اب یہ ایک مشکل امر بن چکا ہے۔ میزائل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذریعے ہتھیاروں کی ترسیل ممکن ہے بشرطیکہ جوہری وار ہیڈ کا حجم اتنا کم ہو کہ میزائل اسے مطلوبہ فاصلے تک لے جا سکے۔ ہتھیار کا حجم کم کرنے کے لئے مسلسل تحقیق اور مزید تجربات کی ضرورت ہے۔

(7) ٹیکٹیکل ہتھیاروں کی تیاری:۔

بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحدیں ہیں لہذا زیادہ طاقت کے بم کا استعمال خود بم استعمال کرنے والے ملک کیلئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ ہوا جوہری ہتھیار کے مابعد اثرات کو نزدیکی ممالک تک پھیلا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے دریا جن کا ماخذ بھارت میں ہے ان کے ذریعے بھی آلودہ پانی ہمیں متاثر کر سکتا ہے لہذا ہمارے لئے کم طاقت والے TACTICAL ہتھیار زیادہ سودمند ثابت ہوں گے جن کا دائرہ اثر محدود ہو اور وہ صرف بھارتی فوج کو تباہ کرنے کے کام آئیں نیز بھارتی مسلمان بھی بلاوجہ ہمارے جوہری ہتھیار سے متاثر نہ ہوں۔ اس کے علاوہ ہمسایہ ممالک کو بھی ایٹمی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے چھوٹے ہتھیار کا استعمال ضروری ہے۔ جوہری ہتھیاروں کی تصغیر MINIATURISATION کا حصول بھی پیچیدہ فنی مہارت، مسلسل تحقیق اور مزید تجربات کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔

(8) قابل انشقاق مواد کی تیاری:۔

سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی کے ساتھ ساتھ عالمی طاقتیں ایف ایم سی ٹی پر بھی دستخط کرانے پر مصر ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ مزید دھماکہ خیز مواد کی تیاری بند کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان معاہدوں پر عمل کرنے سے پاکستان کی سلامتی کو درپیش خطرات کا تدارک ممکن نہیں رہے گا۔

مندرجہ بالا تکنیکی پیچیدگیوں کو جاننے کے بعد اب ایٹمی دھماکوں سے ہونے والے فوائد اور نقصانات کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ دھماکے کے مخالفین بھی اب دل سے قائل ہو چکے ہیں کہ ہمیں مندرجہ ذیل بیش بہا فوائد حاصل ہوئے:۔

(الف) عالمی سطح پر پاکستان کا وقار بلند ہوا (ب) قوم کو ہندوستانی جارحیت کے خلاف تحفظ کا احساس ہوا اور خود اعتمادی میں اضافہ ہوا (ج) برصغیر میں طاقت کا توازن بحال ہو گیا اور بھارتی قیادت کے لب و لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی (د) کشمیر کا مسئلہ از سر نو زندہ ہوا اور عالمی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بن گیا (ہ) جنوبی ایشیا میں فوری جنگ کا خطرہ ٹل گیا اور بات چیت پر آمادگی ظاہر کی گئی۔ (و) بھارت کے جارحانہ بیانات کی بنا پر بھارت اور چین کے تعلقات میں کشیدگی بڑھی (ز) اسلامی دنیا میں پاکستان کی اہمیت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقار میں اضافہ ہوا جس کے ثمرات آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔

ان مفادات کے مقابلے میں پاکستان کا واحد مسئلہ معاشی پابندیاں ہیں جو وقتی طور پر وقت کا باعث بن رہی ہیں لیکن اگر ہم یہ اعصابی جنگ ہار نہ گئے تو انشاء اللہ ہم اس بحران سے کندن بن کر نکلیں گے۔ بھارت نے اپنے قومی مقاصد کی وضاحت کر دی ہے کہ وہ ویٹو پاور کے حصول، سلامتی کونسل کی مستقل ممبر شپ اور ایٹمی طاقت تسلیم کئے جائے بغیر ان معاہدوں پر دستخط نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر بھارت کو ویٹو پاور مل جاتی ہے تو کشمیر کا مسئلہ ہمیشہ کیلئے ویٹو ہو جائے گا لہٰذا ہمارا کم سے کم مطالبہ مسئلہ کشمیر کے حل ایٹمی کلب کی ممبر شپ اور گزشتہ قرضوں کی معافی سے منسلک ہونا چاہئے بشرطیکہ بھارت بھی سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے۔ جہاں تک ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنے ایٹمی مواد کی تیاری بند کرنے یا دستیاب ہتھیاروں کو ضائع کرنے کا تعلق ہے ان پر ہرگز سودے بازی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ ہماری سلامتی کا مسئلہ ہے۔ قومی سلامتی کے ضمن میں امریکی سفیر کے دو بیانات پیش نظر رکھیں۔ 3 جون کو انگلش سپیکنگ یونین سے خطاب کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ ''سیاست میں کسی سے مکمل سکیورٹی کی توقع رکھنا محض خوابوں کی دنیا میں رہنے والی بات ہے۔ بیرونی دنیا پاکستان کی سکیورٹی کی ضمانت نہیں دے سکتی''۔ چند روز پیشتر روزنامہ ڈان کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے مزید وضاحت کی کہ ''اکیسویں صدی میں فوجی کی نسبت اقتصادی سکیورٹی کی زیادہ اہمیت ہے۔ سلامتی کے متعلق سکیورٹی کی یقین دہانی کا دنیا میں کوئی تصور ہی نہیں''۔ گویا امریکہ چار ارب ڈالر کے قرضہ جات سے ہمارے ہاتھ باندھ کر ہمیں بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑنا چاہتا تھا۔ اندریں حالات پاکستان کا اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ بالکل درست تھا جس پر ہمیں ہرگز کوئی ندامت نہیں ہونی چاہئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اندرونی اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دیا جائے۔ نادہندگان سے قرضے وصول کئے جائیں۔ بیرونی ممالک سے سرمایہ واپس لایا جائے اور زیادہ مثبت اور جارحانہ خارجہ پالیسی پر عمل کیا جائے تاکہ میدان جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہم مذاکرات کی میز پر شکست نہ کھا جائیں۔ ایٹمی دھماکے کرنے کا فیصلہ پہلا فیصلہ تھا جو گزشتہ پچاس برسوں میں بیرونی دباؤ سے آزاد رہتے ہوئے قوم نے خود کیا۔ یہ دھماکے ذہنی غلامی سے نجات کی نشاندہی کرتے ہیں جو ظاہر ہے ہمارے سابقہ آقاؤں کی ناراضگی کا باعث ہے۔ عالمی طاقتیں از سر نو اقتصادی دباؤ ڈال کر ہمیں پابہ زنجیر کرنا چاہتی ہیں جب کہ آزادی کے اس سفر میں ہمارا ہر قدم اب آگے ہی بڑھنا چاہئے۔ جب بھی ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاہدوں پر دستخط کرنے کی بات ہو تو ملکی مفادات پر ہرگز سودے بازی نہ کی جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ ایٹمی دھماکے نشان منزل ہیں ہماری منزل نہیں۔ کامیابی کیلئے ہمیں ابھی ایک طویل سفر طے کرنا ہے۔

نوائے وقت۔ 25 جولائی 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سی ٹی بی ٹی..... چند تیکھے سوالات اور منطقی نتائج

امریکی صدر بل کلنٹن کے مجوزہ دورہ جنوبی ایشیا کی خبر کے ساتھ ہی سی ٹی بی ٹی کے حوالے سے ماحول کی حدت میں یکا یک اضافہ ہوگیا ہے۔امریکی اہلکار پاکستانی حکام کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ اگر سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کی یقین دہانی کرا دی جائے تو امریکی صدر عدم جمہوریت کے باوجود پاکستان کا دورہ کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔فوجی حکومت کیلئے یہ ایک پرکشش ترغیب ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ بظاہر حکومت پر جمہوریت بحال کرنے کے لئے دباؤ بھی کم ہو جائے گا اور قرضوں کے سلسلے میں مزید رعایت بھی مل جائے گی۔عین ممکن ہے کہ کچھ دفاعی ساز و سامان بھی دے دیا جائے۔اس طرح مستحکم معیشت، آلات حرب اور قومی سلامتی کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے ہم ایک بار پھر نقطہ آغاز پر پہنچ جائیں گے۔تاہم اس مرتبہ ملکی سلامتی کو معیشت کے استحکام سے منسلک کر کے امریکی موقف تسلیم کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ایک عام پاکستانی کا موقف یہ ہے کہ خدانخواستہ ملک کی سلامتی خطرے سے دوچار رہی تو خوشحالی کا کیا فائدہ جب کہ ایک محدود طبقے کی سوچ یہ ہے کہ مستحکم معیشت کے بغیر ملک کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا تو پھر ایٹم بم کس کام آئیں گے؟اس سلسلے میں روس کی مثال دی جاتی ہے جو زبوں حال معیشت کی وجہ سے ایٹمی قوت ہوتے ہوئے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ظاہر ہے کہ یہ دلیل کچھ اتنی بے بنیاد بھی نہیں اور ملکی معیشت کی ابتری کو دیکھتے ہوئے خاصی متاثر کن ہوسکتی ہے۔ اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پیشتر قائداعظم کی برہانِ قاطع کا سہارا لینا مناسب ہوگا۔ ورڈکٹ آن انڈیا کے مصنف بیورلے نکلس نے قائداعظم سے ایک انٹرویو کے دوران سوال کیا کہ مسٹر جناح کیا آپ کے خیال میں مسلمان متحدہ ہندوستان میں زیادہ خوش حال نہ ہوں گے جس کا رقبہ، وسائل اور آبادی آپ کی مجوزہ مسلم ریاست سے کئی گنا زیادہ ہیں؟ قائداعظم نے جواب دیا کہ مسٹر نکلس اگر میں آپ کو کہوں کہ برطانوی باشندے جرمن شہری ہوتے ہوئے زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوشحال ہو سکتے ہیں تو آپ کا رد عمل کیا ہوگا؟ کیا آپ انگلستان کو جرمنی میں ضم کرنا بہتر سمجھیں گے یا اپنی قومی آزادی کو بحال رکھنا ضروری خیال کریں گے؟ انگریز صحافی نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا جناب میں بات سمجھ گیا اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ اب صورتحال کچھ یوں ہے کہ وسائل کی کم یابی کی بناء پر ہمیں ہر بار مضبوط دفاع اور خوشحالی میں سے چناؤ کرنا پڑتا ہے۔ گزشتہ باون برس میں قوم نے مضبوط دفاع پر بھروسہ کیا لیکن اندرونی اتحاد اور ڈپلومیسی کے میدان میں ہم مار کھا گئے اور 71ء میں ملکی سلامتی کو یقینی نہ بنا سکے۔ دفاع اور سلامتی میں یہ نازک فرق بہت سنگین ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح مضبوط دفاع ملکی سلامتی کا صرف ایک جزو ہے اسی طرح مضبوط معیشت بھی ملکی سلامتی میں کارفرما دیگر عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔

جب تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو خزانہ زر و جواہر سے بھرا ہوا اور معیشت انتہائی مستحکم تھی لیکن ملک کے دفاع کے لئے ضروری اقدامات نہیں کئے گئے تھے اور قوم لڑنے مرنے کے لئے تیار نہ تھی۔

کسی ملک کی معیشت چاہے کتنی ہی مضبوط اور آلات حرب کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں اگر اس کے باشندے ملکی دفاع کی خاطر لڑنے مرنے پر تیار نہ ہوں تو اس کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ آج امریکی قوم اسی نفسیاتی کیفیت سے دوچار ہے اور یہی کیفیت کسی قوم کا نقطہ زوال ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ وسائل کے بل بوتے پر جنگیں لڑی ہیں جب کہ مسلم اقوام نے بیشتر جنگیں وسائل اور اعداد کی کمی کے باوجود جیتی ہیں۔ تاہم آج وسائل کی کمی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تحریص و ترغیب کا جال پھیلایا جا رہا ہے حالانکہ مضبوط معیشت بذات خود سلامتی کے تحفظ کی ضامن نہیں ہو سکتی۔ موجودہ صورتحال میں ہمیں یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرتے ہی پاکستان میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی۔ بصورت دیگر ہم نادہند قرار دے دیئے جائیں گے اور اقوام عالم میں الگ تھلگ ہو کر رہ جائیں گے۔ ادھر عوام کی ملکی سلامتی کے حوالے سے جذباتی کیفیت یہ ہے کہ کوئی بھی جمہوری یا غیر جمہوری حکومت اس مسئلے پر اپنا دفاع نہیں کر پائے گی کیونکہ عام پاکستانی کو یقین ہے کہ پاکستان کو ایٹمی چھتری سے محروم کرنا دراصل بھارت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی سازش ہے کیونکہ روایتی ہتھیاروں میں ہم بھارتی وسائل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا تحریر سے پہلا نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمیں دفاع اور معیشت کو بیک وقت مضبوط بنانا ہے یا کم از کم ان میں ایک توازن اور اعتدال برقرار رکھنا ہے تا کہ ملکی سلامتی کو زک نہ پہنچے۔ سنگین نوعیت کے فیصلے کرتے وقت ملکی سلامتی کو بہر حال مقدم رکھا جانا چاہیئے۔ جب ہم سلامتی کے عنصر کا ممکنہ خطرات سے موازنہ کرتے ہیں تو بجا طور پر ہندو قیادت کی اکھنڈ بھارت اور علاقائی بالادستی کی کھلی خواہش سب سے بڑا خطرہ دکھائی دیتی ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک کو چونکہ بھارت جیسا ہمسایہ نہیں ملا لہذا وہ ہمارے مخصوص نفسیاتی مسائل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور متحدہ جرمنی جیسی بودی مثالیں دینے سے بھی نہیں چوکتے۔

اب ظاہر ہے کہ اگر ملک کی سلامتی ہی داؤ پر لگی ہو اور اکھنڈ بھارت کے داعی ہر مرحلے پر ہمیں زک پہنچانے پر تلے ہوئے ہوں تو نیوکلیئر پروگرام پر کوئی بھی مفاہمت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک سلامتی کی ضمانت کا تعلق ہے تو گزشتہ برس امریکی سفیر واشگاف الفاظ میں فرما چکے ہیں کہ دنیا میں دفاعی سلامتی کے تحفظ کا کوئی تصور نہیں البتہ آج کے دور میں معاشی تحفظ کی بات کی جا سکتی ہے۔ اس غیر یقینی صورتحال میں چونکہ ہمارے نیوکلیئر پروگرام نے بھارت کو مزید جارحیت سے باز رکھا ہے لہذا قوم اس سلسلے میں کسی سمجھوتے پر تیار نہیں۔ نواز شریف حکومت نے جب امریکہ کو رائے عامہ کی مجبوریوں سے مطلع کیا تو امریکہ کی جانب سے چار نکاتی گائیڈ لائن دی گئی۔ 1۔ یہ تاثر دور کیا جائے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے سے ایٹمی پروگرام میں پیش رفت رک جائے گی۔ 2۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع سے عامتہ الناس کو باور کرایا جائے کہ اگر ملکی سلامتی کو خطرات لاحق ہوئے تو پاکستان معاہدے سے علیحدہ ہو سکے گا۔ 3۔ عوام کو باور کرایا جائے کہ اگر بھارت نے پہلے دستخط کر دیئے تو پاکستان تنہائی کا شکار ہو جائے گا اور متوقع فوائد سے محروم رہے گا۔ لہذا ہمیں دستخط کرنے میں پہل کرنی چاہیئے۔ 4۔ سی ٹی بی ٹی کا مقصد ایٹمی پروگرام سے فوری دستبرداری نہیں لہذا اگلا مرحلہ شروع ہونے تک بلاوجہ دیگر فوائد سے محروم رہنے کی حماقت نہیں کرنی چاہیئے۔

اس پروگرام پر عمل شروع ہو چکا تھا اور اردو کا ایک معروف ماہنامہ رائے سازی میں نمایاں کردار ادا کر رہا تھا کہ نواز حکومت جاتی رہی۔ تاہم حیران کن امر یہ ہے کہ دی گئی امریکی گائیڈ لائن پر عمل بدستور جاری ہے اور غیر مرئی قوتیں اسی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہی ہیں۔

جولائی 1998ء میں جب کہ قوم ایٹمی دھماکوں کے نشے میں سرشار تھی راقم الحروف نے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موضوع پر ایک اہم مضمون بعنوان ''ایٹمی دھماکے ہماری منزل یا نشان منزل'' تحریر کیا تھا جو 25 جولائی کو نوائے وقت میں طبع ہوا۔ حال ہی میں اس موضوع پر نیوکلیئر انجینئر سلطان بشیر الدین محمود کے میاں نواز شریف کو بھیجے گئے مضمون اور سابقہ امریکی وزراء دفاع کی جانب سے سینٹ کو بھیجے گئے خط بھی اخبارات میں طبع ہو چکے ہیں۔ ان سب میں انہی بنیادی حقائق کا اعادہ کیا گیا ہے جنہیں جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کی ہمیں تلقین کی جارہی ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ ہمارا ایٹمی پروگرام ہماری آزادی، سلامتی، بقا اور وقار کا مظہر ہے۔

آیئے ہم کچھ دیر کے لئے تکنیکی، فنی اور سائنسی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے سادہ منطق کی کسوٹی پر نیوکلیر دھماکوں کی جامع تسدید کے معاہدے کا تجزیہ کریں:۔

سی ٹی بی ٹی کا اصل محرک کیا ہے؟

جرمیات کے ماہرین کسی بھی جرم کا سراغ لگانے کیلئے تین پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ 1۔ جرم کا محرک کیا تھا۔ 2۔ جرم کے ارتکاب سے فائدہ کس فریق کو حاصل ہوا؟ 3۔ جرم کے ارتکاب سے کسے نقصان پہنچانا مقصود تھا؟ اسی میزان پر سی ٹی بی ٹی کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ بظاہر کہا جاتا ہے کہ اس معاہدے کا مقصد ماحولیاتی آلودگی کو ختم کرنا اور بنی نوع انسان کو تباہی سے بچانا ہے لیکن حقیقت بالکل مختلف ہے ورنہ تمام مسلمہ ایٹمی ممالک اپنے ایٹمی ہتھیار ضائع کیوں نہیں کر دیتے؟

جرمنی میں نیوکلیئر ریسرچ تقریباً ساٹھ برس پیشتر شروع کی گئی اور جاپان پر پہلا ایٹم بم پچپن برس پہلے گرایا گیا۔ تب سے آج تک امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ بالترتیب 1045، 1000، 200 اور 45 دھماکے کر چکے ہیں۔ اب اچانک ان کے پیٹ میں ماحولیاتی آلودگی کا مروڑ اٹھا ہے تو اس لئے کہ وہ اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو کاملیت کی حد تک پہنچا چکے ہیں اور انہیں یہ گوارا نہیں کہ تیسری دنیا سے اور بالخصوص مسلم ممالک میں سے کوئی ملک کاملیت حاصل کر کے بڑی طاقتوں کے مفادات کیلئے خطرے کا باعث بن سکے۔ اسی لئے ایٹمی طاقت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے پہلے توسات کامیاب دھماکوں کی شرط عائد کی گئی اور بعد ازاں مزید قدغن لگا دی گئی کہ یہ دھماکے 1967ء سے پہلے کئے جا چکے ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے گویا کہ یہ کہا جائے کہ 1967ء کے بعد ایم بی بی ایس کرنے والوں کو ڈاکٹر تسلیم نہیں کیا جائے گا اور انہیں پریکٹس کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد تمام فوائد کو مغربی ممالک تک محدود رکھنا اور اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا ہے۔ اس سے قطع نظر یہ مشاہدہ بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ خود امریکی سینٹ نے معاہدے کی تصدیق سے انکار کر دیا اور اس کے لئے جو وجوہات پیش کیں پاکستان کے لئے ان کی اہمیت امریکہ کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ماحولیاتی آلودگی اور انسانیت کی فلاح کی آڑ میں جو معاہدہ تجویز کیا گیا ہے اس کا محرک محض دجل وفریب پر مبنی ہے اس کے فوائد صرف مسلمہ ایٹمی ممالک تک محدود رہیں گے اور نقصانات ہمارے حصے میں آئیں گے۔

سی ٹی بی ٹی کے آئندہ مراحل اور حتمی مقاصد کیا ہیں؟

امریکہ نے واشنگاف الفاظ میں کہا ہے کہ ان کا حتمی مقصد ایٹمی پروگرام کا رول بیک ہے جس کیلئے چار مراحل طے کئے گئے ہیں۔ 1۔ ایٹمی دھماکوں کی جامع تسدید۔ 2۔ قابل انشقاق افزودہ مواد کی تیاری کا خاتمہ۔ 3۔ ایٹمی پروگرام کا عدم پھیلاؤ یا تحدید۔ 4۔ رول بیک یا ایٹمی بساط کا لپیٹا جانا جو ایٹمی پروگرام کے مکمل خاتمے پر منتج ہوگا ماسوائے ان پانچ ممالک کے جو کہ پہلے سے ایٹمی کلب کے ارکان ہیں۔ اس سلسلے میں یہ کہہ کر مطمئن کیا جاتا ہے کہ باقی مراحل تو ابھی بہت دور ہیں پہلے آپ سی ٹی بی ٹی پر تو دستخط کریں۔ پنجابی میں ایک کہاوت ہے کہ تم مجھے انگلی پکڑاؤ کلائی میں خود پکڑ لوں گا۔ یہ پہلا مرحلہ اپنے بدخواہوں کو انگلی پکڑانے کے مترادف ہے جس کے بعد وہ کلائی ہی نہیں پکڑیں گے بلکہ گلا بھی دبوچ لیں گے۔

کیا کمپیوٹر ٹیسٹ دھماکے کا مکمل متبادل ہے؟

ایٹم بم بنانے کی بنیادی تکنیک تو اب انٹرمیڈیٹ کی کتابوں میں بھی مل جاتی ہے اصل اہمیت درست ڈیزائن اور استعمال کردہ دھاتوں کی ہے۔ لہذا کمپیوٹر کے تجربات کبھی بھی عملی دھماکے کا متبادل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بہت سے عوامل کو کمپیوٹر کی کارکردگی کے مطابق اعداد وشمار میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ اس کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ کمپیوٹر کے مطابق جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو فتح اور جنگ عظیم دوم میں اتحادی فوجوں کو شکست فاش ہونا چاہئے تھی۔ تاہم جو ہوا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ مزید برآں امریکہ نے گزشتہ ربع صدی سے کمپیوٹر دستیاب ہونے کے باوجود دھماکے کیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیے؟ ظاہر ہے کہ کمپیوٹر ٹیسٹ کبھی بھی غلطی سے مبرّا نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کتابیں پڑھ کر تیراکی کے اسرار و رموز سیکھے اور کمپیوٹر میں درست جوابات فیڈ کرے تو کمپیوٹر اسے کامیاب تیراک قرار دے گا لیکن تالاب میں وہ صرف ڈبکیاں ہی کھا سکے گا۔ کیونکہ اس نے عملاً تیراکی نہیں سیکھی ہوگی۔

ہمیں کس چیز سے روکنا مقصود ہے؟

اگر دھماکوں پر پابندی کے باوجود ایٹمی پروگرام میں پیش رفت ہو سکتی ہے تو پھر سی ٹی بی ٹی کی حیثیت ایک شوق فضول کے سوا کیا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ فی الحال ہم نے صرف ایٹمی مواد سے دھماکہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ایٹمی مواد سے مناسب حجم کے ہتھیار نہیں بنائے جنہیں بآسانی مطلوبہ مقام پر درستی سے گرایا جا سکے۔ اس مرحلے پر پابندی لگانے کا مقصد یہی ہے کہ ہم ایٹمی ہتھیار سازی میں مہارت حاصل نہ کر سکیں اور ان کے بل بوتے پر بڑی طاقتوں کے مفادات کیلئے خطرہ نہ بن سکیں۔

ہماری موجودہ ایٹمی صلاحیت کس درجے کی ہے؟

مصدقہ معلومات کی عدم موجودگی میں باور کیا جاتا ہے کہ مئی 98ء میں ہونے والے پاکستانی دھماکے Fission نوعیت کے تھے۔ یہ وہ تکنیک ہے جو جاپان پر گرائے جانے والے بموں میں استعمال کی گئی تھی۔ اس ٹیکنیک میں زیادہ فسائل میٹریل استعمال ہوتا ہے لیکن نسبتاً کم قوت حاصل ہوتی ہے۔ نیز یہ بم چین ری ایکشن کی وجہ سے ڈرٹی بم کہلاتے ہیں کیونکہ یہ ایک غیر محدود اور مسلسل نوعیت کی انگیخت کا سبب بنتے ہیں اور استعمال میں محفوظ نہیں۔ دستیاب معلومات کے مطابق ابھی تک ہم عمل تصغیر میں قابل ذکر مہارت حاصل نہیں کر سکے جس کے بغیر چھوٹے سائز کے وار ہیڈ اور ٹیکٹیکل ہتھیاروں کی تیاری ممکن نہیں۔ اگر دستخط کرنے کے باوجود باقی مراحل طے کرنا ممکن ہے تو پھر سی ٹی بی ٹی کا مقصد کیا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہنگامی طور پر معاہدے سے علاحدگی سود مند ہوگی؟

ہمیں یقین دہانیاں کرائی جاتی ہیں کہ اگر بھارت معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہوا پایا گیا یا ہماری سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا تو ہم چند ماہ کا نوٹس دیکر معاہدے سے علاحدگی اختیار کر سکیں گے۔ چہ خوب! گویا بھارت تو در پردہ تیاری بھی کرتا رہے بلکہ ہمیں تباہی کے دہانے تک پہنچا دے اور ہم اس وقت علیحدگی کی اجازت طلب کر رہے ہوں گے۔ اول تو ہمیں معاہدے سے علاحدہ ہونے ہی نہیں دیا جائے گا اگر اجازت مل بھی گئی تو اتنے تھوڑے وقت میں ہم کیا کر پائیں گے؟ اس صورتحال کی تشریح ایک پنجابی محاورے سے بہت اچھی طرح سے ہو سکتی ہے کہ بارات دہلیز تک آ پہنچی ہے لہٰذا جلدی سے دلہن کے کان چھدواؤ تا کہ زیور پہنایا جا سکے۔ 1998ء میں جب ہم نے سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہیں کئے تھے تو پھر بھی ہم پر دھماکے نہ کرنے کے لئے ناقابل برداشت دباؤ تھا جب کہ بھارت دھماکے کر چکا تھا۔ معاہدے کا اسیر ہونے کے بعد ہمیں اجازت ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ مختلف بہانوں سے ٹال مٹول جاری رہے گی اور پھر بھارت کی ہٹ دھرمی کا عذر کر کے بے بسی کا اظہار کر دیا جائے گا۔ علاحدگی کی اجازت ملنے تک وقت ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا اور ہم ویسے ہی کچھ نہیں کر پائیں گے۔ ایک اور ضروری پہلو یہ ہے کہ جونہی ہم علاحدگی کا نوٹس دیں گے ہمارے عزائم آشکار ہو جائیں گے اور سرپرائز کا عنصر جاتا رہے گا۔

ہمارا قومی مقصد کیا ہے؟

ہمارا قومی مقصد یہ ہے کہ تمام دستیاب وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک کی سلامتی، آزادی اور حاکمیت اعلیٰ کا دفاع کیا جائے۔ اس سلسلے میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔ اس ضمن میں ایٹمی صلاحیت بہت موثر ڈیٹرنٹ ثابت ہوئی ہے۔ جس کیلئے تیئس (23) برس تک قوم نے وسائل فراہم کئے اور قربانیاں دیں۔ اگر آج اس صلاحیت سے دستبرداری کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا تو ظاہر ہے کہ گزشتہ سالوں کی محنت اور ریاضت رائیگاں جائے گی۔ آئندہ کیلئے ہمارا ہدف یہ ہونا چاہئے کہ ہم مذکورہ میدان میں مزید مہارت حاصل کریں تا کہ دشمن کو ہم پر برتری نہ حاصل ہو سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حریف ملک کے جوہری عزائم کیا ہیں؟

بھارت نے پہلا دھماکہ 1974ء میں یعنی پاکستان سے چوبیس برس پیشتر کیا۔ ماہرین کے مطابق کسی دھماکے کے بعد برسوں کی تحقیق اور تجزیئے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ درست نتائج اخذ کئے جاسکیں۔ بعد ازاں ہونے والے دھماکے اس تحقیق کی روشنی میں کئے جاتے ہیں اور گزشتہ خامیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھارت کو ہم پر سبقت حاصل ہے جب کہ پاکستان نے محض دو دن کے وقفے سے چھ دھماکے کئے (غیر ملکی ماہرین چھ دھماکوں کے دعویٰ کو پوری طرح تسلیم نہیں کرتے)۔ اگر ہم نے پابندی قبول کرلی تو مزید تحقیق اور تجزیئے کا راستہ رک جائے گا۔ دوسری جانب بھارت نے تھرمونیوکلیئر دھماکوں کا دعویٰ بھی کیا ہے جب کہ ہماری طرف سے یہ تجربہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ تھرمونیوکلیئر یا ہائیڈروجن بم FISSION بم پر کارکردگی اور نتائج کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے جس کیلئے مزید تجربات اور اعلیٰ ٹیکنالوجی درکار ہے۔ اس کے بعد ابھی نیوٹران بم کی منزل بھی بہت دور ہے جو بھارت جیسے توسیع پسند ملک کیلئے خاص کشش کا حامل ہے اور بھارت اس کیلئے کوشاں ہے۔ گزشتہ برس بھارت کا جوہری ڈاکٹرائن منظر عام پر آچکا ہے۔ جس کے مطابق بھارت نے کسی طرح کی پابندی قبول نہ کرتے ہوئے اپنے قومی مقاصد کیلئے ہمہ جہت جوہری پیشرفت جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے جو ہر لحاظ سے ایک جارحانہ پالیسی ہے اور عدم پھیلاؤ کی بجائے توسیع اور پھیلاؤ پر مبنی ہے۔

پاکستان کی موجودہ جوہری پالیسی کیا ہے؟

پاکستان کو جوہری میدان میں گھسیٹنے کا ذمہ دار بھارت ہے۔ روز اول سے پاکستان نے جوہری توانائی کے استعمال سے اجتناب برتا حتیٰ کہ شروع کے کئی سالوں میں پرامن استعمال کی جانب بھی توجہ نہ دی۔ ہماری موجودہ صلاحیت بھی ردعمل کا نتیجہ ہے۔ جب 71ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد 74ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ بھی کردیا تو پاکستان خواب خرگوش سے جاگا۔ تاہم ہماری موجودہ پالیسی بھی مدافعانہ، مصالحانہ اور قدرے معذرت خواہانہ ہے۔ 1989ء میں جب پاکستان نے مطلوبہ مقدار میں افزودہ یورینیم حاصل کرلیا تو مزید یورینیم کی افزودگی کو ایٹمی ری ایکٹر کی ضرورت تک محدود کردیا گیا۔ ہماری پالیسی کے بنیادی اجزا ضبط، تحمل، برداشت اور اجتناب (RESTRAINT) پر مبنی ہیں اور انتہائی محدود یا کم سے کم صلاحیت پر اکتفا کرلیا گیا ہے۔ اتنی کم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سے کم سے شاید ڈراوا بھی ممکن نہ ہو۔ 1989ء میں جب مطلوبہ حد تک افزودہ یورینیم فراہم ہو گیا تو بعض بزرجمہروں کی رائے تھی کہ اب پاکستان کو سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دینے چاہئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مشورے پر عمل نہ ہوا۔ اگر پاکستان 89ء میں دستخط کر چکا ہوتا تو 98ء میں ہمیں کسی صورت میں دھماکے کرنے کی اجازت نہ ملتی۔ مئی 98ء کے دھماکوں کے بعد بزعم خویش بہت سے دانشوروں نے مضامین لکھے اور تقاریر کیں کہ اب تو سی ٹی بی ٹی پر ضرور ہی دستخط کر دینے چاہئیں۔ اس نقطہ نظر کے حامیوں میں بینظیر بھٹو سرفہرست تھیں اور کچھ ایسے زعماء بھی تھے جو دھماکوں سے چند روز پیشتر تک جوہری صلاحیت کے اظہار کی بجائے اخفا کے علمبردار تھے لیکن جس طرح 89ء والی سوچ 98ء میں اور 98ء والی سوچ 2000ء میں غلط ثابت ہوئی ویسے ہی 2000ء میں دستخط کرنے اور پابندیاں قبول کرنے کی سوچ مستقبل میں غلط تر ثابت ہوگی۔

ہماری جوہری پالیسی کیا ہونی چاہئے؟

ہماری دفاعی پالیسی بھارتی اقدامات کے ردعمل کے طور پر تشکیل پاتی ہے لہذا اسے پابند اور جمود کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ مئی 98ء کے دھماکوں کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ اب مزید اقدامات کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس مفروضے کی بنیاد یہ نظریہ تھا کہ پاکستانی ڈیٹرنیٹ کی موجودگی میں بھارت مزید اقدامات سے باز رہے گا۔ تاہم صرف ڈیڑھ برس کی مدت میں یہ مفروضہ غلط ثابت ہو گیا اور بھارت نے بڑے پیمانے پر مزید ایٹمی پیش رفت کا اعلان کر دیا۔ لہذا آج کے زمینی حقائق سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے لئے اور ابھی ناموافق ہیں۔ دوسری جانب جب ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت اپنی توسیع پسندی کیلئے آخری حدود تک جانے کے لئے تیار ہے تو ہمیں بھی اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے حدود و قیود قبول نہیں کرنی چاہئیں بلکہ جارحیت کے سدباب کے لئے تمام ممکنہ وسائل اور صلاحیتوں سے کام لینا چاہئے۔ بھارت کو منہ توڑ اور مسکت جواب دینے کے لئے "کم سے کم" صلاحیت کی بجائے "زیادہ سے زیادہ" صلاحیت کا حامل ہونا ضروری ہے جس میں جوہری صلاحیت سرفہرست ہے۔ زندہ قومیں عمل کرتی ہیں اور دوسرے ردعمل پر مجبور ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے تمام اقدامات ردعمل تک محدود رہے ہیں۔ ہماری حمیت اور وقار کا تقاضا ہے کہ ہم کم از کم ضرورت کی بجائے زیادہ سے زیادہ ممکن صلاحیت حاصل کریں تاکہ دشمن خود کو ردعمل پر مجبور پائے اور ہم اپنی شرائط منوا سکیں جس میں کشمیر کی آزادی بھی شامل ہو۔ اگر فی الحال یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممکن نہیں تو کم از کم اپنی موجودہ صلاحیت پر پابندی قبول کرنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں۔ جب دشمن بدستور جارحیت پر آمادہ ہے تو ہمیں اپنا ردعمل کا حق تو محفوظ رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں دشمن پر رعب طاری کرنے کے لئے ''مقدور بھر تیاری'' کا حکم ہے ہمیں اسی حکم پر عمل کرنا چاہئے۔

عوام کے تاثرات اور فوج سے توقعات کیا ہیں؟

پاکستانی عوام اپنی فوج کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں اپنے ایٹمی پروگرام کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ تاہم بارہ اکتوبر کے واقعات کے بعد فوج کی ذمہ داریوں میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ بعض حلقے یہ تاثر پیدا کر رہے ہیں کہ میاں نواز شریف کو دھماکے کرنے کی سزا دی گئی ہے اور امریکہ فوجی حکمرانوں کو خود برسر اقتدار لایا ہے تاکہ ایک غیر جمہوری حکومت سے اپنی مرضی کے اقدامات کروا سکے۔ سوء اتفاق سے پٹرول و گیس کے نرخوں میں اضافہ جنرل سیلز ٹیکس کا نفاذ اور اب سی ٹی بی ٹی پر دستخط اسی سلسلے کی کڑیاں دکھائی دینے لگی ہیں۔

حکومت کو یہ غلط تاثر دور کرنا ہوگا۔ قوم کو یقین ہے کہ وطن کے محافظ ملکی مفادات کا سودا ہرگز نہیں کریں گے۔ تاہم کوتاہ اندیشی کی بناء پر تو کسی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ لہذا اس ضمن میں کوئی بھی قدم خوب سوچ سمجھ کر اٹھانے کی ضرورت ہے۔ یہ نہ ہو کو معیشت کی بحالی کرتے کرتے ملکی سلامتی داؤ پر لگ جائے۔

آج ہمیں یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ پاکستان کو دستخط کرنے میں جلدی کرنی چاہئے مبادا کہ بھارت پہل کر جائے اور تمام فوائد سمیٹ لے۔ اگر ہم نے بھارت کے عزائم اور رویئے کو سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی تو یہ بعید از قیاس ہے کہ بھارت اپنے قومی مقاصد اور عزائم کو پس پشت ڈال کر سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے گا۔ یہ محض تحریص و ترغیب کا ایک طریقہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ بھارت کو بھی پاکستان کے دستخط کرنے کے امکانات ظاہر کر کے پہل کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہو۔ اس اعصابی جنگ میں ثابت قدمی کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ مذاکرات جاری رکھیں اور انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی پر عمل کریں۔

ہم بآسانی جمہوریت کی بحالی تک معاملات کو معرض التوا میں ڈال سکتے ہیں۔ دریں اثناء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور فوائد اور نقصانات کی روشنی میں قومی اتفاق رائے حاصل کیا جائے۔ یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کو اگر دستخط کرنے سے منسلک نہ کیا گیا تو بعد میں عالمی طاقتیں مسئلے کے حل کو کوئی اہمیت نہیں دیں گی۔ یہ بھی طے کرلیا جائے کہ آئندہ ایف ایم سی ٹی کے مرحلے پر ہمارا موقف کیا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اگر افزودہ مواد کی تیاری پر بھی پابندی لگ گئی تو ایٹمی پروگرام اپنی موت آپ مر جائے گا کیونکہ موجودہ ہتھیار اور افزودہ مواد اپنی طبعی شیلف لائف زائد المیعاد ہونے کے بعد بیکار ہوجائیں گے تو ان کا متبادل کیسے دستیاب ہوگا؟ اور جب ایٹمی ڈیٹرنٹ نہیں رہے گا تو بھارت کا رویہ کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں بھارت کی کشمیر میں حالیہ جارحیت کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور اس کے جوہری پروگرام کو بھی۔ عوام یقین رکھتے ہیں کہ فوجی قیادت کوتاہ بینی کی بناء پر قوم کے مستقبل کو گروی نہیں رکھ دے گی۔ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کے روشن مستقبل کی خاطر اگر اپنا آج قربان کرنا پڑے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہوگا۔ غلطی چاہے ارادی ہو یا غیر ارادی اس کا نقصان ایک سا ہوتا ہے کہیں ہم انجانے میں کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کر رہے؟

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

نوائے وقت 4-1 فروری 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیستان کارگل.....کیا کھویا کیا پایا؟

کارگل کے بہت سے معاملات ہنوز پردہ اخفا میں ہیں۔ مثلاً یہ کہ کارگل آپریشن کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کیا یہ آپریشن حکومت کی اجازت سے شروع کیا گیا یا بعد میں حکومت کو اعتماد میں لیا گیا؟ آپریشن میں مجاہدین کا رول کتنا تھا اور باقاعدہ فوج کس حد تک ملوث تھی؟ آپریشن کے اغراض و مقاصد کیا تھے اور وہ کس حد تک پورے ہوئے؟ فوجی حکمت عملی اور ڈپلومیسی میں تال میل کیوں مفقود تھا؟ کیا شروع سے آپریشن کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا تھا یا نہیں؟ بھارت کی جانب سے شدید ردعمل کے امکان پر غور کیوں نہ کیا گیا اور اس کی قبل از وقت پیش بندی کیوں نہ کی گئی؟ دوست ممالک کو اعتماد میں کیوں نہ لیا جاسکا اور ان کی حمایت کو یقینی کیوں نہ بنایا گیا؟ امریکہ اور مغربی ممالک کی مرضی کے خلاف محدود آپریشن جاری رکھنے کی صورت میں ہم کس حد تک کامیابی حاصل کرسکتے تھے جب کہ دوست ممالک کی جانب سے بھی بھرپور تعاون اور گرم جوشی مفقود تھی؟ معاشی پابندیوں کی صورت میں ہم اپنے وسائل سے کب تک یہ آپریشن جاری رکھ سکتے تھے اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور نقصانات میں توازن تھا یا نہیں؟ اچانک جنگ بندی کا فیصلہ کس نے کیا؟ کیا فوجی قیادت بھی جنگ بندی کے حق میں تھی؟ فوج کی حمایت اور مدد کے بغیر مجاہدین اپنے جہاد کو کس مرحلے تک لے جانے کی اہلیت رکھتے تھے اور ان کی کامیابی کے کتنے امکانات تھے؟ جنگ بندی سے مجاہدین کی تحریک جہاد کو نقصان کی نوعیت کیا ہے؟ بحیثیت مجموعی آپریشن کارگل سے ملک کو فائدہ حاصل ہوا یا نقصان پہنچا؟ لائن آف کنٹرول کے ''تقدس'' کو تسلیم کرنے کے بعد اب کشمیر پر ہمارا قومی موقف کیا ہے؟ امریکہ اور جی ایٹ کے ممالک کے اپنے مفادات کیا ہیں اور وہ بھارتی قیادت کی ہٹ دھرمی کے خلاف کس حد تک ہمارا ساتھ دیں گے؟ حالات کے معروضی جائزے کے بعد ہماری حکمت عملی کیا ہونی چاہئے؟ زیر نظر مضمون میں ان تمام سوالات اور امور کا جائزہ غیر جذباتی زاویوں اور قومی مقاصد کے تحت لیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب سے پہلے مغربی اور بھارتی پریس کے اس پروپیگنڈے کا بطلان بہت ضروری ہے جنہوں نے شروع سے ہی یہ رٹ لگا رکھی تھی کہ فوجی قیادت نے یہ پہل قدمی اپنے طور پر کی تا کہ سیاسی قیادت کو مشکل صورتحال سے دوچار کیا جا سکے۔ جنرل پرویز مشرف کے دوٹوک بیان کے بعد تو یہ باب بند ہو جانا چاہئے تھا۔ تاہم اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے والے اسباب بھی موجود تھے جن میں حکومت کی طرف سے ''اعلان لاہور'' اور بھارت کے ساتھ کھلی منڈی کی تجارت وغیرہ جیسے اقدام شامل ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے کشمیر پر ہماری پالیسی دوراہے پر کھڑی ہے اور تسلیم شدہ قومی موقف سے روگردانی ہمارے لئے مزید دشواریاں پیدا کر رہی ہے۔ 65ء تک اقوام عالم بھی اقوام متحدہ کی قراردادوں کا حوالہ دیتی تھیں۔ 65ء کے بعد اعلان تاشقند کا حوالہ دیا جانے لگا۔ پھر 71ء کے بعد سے شملہ معاہدے کا حوالہ دیا جا رہا تھا اور تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ گزشتہ اکیاون برس کے بین الاقوامی حوالوں کو نظر انداز کر کے اب صرف اعلان لاہور کے تقدس پر زور دیا جا رہا ہے۔ گویا ہر آنے والا دن ہمیں منزل مقصود سے مزید دور کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ یہی مغرب کی پالیسی ہے کہ حق کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے قومی مفادات کا تحفظ کیا جائے اور اقوام متحدہ کی قراردادیں ماہ وسال کی گرد کے نیچے دفن ہو کر رہ جائیں۔ بجا کہ ان کا مفاد اسی میں ہے لیکن ہم تو اس مسئلے میں ایک مدعی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں مغرب کے بچھائے ہوئے مذاکرات کے جال میں ہرگز نہیں پھنسنا چاہئے تھا۔ ''اعلان لاہور'' قوم کے ساتھ ایک سنگین مذاق تھا جس کے ناخوشگوار اثرات ابھی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ قول و فعل کا یہ تضاد ہی حکومت کے لئے پریشانی کا باعث بنا کہ ایک طرف تو مذاکرات پر زور ہے اور دوسری طرف رزم آرائی ہو رہی ہے۔ لہذا مغربی صحافی اس غلط نتیجے پر پہنچے کہ کارگل کی چوٹیوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ فوج کا اپنا فیصلہ تھا جو کہ حکومت کے لئے جگ ہنسائی کا موجب بنا کیونکہ حکومت نے اس آپریشن کی منظوری نہیں دی ہوگی۔

آج کی اعلیٰ فوجی قیادت ان افسروں پر مشتمل ہے جنہوں نے 1964ء سے 1970ء کے درمیانی عرصے میں کمیشن حاصل کیا۔ ان میں سے بہت سے حساس افراد 1971ء کے روح فرسا حالات اور واقعات سے ذاتی طور پر واقف ہیں اور الحمد للہ انہوں نے 71ء میں سیاسی طوائف الملوکی کے نتیجے میں ہونے والی شکست کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ ہر حال میں قوم کو اعلیٰ کارکردگی دکھا کر 71ء کی شکست کا داغ دھونا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر طرح کی قربانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دینے کے جذبے سے سرشار ہیں۔انہیں اس حقیقت کا بھی شعور ہے کہ بھارت جیسے ازلی دشمن سے جس نے کہ پاکستان کے وجود کو ہی دل سے تسلیم نہیں کیا، پرامن بقائے باہمی ناممکن ہے۔ بھارت اپنی چانکیہ پالیسی کے مطابق کسی بھی ہمسائے کے ساتھ پرامن نہیں رہ سکتا۔خصوصاً اپنی نیولے جیسی کترنے والی فطرت کے ذریعے وہ مسلسل پاکستان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور اس مقصد کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی نیا جھگڑا کھڑا کرتا رہتا ہے۔لہذا یہ افسران بھارت کو ایسا سبق سکھانے کے متمنی ہیں کہ اس کی جارحیت کا سدباب ہو سکے۔ کشمیر میں لائن آف کنٹرول کا تعین نقشے پر موجود کچھ نقاط کو ملانے سے ہوتا ہے۔تاہم ان نقاط کو ملانے والی لائن جن چوٹیوں پر سے گزرتی ہے ان کی ملکیت ہمیشہ سے متنازع رہی ہے۔اس ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے ایسی کئی چوٹیوں پر قبضہ جمالیا جو زیادہ سے زیادہ نومین لینڈ کا درجہ رکھتی تھیں۔یہ ''تدریجی جارحیت'' جب ختم ہونے میں نہیں آئی تو ان متنازعہ چوٹیوں کو واپس لینے کا ارادہ کرلیا گیا۔اس عمل کو DEFENSIVE POSTURE بہتر بنانے کی خاطر ضروری سمجھا گیا کیونکہ ان چوٹیوں پر بھارتی فوج کی موجودگی ہمارے لئے ضرر رساں تھی۔ یہ ابتدائی پیش قدمی ہر لحاظ سے ایک دفاعی اقدام تھا اور اسے ایک مقامی سطح کی جنگی چال کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ اس ابتدائی اقدام کے لئے حکومت کی منظوری حاصل نہ کی گئی ہو تاہم بعد میں ہونے والی پیش رفت میں حکومت کی اجازت یقیناً شامل تھی بلکہ حقیقت یوں ہے کہ واجپائی کے دورۂ لاہور کے موقع پر حکومت کی خواہش تھی کہ کشمیر پر مذاکرات کے وقت پاکستان برتر پوزیشن پر ہوتے ہوئے بات چیت کرے۔فوج نے یہ مقصد کارگل میں پیش قدمی کر کے حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔

جب پیش قدمی شروع ہوئی تو یکے بعد دیگرے متعدد پوسٹیں خالی ملیں اور پیش قدمی جاری رہی۔اس مرحلے پر مجاہدین کو Integerate کر کے آگے بڑھایا گیا اور سات کلومیٹر کی پیش قدمی کے بعد دراس، لیہہ سڑک براہ راست بھاری مشین گن اور توپ خانے کی زد میں آ گئی۔اس غیر متوقع کامیابی نے شروع کی ٹیکٹیکل چال کو دوررس نتائج کی حامل بنا دیا۔اس مرحلے پر یہ بھی ممکن تھا کہ مشرق کی جانب پہاڑی سلسلے پر قبضہ کر کے دفاعی پوزیشن لے لی جاتی اور سڑک کو مکمل طور پر کاٹ دیا جاتا تاہم ایسا کرنے میں تین امور مانع تھے۔ 1۔مجاہدین کو رسد کی سپلائی بہت مشکل ہو جاتی۔ 2۔سڑک کے پار پوزیشن کا دفاع زیادہ دیر تک ممکن نہ ہوتا۔ 3۔غیر ملکی ذرائع ابلاغ سڑک پر پاکستان کے قبضے کو ہرگز ہضم نہ کر سکتے اور پاکستان کی جانب سے ''جارحیت'' پایۂ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثبوت کو پہنچ جاتی۔ ان مشکلات کے پیش نظر سڑک پر قبضہ کرنے کی بجائے بذریعہ فائر INTERDICTION کی پالیسی اپنائی گئی۔ اس تمام آپریشن میں بہترین مہارت اور راز داری سے کام لیا گیا۔ آپریشن اتنے خفیہ طریقے سے کیا گیا کہ دشمن کے علاوہ اپنی فوج میں بھی کسی غیر متعلقہ فرد کو اس کی بھنک نہیں پڑنے دی گئی۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے اپنے تمام تر تعصب کے باوجود اسے ایک درخشاں فوجی آپریشن قرار دیا ہے اور بلا استثنا بے حد تعریف کی ہے اور اس میں کوئی شک کی بات بھی نہیں کہ معرکہ کارگل میں منصوبہ بندی اور مقصد کے حصول کی بہترین مثال پیش کی گئی جس پر پاک فوج بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ البتہ اس کے بعد وہ کنفیوژن شروع ہوا جو ڈپلومیسی کی مکمل ناکامی پر منتج ہوا۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ اس غیر متوقع کامیابی کے لئے پیشگی منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی کہ ہمارا ڈپلومیٹک موقف کیا ہوگا لہذا ہم بار بار اپنا موقف تبدیل کرتے رہے اور اپنا اعتبار بھی کھو بیٹھے۔ اگر شروع سے دوٹوک انداز اختیار کیا جاتا کہ بھارت نے سیاچن کے علاوہ دیگر مقامات پر بار بار لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی کی ہے لہذا ردعمل کے طور پر اس بار ہم نے پہل قدمی کی ہے تو یہ زیادہ باعزت اور جارحانہ موقف ہوتا اور اس کا دفاع کرنا بھی ممکن ہوتا۔ بے شک مجاہدین نے بھی بھرپور طریقے سے آپریشن میں حصہ لیا لیکن دنیا کے کسی ملک نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ مجاہدین از خود اتنی بھرپور جنگی کارروائی کرنے کی اہلیت رکھتے تھے لہذا اسی سے ہمارے موقف کا بودا پن ثابت ہو گیا۔

یہاں پر جنگی چال، اعلیٰ جنگی حکمت عملی اور ملکی ڈپلومیسی کے باہمی تعلق کا ذکر ناگزیر ہے۔ کامیابی کے لئے جارحانہ Tactics اور جارحانہ سٹریٹیجی ضروری ہوتی ہے جب کہ ڈپلومیسی کا کام ملکی پالیسی کو آگے بڑھانا ہے۔ 65ء میں ہماری ٹیکٹس اور سٹریٹیجی جارحانہ تھی تاہم دفتر خارجہ نے دشمن کے ردعمل کا غلط اندازہ لگایا اور یوں ہم مکمل فتح حاصل کرنے کی بجائے بمشکل اپنا دفاع کر سکے۔ 71ء میں بھارت کی ٹیکٹس اور سٹریٹیجی کے علاوہ ڈپلومیسی بھی انتہائی جارحانہ تھی لہذا فتح اس کا مقدر بنی۔ معرکہ کارگل میں ہماری ٹیکٹس انتہائی اعلیٰ پائے کی تھی لیکن ہماری سٹریٹیجی مدافعانہ تھی اور ڈپلومیسی تو مکمل طور پر ہم آہنگ نہ تھی لہذا ہم ایک جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ اعلیٰ جنگی حکمت عملی میں پورے آپریشن کا شروع سے آخر تک جائزہ لے کر ایسی منصوبہ بندی کی ضرورت تھی جو کہ غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کا حل بھی پیش کرتی اور بوقت ضرورت جوابی حملے کے ذریعے کھوئے ہوئے اہم مقامات کو دوبارہ قبضے میں لینے کا اہتمام بھی کرتی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باعزم حملہ آور مضبوط سے مضبوط دفاع میں شگاف ڈال سکتا ہے بشرطیکہ وہ جانوں کی قربانی دینے پر تیار ہو لیکن ہم ایک مرتبہ پھر دشمن کے ردعمل کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام رہے۔ دراس لیہہ سڑک پر پاکستان کا قبضہ بھارت کے زخرے کو دبوچنے کے مترادف تھا لہٰذا کسی بھی قیمت پر کارگل کی چوٹیاں واپس لینا بھارت کی مجبوری تھی۔

دوسری طرف پاکستان کی کوشش تھی کہ معاملے کو طول دیا جائے تا آنکہ وسط اگست سے، جب بارشیں اور برف باری شروع ہو جائے تو معاملات پر بھارت کی گرفت مزید کمزور ہو جائے۔ بھارت کے لئے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا لہٰذا ایک طرف تو اس نے حد درجے کی جارحانہ ڈپلومیسی پر انحصار کیا اور دوسری طرف اپنے لاتعداد فوجی مروا کر تولولنگ، ٹائیگر ہلز اور ملحقہ چوٹیوں پر سے ہمارے دفاعی دستوں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس طرح دراس لیہہ سڑک ہماری براہ راست فائرنگ سے محفوظ ہو گئی تو آپریشن کارگل اپنی اہمیت کے اعتبار سے پھر ٹیکٹیکل سطح کا بن گیا اور اس کے دوررس سٹریٹیجک اثرات معدوم ہو گئے۔ گویا اس آپریشن نے جس طرح اچانک اہمیت حاصل کر لی تھی، اسی طرح یہ اچانک غیر اہم ہو کر رہ گیا۔ دوسری طرف بین الاقوامی سطح پر پاکستان الگ تھلگ ہو گیا کیونکہ مغربی ممالک بشمول امریکہ کے مفادات بھارت سے ہم آہنگ ہیں۔ بھارت اقوام عالم کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو چکا ہے کہ کشمیر کی علیحدگی کی صورت میں بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ایسی صورتحال مغربی ممالک کو پسند نہیں کیونکہ اس خطے میں صرف بھارت ہی چین کے خلاف ان کے مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔ لہٰذا وہ ہر صورت میں بھارت کی حمایت ہی کریں گے۔ دوسری جانب چین کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ مذہبی بنیادوں پر ہونے والا جہاد اور سنکیانگ میں اٹھنے والی اسلامی تحاریک اس کی سالمیت کے لئے بھی خطرات کا باعث بن سکتی ہیں۔ لہٰذا چین کا رویہ بھی نیم دلانہ پایا گیا۔ اس کے علاوہ پاکستان کی کھلی حمایت کر کے چین بعض مفادات سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتا۔ فی الوقت چین مغرب سے ٹیکنالوجی کے حصول میں سرگرم ہے اور متعدد معاشی فوائد بھی حاصل کر رہا ہے۔ اگلے دس برسوں میں چین معاشی طور پر جاپان سے بھی آگے نکلنے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ لہٰذا ایک ایسے معاملے میں پاکستان کی حمایت چین کے لئے خاصی مشکل ہوتی، جس پر پورا مغرب ہم آواز ہو کر پاکستان کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ہمارے منصوبے میں تولولنگ اور ٹائیگر ہلز پر جوابی حملے کے ذریعے دوبارہ قبضہ کرنا شاید شامل ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ تھا، اس کے لئے وسائل دستیاب نہ تھے یا بین الاقوامی دباؤ کے پیش نظر جوابی حملہ ترک کر دیا گیا۔ بہر حال یہ تقریباً طے ہے کہ اس سلسلے میں متبادل منصوبہ بندی سامنے نہیں آئی۔ ایسا غالباً اس مفروضے کی بنا پر ہوا کہ پاکستان کے منصوبہ سازوں کے خیال میں بھارت ہر حال میں اس معاملے کو کشمیر تک محدود رکھنے پر مجبور تھا تا کہ جنگ پھیلنے کی صورت میں مسئلہ کشمیر بین الاقوامی اہمیت حاصل نہ کر جائے۔ یہ امر امکانات کے تخمینے کی وہ غلطی ہے جو ہم سے 65ء میں بھی سرزد ہو چکی ہے۔ ہم نے اپنے ٹیکٹیکل مفادات کو مستحکم رکھنے کے لئے ان کی پشت پر سٹرٹیجی کی قوت فراہم نہیں کی۔ لہذا عدم توازن کا شکار ہو گئے۔ جہاں تک دفتر خارجہ کا تعلق ہے تو اسے غالباً اس وقت اعتماد میں لیا گیا، جب ہمارے ہراول دستے براہ راست دراس لیہہ سڑک پر اثر انداز ہونے لگے۔ اس اچانک نازل ہونے والی افتاد کے لئے دفتر خارجہ آخر تک یہ بھی طے نہ کر سکا کہ ان کا موقف کیا ہونا چاہئے؟ اس سانحے سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ مختلف حکومتی اداروں میں ارتباط، افہام و تفہیم اور ہم آہنگی کی کتنی اہمیت ہے اور اس کی عدم موجودگی کس قدر منفی اثرات مرتب کر سکتی ہے۔

بعد میں ملنے والی اطلاعات کے مطابق بھارت ایک بھرپور جنگ کی تیاری کر چکا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان نے بھی دفاعی اقدامات ضرور کئے ہوں گے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری معیشیت ایک بھرپور جنگ کی پشت پناہی کر سکتی تھی؟ ہمارے زرمبادلہ کے موجودہ ذخائر ایک مہینے کی جنگ کے لئے بھی پٹرول اور گولہ بارود فراہم نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے جذباتی پن میں علامہ اقبال کے معروف شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کا غلط مفہوم اخذ کرنا پسند کرتے ہیں۔ مومن بھروسہ تو اللہ کی ذات پر کرتا ہے لیکن اسباب ظاہری کو ترک نہیں کر دیتا البتہ ہتھیار چھن جانے یا ناکارہ ہو جانے کے باوجود آخر تک مزاحمت کرتا ہے جبکہ کافر صرف ہتھیار پر ہی بھروسہ کرتا ہے اور ہتھیار نہ ہونے کی صورت میں ہمت ہار دیتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں مومن کی پہچان یہ ٹھہری ہے کہ وہ اللہ کے بھروسے پر جنگ لڑے اور نہ تو ہتھیار حاصل کرے اور نہ ہی جنگ کی تیاری کرے۔ ایسی غلط سوچ رکھنے والے علامہ اقبال کا ہی دوسرا شعر کیوں نہیں پڑھتے جو جہاد کی تیاری کی اہمیت یوں اجاگر کرتا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

اس سلسلے کا دوسرا شعر بھی قابلِ غور ہے

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تو ،تو نہیں خطرہ افتاد

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم جہاد کے سلسلے میں سنجیدہ ہیں تو موٹروے جیسے منصوبے مؤخر اور محلاتی عمارتیں بنانے کا سلسلہ بند کر دیجئے تا کہ یہ رقم دفاعی صلاحیت بڑھانے پر صرف کی جا سکے۔ فی الحال نہ تو ہمارے پیکر خاکی میں جان ہے اور نہ ہی ہم معاشی طور پر پر دم ہیں، نتیجتاً ہم پر عزم بھی نہیں۔ ان حالات میں ایک بھرپور جنگ کا تصور بھی متعلقہ افراد کے لئے سوہان روح بن گیا ہوگا اور انہیں جنگ بندی میں ہی ملک وقوم کی عافیت نظر آئی ہوگی۔ ہمارے تجزیئے کے مطابق جنگ بندی کے فیصلے میں فوج کی ایماً بھی، اسی طرح شامل تھی جیسے جنگ شروع کرنے میں حکومتی ایماً شامل تھی یعنی دونوں کام کافی ہچکچاہٹ سے ہوئے۔

دفتر خارجہ کو شروع سے کیوں اعتماد میں نہ لیا جا سکا؟ اس کی بظاہر دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ آپریشن کارگل کی کامیابی کا انحصار ہی مکمل راز داری پر تھا اور مقامی سطح کی ٹیکٹیکل لڑائی کے لئے ویسے بھی دفتر خارجہ کی مدد کو غیر ضروری سمجھا گیا۔ تاہم جب ہراول دستے شاہراہ دراس، لیہہ تک پہنچ گئے تو ڈپلومیٹک سپورٹ کے خلا کو محسوس کیا گیا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اگر راز داری کے پیش نظر پہلے سے ڈپلومیسی کی جنگ کا آغاز ممکن نہیں تھا تو کم از کم اس کی پہلے سے تیاری تو ممکن تھی! دوسرا طریقہ یہ ہوتا کہ مجاہدین کو ایک خاص حد سے آگے نہ جانے دیا جاتا بلکہ کسی اور سیکٹر میں مجاہدین کی نقل وحرکت تیز کر دی جاتی اور ڈپلومیسی کو بھی بتدریج جارحانہ بنانے کے بعد کارگل میں آخری ضرب لگائی جاتی۔ یہ ایک ممکنہ حل ہے لیکن ظاہر ہے کہ اسے عملی جامہ پہنانے میں بھی بہت سی مشکلات آڑے آتیں۔ موثر جنگی حکمت عملی کے بغیر جنگی چالوں کا دفاع ممکن نہیں ہوتا۔

جہاں تک دفتر خارجہ کی کارکردگی کا تعلق ہے تو وہ یقیناً مایوس کن تھی۔ پہل قدمی پاکستان نے کی تھی۔ Initiative ہمارے ہاتھ میں تھا۔ ایکشن ہم کر رہے تھے اور بھارت ری ایکشن کر رہا تھا لیکن ڈپلومیسی میں Initiative بھارت کے ہاتھ میں تھا اور ہم ری ایکشن کرنے پر خود کو مجبور پا رہے تھے۔ ہمارا ڈپلومیٹک ری ایکشن بھی بہت کم تر درجے کا تھا اور ہم نے بار بار اپنا موقف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبدیل کیا۔ دفتر خارجہ کی کارکردگی کو یقیناً بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

وزارت اطلاعات کو تو غالباً احساس بھی نہیں دلایا گیا کہ قوم کو ایک بھرپور جنگ کا خطرہ ہے لہٰذا ٹی وی پروگراموں میں حالات کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس کی ایک وجہ حکومتی ایوانوں کا نیم دلانہ رویہ تھا۔ وہ آخر تک فیصلہ نہیں کر پائے کہ انہیں کیا کرنا ہے یا حالات کس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔ حکمرانوں نے بظاہر Brinks Man Ship کی پالیسی پر عمل کیا کہ ایک طرف تو کشمیر کے نیوکلیئر فلیش پوائنٹ ہونے سے دنیا کو ڈرانے کی کوشش کی لیکن جونہی تباہ کن نتائج کی دھمکی ملی تو جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ یہ طرز عمل ہرگز باوقار نہیں تھا اور قوم ان سے بہتر کارکردگی کی توقع رکھتی تھی۔ اگر کارگل کا شاخسانہ کھڑا کر ہی بیٹھے تھے تو پسپائی کرنے سے پہلے کچھ فوائد بھی تو حاصل کئے ہوتے۔ یہ غیر مشروط پسپائی ہماری رسوائی کا باعث بنی ہے اور عوام نے یقیناً اسے پسند نہیں کیا کہ فرد واحد کے فیصلے ان پر مسلط کئے جائیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مجاہدین افواج پاکستان کی مدد کے بغیر کارگل میں نتیجہ خیز کارروائی جاری رکھ سکتے تھے، تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ مجاہدین گوریلا جنگ اور چھاپہ مار کارروائیوں سے دشمن کو چور چور کر سکتے ہیں لیکن مورچوں میں بیٹھ کر غیر معینہ مدت کے لئے دفاعی جنگ جاری نہیں رکھ سکتے کیونکہ گوریلا جنگ کا بنیادی اصول ''مارو اور بھاگو'' ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ باقاعدہ فوج بھی غیر معینہ مدت کے لئے دفاعی جنگ نہیں لڑ سکتی۔ کارگل کے محاذ سے فارغ ہونے والے مجاہدین وادی کے علاقے میں دشمن کے خلاف زیادہ موثر کارروائیاں کر سکیں گے اور وہاں ان کی کارکردگی بھی بہتر ہوگی۔ جہاں تک محدود جنگ جاری رکھنے کا تعلق ہے تو پاکستان کسی بھی محدود جنگ میں قوت ایمانی کے بل بوتے پر بھارت کو گھٹنوں کے بل گرا سکتا ہے لیکن بھارت کی حکمت عملی یہ ہوگی کہ جنگ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور اپنی فوجی قوت اور وسائل جنگ کا بھرپور استعمال کر کے پاکستان کی قوت کو کچل دیا جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسی صورتحال پیش آ گئی تو متحارب فریقین میں سے کوئی بھی ایٹم بم کے استعمال میں پہل کر سکتا ہے جو کہ دونوں ممالک کی مکمل تباہی کا باعث ہوگا۔ آخر میں ملنے والی اطلاعات کے مطابق بھارت کی جانب سے بھرپور جنگ کی تیاری ہو چکی تھی لہٰذا کارگل میں شروع ہونے والی محدود جنگ کو مزید جاری رکھنا ممکن نہیں تھا، کیوں کہ ہم ڈپلومیسی کے میدان میں ایسی فاش غلطیوں کا ارتکاب کر چکے تھے، جن کی تلافی ممکن نہ تھی۔ اس طرح ڈپلومیٹک شکست کے بعد ہم میدان جنگ میں اپنی بالادستی کے فوائد سے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محروم ہو گئے۔ اعلانِ واشنگٹن ہر لحاظ سے پاکستان کے لیے غیر موافق ہے۔ اس میں لائن آف کنٹرول کے تقدس کا ذکر ہے، گویا کہ یہ مستقل بین الاقوامی سرحد ہے لیکن سیاچن سے بھارتی فوج کے انخلا کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا جو کہ صریحاً شملہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ یہ امر امریکہ کی صورتحال کو جوں کا توں رکھنے کی پالیسی کا غماز ہے۔ اس میں صرف صدر کلنٹن کی مذاکرات شروع کرانے میں ذاتی دلچسپی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کے پیچھے کسی ادارے یا ریاست کی ضمانت نہیں ہے۔ جب گزشتہ باون برسوں سے مذاکرات نتیجہ خیز نہیں بن سکے تو صدر کلنٹن کے عہد صدارت کے اٹھارہ ماہ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اعلان واشنگٹن میں بھارت فریق ہی نہیں بنا، لہذا وہ اس اعلان کا پابند نہیں۔

اب آخر میں ہم معرکہ کارگل کے نتائج کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے اس کے منفی پہلو۔ 1۔ ایک ایسے ادارے کی کمی محسوس کی گئی جو کہ ملکی سلامتی سے متعلقہ امور کا جائزہ لے کر ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں فیصلے کر سکے، تاکہ کوئی فرد واحد یا چند افراد ملکی سلامتی کو داؤ پر نہ لگا دیں۔ اگر کچھ لوگ نیشنل سکیورٹی کونسل کے نام سے الرجک ہیں تو اسے کوئی اور نام دے لیں۔ 2۔ آپریشن کارگل کے دوران ارتباط کی کمی واضح طور پر سامنے آئی۔ فوج، وزارت اطلاعات اور دفتر خارجہ کے درمیان باہمی ربط کا مکمل فقدان تھا جس کی بنا پر ہم ایک جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ 3۔ ہماری معاشی حالت دگرگوں ہے اور ایک مقروض قوم ہونے کے ناطے ہم اپنے قومی مفادات کا تحفظ بھی نہیں کر سکتے بلکہ قرض خواہ ممالک اپنے فیصلے ہم پر مسلط کر رہے ہیں۔ 4۔ جنگی حکمت عملی اور ڈپلومیسی میں کئی خامیاں دیکھنے میں آئیں۔ 5۔ لائن آف کنٹرول کو دوسرے ممالک نے بین الاقوامی سرحد کا درجہ دینا شروع کر دیا۔ 6۔ ہمارے مسلمہ دوست ممالک نے بھی ہمارا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ 7۔ مجاہدین وقتی بددلی کا شکار ہو گئے۔ 8۔ بھارت نے مذاکرات کے لئے مزید کڑی شرائط عائد کر دیں جن میں مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی سرپرستی ختم کرنے کا بھی مطالبہ ہے۔ 8۔ پاکستان کو مغربی ممالک نے بنیاد پرست جارح ملک سمجھ کر مکمل طور پر بھارت کا ساتھ دیا۔

تاہم مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ معرکہ کارگل کے مندرجہ ذیل مثبت پہلو بھی ہیں۔ 1۔ 1971ء کی شکست کے بعد سے پوری قوم دفاعی انداز میں سوچتی تھی۔ اس جارحانہ پہل قدمی نے قوم میں جہاد کی روح پھونک دی۔ 2۔ مجاہدین کی کارروائیوں کو مہمیز ملی اور مقبوضہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کشمیر میں چھاپہ مار جنگ میں تیزی آ گئی۔3۔ پاک فوج کا اپنی صلاحیتوں پر اعتماد بحال ہو گیا اور انہوں نے اپنے مشن کی تکمیل سے نئی تاریخ رقم کی۔4۔ معرکہ کارگل کے غازیوں، مجاہدوں اور شہدا کے لواحقین نے اپنے جوش جذبے اور قوت ایمانی سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی اور قوم کو ایک نیا اعتماد بخشا۔5۔ بھارت کا بے اندازہ جانی و مالی نقصان ہوا اور اس کے جنگی مصارف میں دس گنا اضافہ ہوا۔ موسم سرما میں کارگل کی چوٹیوں پر فوج رکھنے سے اس کے اخراجات مزید بڑھ جائیں گے۔6۔ پاک فوج نے بھارتی فوج پر اخلاقی اور پیشہ وارانہ برتری ثابت کر کے اپنا رعب طاری کر دیا۔7۔ کشمیر کا بھولا ہوا مسئلہ ایک بار پھر بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گیا۔8۔ ہم نے بھارت کو جتلا دیا کہ مذاکرات کے علاوہ بھی دوسری راہ عمل میسر ہے جس کو بحالت مجبوری اختیار کرنے سے گریز نہیں کیا جائے گا۔9۔ مقتدر قوتوں کو منصوبہ سازی میں اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے آگاہی ہوئی۔10۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ اقوام عالم میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور اپنی بقا کی جنگ ہمیں خود ہی لڑنا پڑے گی۔11۔ اعلان واشنگٹن پر عمل کر کے ہم نے اتمام حجت اور امن پسندی کے تقاضے پورے کر دیئے۔ اب اخلاقی طور پر ہمیں پھر بھارت پر برتری حاصل ہو گئی ہے اور بھارت دفاعی پوزیشن میں ہے۔

یہاں آئندہ کی حکمت عملی کا اجمالی خاکہ پیش کرنا مناسب نظر آتا ہے جو یہ ہے۔1۔ کشمیر میں جو جارحانہ پالیسی اپنائی گئی ہے اسے جاری رکھا جائے اور بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی پر ناکوں چنے چبوا دیئے جائیں۔2۔ مجاہدین کی تحریک کی کھل کر حمایت کی جائے اور اس کے لئے ہر طرح کی امداد مہیا کی جائے۔3۔ بھارت کی جانب سے مذاکرات کے لئے کسی شرط کو سختی سے مسترد کر دیا جائے۔ اگر مذاکرات ہوں تو صرف اور صرف کشمیر کے یک نکاتی ایجنڈے پر بات کی جائے۔4۔ مزید قرضے لینے سے گریز کیا جائے اور جو منصوبے ملکی وسائل کے اندر رہتے ہوئے مکمل نہیں کئے جا سکتے انہیں مؤخر کر دیا جائے۔5۔ عیش و عشرت کی بجائے حقیقی سادگی کو اپنایا جائے جس کے لئے حکمران طبقہ ذاتی مثال قائم کرے۔6۔ ترکی کی طرح فوجی تربیت اور لازمی سروس کا اہتمام کیا جائے جس کا عرصہ ملازمت ملکی حالات کے مطابق کم و بیش دو سال رکھا جا سکتا ہے۔7۔ ٹیلی ویژن قوم کی اخلاقی اقدار پر جو اثرات مرتب کر رہا ہے اس کا ازالہ کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں اور قوم کو بھانڈ اور میراثی یا ہیرا رانجھا بنانے کی بجائے مجاہدانہ کردار سازی پر خصوصی توجہ دی جائے۔8۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹھوس اور عملی منصوبہ سازی کی جائے۔9۔ خوراک میں ہر قیمت پر خود کفالت حاصل کی جائے۔10۔رشوت خوری اور جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے اسلامی حدود اور تعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔11۔قومی سلامتی کے معاملات مشاورت سے طے کرنے کے لئے نیشنل سکیورٹی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے۔

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

نوائے وقت 17 اگست 99ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معرکہ کارگل۔ کچھ مزید توجہ طلب پہلو

ماہرین کے مطابق کسی قوم کی مجموعی قوت ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔

1۔ آبادی کے وسائل اور قومی مقاصد کی جانب قوم کا رویہ
2۔ سرحدوں کا قدرتی یا مصنوعی ذرائع سے محفوظ ہونا۔
3۔ معدنی وسائل اور مختلف میدانوں میں خود کفالت۔
4۔ متعدد بندرگاہوں کی دستیابی۔
5۔ مضبوط بنیادوں پر استوار معیشت اور صنعت۔
6۔ اندرونی اتحاد اور یگانگت۔
7۔ سائنسی، علمی اور فنی معیار۔
8۔ ہمسایہ ممالک کا رویہ۔
9۔ خوشگوار خارجہ تعلقات اور سفارتکاری میں مہارت۔
10۔ دفاعی اور معاشی معاہدے۔
11۔ طاقتور اور قابل اعتماد افواج۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ ان گیارہ اجزاء میں سے ہم بمشکل دو یا تین اجزاء کے متعلق ہی تسلی کا اظہار کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ ہمیں آبادی کی قلت کا سامنا نہیں اور لوگ دفاع کے سلسلے میں پر جوش بھی ہیں۔ ایٹمی دھماکوں کے بعد ہم اپنے دفاع کو مجموعی طور پر تسلی بخش قرار دے سکتے ہیں اور ماضی میں ہماری سفارت کاری بھی اعلیٰ درجے کی رہی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ امور ہماری قدرت سے بعید ہیں، جیسے کہ مشرقی سرحد کا غیر محفوظ ہونا اور سب سے بڑے ہمسائے کا معاندانہ، مخاصمانہ اور مستحکمانہ رویہ، اسی طرح معدنی وسائل کے سلسلے میں ہم ابھی تک زیادہ خوش قسمت ثابت نہیں ہوئے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تعلیمی، صنعتی اور زرعی میدانوں میں پیش رفت کیوں نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر سکے؟ اندرونی اتحاد اور یگانگت کیوں پارہ پارہ ہے؟ گوادر پورٹ کو ترقی کیوں نہیں دی جا سکی اور ہمارا سائنسی، علمی اور فنی معیار کیوں بلند پائے کا نہیں؟ حد تو یہ ہے کہ ہم خوراک میں بھی خود کفیل نہیں۔ گویا قومی قوت کی جو عمارت گیارہ ستونوں پر کھڑی ہونی چاہئے تھی، وہ صرف دو یا تین ستونوں پر کھڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری قومی قوت بمشکل زیریں متوسط درجے کی ہے۔ نتیجتاً ہمیں اپنے قومی مقاصد حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

معرکۂ کارگل کے اختتام پر اگر قوم مایوسی کا شکار ہوئی ہے تو حکمرانوں کے علاوہ صنعتکاروں، تاجروں، سائنس دانوں، راہنماؤں، سیاستدانوں، منصوبہ سازوں، عالموں، دانشوروں اور سرکاری افسروں کو بھی اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ ہمارے مجموعی قرضوں سے زیادہ رقم زرمبادلہ کی صورت میں غیر ملکی بینکوں میں جمع ہے لیکن متعلقہ افراد اسے واپس لانے پر تیار نہیں۔ تاجر حضرات ٹیکس دینے سے انکاری ہیں۔ نادہندگان بینکوں کے قرضے ادا کرنے کو تیار نہیں۔ قومی وسائل کی کھلم کھلا چوری ہو رہی ہے۔ دفاع میں خود کفالت کی منزل ابھی بہت دور ہے کیونکہ ہم ایٹمی ڈیٹرنٹ تو حاصل کر چکے ہیں لیکن توپیں، ٹینک اور ہوائی و بحری جہاز بدستور درآمد کئے جا رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ سائنس جدید ٹیکنالوجی اور میٹالرجی کے میدانوں میں ہم ابھی تک پہلے زینے پر کھڑے ہیں۔ ملکی معیشت کا انحصار قرضوں اور پھر مزید قرضوں پر ہے۔ زرمبادلہ کے ذخائر کی حالت ناگفتہ بہ ہے، گولہ بارود اور پٹرول کے ذخائر بمشکل چند ہفتوں کی دفاعی جنگ کیلئے کافی ہو سکتے ہیں۔ بایں ہمہ ہم بزور شمشیر کشمیر فتح کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ کیا یہ ستم ظریفی کی حد نہیں؟ تاہم اگر قوم کا ہر فرد بشمول سیاستدانوں کے مصمم ارادہ کر لے کہ آج سے ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کیلئے ہوگا تو ہم اپنی معاشی، زرعی اور دفاعی ضروریات میں خود کفیل بھی ہو سکتے ہیں اور اپنے قومی مقاصد بھی حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ یہ صرف دیوانے کا خواب ثابت ہوگا۔ یہ وہ تلخ حقائق ہیں جو خوفناک بھی ہیں اور کریہہ الٰہیت بھی لیکن اگر ہم ایک زندہ قوم کے طور پر جینا چاہتے ہیں تو ان کا سامنا کرنا ہی ہوگا۔

جب مجموعی صورتحال اتنی ناگفتہ بہ ہو تو ظاہر ہے کہ صرف نپا تلا خطرہ ہی مول لیا جا سکتا ہے اور ہم ایک مکمل جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اس فیصلے کی پشت پر 65ء کی جنگ کا تجربہ بھی ہے جس کے بعد ہم نے ترقی معکوس ہی کی۔ بحیثیت مجموعی ہم جہاد کی تیاری کے بغیر جہاد کرنے پر تلے رہتے ہیں جو کہ ہماری دینی تعلیمات کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہے۔ حالت جنگ میں ہماری قوم فوجیوں کو حلوہ پلاؤ کھلانے اور تحائف پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے، جو کہ جنگ میں ان کے کسی کام نہیں آسکتے لیکن جنگ کی تیاری کیلئے ذرائع مہیا کرنے کے لئے لوگ ٹیکس بھی ایمانداری سے دینے کیلئے تیار نہیں۔ اس کے باوجود ہم اصرار کرتے ہیں کہ ''چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا''۔ جنگ ایک بہت مہنگا مشغلہ ہے۔ اگر ہم اپنی بقا کیلئے جنگ کو ناگزیر سمجھتے ہیں تو پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ والا مالی قربانی والا جذبہ بھی پیدا کرنا ہوگا اور یہی مالی جہاد کی روح ہے۔ اگر ہمارے سیاستدانوں اور راہنماؤں کی فکری سمت درست ہوتی تو یہ کوئی ناممکن کام بھی نہ تھا لیکن مقصدیت کی کمی نے ہمیں من حیث القوم راہ گم کردہ ناقہ بے زمام بنا کر رکھ دیا ہے۔

یہ تھا وہ پس منظر جس کے ساتھ آپریشن کارگل کی ابتداء ہوئی۔ فوج کے ہر آپریشن کی طرح اس آپریشن کی منصوبہ سازی بھی بعض اندازوں اور مفروضوں کی بنیاد پر کی گئی جو کہ میرے تجزیئے کے مطابق یہ تھے۔

1۔ کارگل میں اپنی پیش قدمی کو زیادہ سے زیادہ عرصے تک خفیہ رکھا جا سکے گا اور دشمن کو ردعمل کیلئے کم سے کم وقت ملے گا۔

2۔ بھارت میں ایک عبوری حکومت ہونے کی وجہ سے سخت ردعمل متوقع نہیں کیونکہ عبوری حکومت سنگین نوعیت کے فیصلے کرنے سے ہچکچائے گی۔

3۔ بھارت مسئلہ کشمیر کے عالمی سطح پر ابھرنے کے خوف سے اپنے ردعمل کو کشمیر تک محدود رکھے گا۔

4۔ دراس، لیہہ سڑک کا رابطہ کٹ جانے سے بھارت ہماری شرائط پر مذاکرات کیلئے مجبور ہو جائیگا، ورنہ شمال میں اس کی 3-2 ڈویژن فوج بھوکوں مر جائے گی۔

5۔ بھارت اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے جانا اپنے مفاد میں نہیں سمجھے گا۔

6۔ اقوام عالم نے جس طرح سیاچن پر بھارتی جارحیت برداشت کی ہے، ویسے ہی کارگل پر ہمارا قبضہ تسلیم کر لیا جائیگا۔

7۔ اقوام متحدہ اگر دخل اندازی کرے تو یہ ہمارے مفاد میں ہوگا۔ اگر فریقین کو مذاکرات پر مجبور کیا گیا تب بھی ہم سیاچن اور قمر سیکٹر کے تبادلے میں ہی کارگل سے پیچھے ہٹیں گے۔

8۔ ہماری ایٹمی صلاحیت کے پیش نظر بھارت پاکستان کے ساتھ بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

9۔ مشترکہ مفادات کی بناء پر چین نہ صرف ہماری حمایت کرے گا بلکہ ہر طرح کی امداد فراہم کرے گا۔

10۔ دونوں متحارب فریقین کی ایٹمی صلاحیت کی بناء پر کشمیر ایک حقیقی فلیش پوائنٹ کی حیثیت سے ابھرے گا تو اقوام عالم اور بالخصوص امریکہ اور جی ایٹ کے ممالک ہماری شرائط پر جنگ بندی اور مذاکرات کا اہتمام کریں گے۔

11۔ مقبوضہ کشمیر میں تحریک جہاد زور پکڑ جائے گی اور مسلم ممالک ہماری مالی، اخلاقی اور سفارتی امداد کریں گے۔

12۔ جولائی میں بارشیں شروع ہوگئیں تو حالات پر ہماری گرفت مزید مضبوط ہو جائے گی اور ہم غیر معینہ مدت تک دراس لیہہ سڑک پر قبضہ برقرار رکھ سکیں گے۔

آپریشن کے (COVER PLAN) کیلئے مجاہدین کی آڑ لی گئی اور پاک فوج کے ملوث ہونے کی سختی سے تردید کی گئی۔ اس کے غالباً تین مقاصد تھے۔

اول یہ کہ مجاہدین کی مقبوضہ کشمیر میں بھی حوصلہ افزائی ہوگی اور بین الاقوامی طور پر ان کو ایک ممکنہ فریق کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

ثانیاً پاکستان کے اس موقف کو قوت فراہم ہوگی کہ کشمیری مجاہدین از خود تحریک آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں اور پاکستان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

ثالثاً پاکستان کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکے گا اور نتیجتاً بھارت پاکستان کے خلاف کوئی عملی کارروائی نہیں کر سکے گا۔

کارگل کا معرکہ ایک نپا تُلا اور محتاط اقدام تھا جس سے نقصانات کے ساتھ ساتھ کچھ فوائد بھی حاصل ہوئے تاہم ہم شروع سے ہی دو عملی کا شکار ہو گئے۔ یعنی ہماری ٹیکٹس تو جارحانہ تھی لیکن سٹرٹیجی مدافعانہ تھی۔ یہ صورتحال ہمیشہ Stalemate یعنی ''نہ جیت نہ ہار'' پر منتج ہوتی ہے کیونکہ فریقین میں سے کوئی بھی فیصلہ کن چال چلنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ یہی نتیجہ معرکہ کارگل کا بھی نکلا۔ دوسری طرف یہ عالم تھا کہ دفتر خارجہ اور وزارت اطلاعات کے نمائندوں کی موجودگی میں بریفنگ کی ذمہ داری آئی ایس پی آر کے سپرد کی گئی تھی۔ جب فوج نے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر رکھا تھا تو آئی ایس پی آر کو پس منظر میں ہی رہنا چاہئے تھا۔ یہ دو عملی ہر جگہ دیکھنے میں آئی۔ جب گرفتار بھارتی پائلٹ کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب آئی' ایس' پی آر کی طرف سے دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا کہ گرفتار کیا گیا پائلٹ جنگی قیدی ہے لہٰذا اس کے ساتھ جنگی قیدی والا سلوک کیا جائیگا جبکہ یہ جواب دفتر خارجہ کو دینا چاہئے تھا۔ چند ہی روز بعد حکومت نے خیر سگالی کے جذبے کے تحت گرفتار پائلٹ کو بھارت بھجوا دیا اور آئی' ایس' پی' آر کا موقف دھرے کا دھرا رہ گیا۔ تمام متعلقہ افراد کا ذہن اس مسئلے پر منقسم دکھائی دیا۔ ہم جنگ کر رہے تھے لیکن حالت جنگ میں نہیں تھے۔ ہم نے غنیم کی دم پر پاؤں بھی رکھا اور معذرت کرتے بھی دکھائی دیئے۔ ہم اپنے مقاصد بھی حاصل کرنا چاہتے تھے اور اپنے اقدامات کو حق بجانب قرار دینے میں ہچکچاہٹ کا اظہار بھی کر رہے تھے۔ جہاں تک وزارتِ اطلاعات کا تعلق ہے تو پورے آپریشن کے دوران ان کی واحد ترجیح ورلڈ کپ تھا اور ٹی وی پر معرکہ کارگل کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیا گیا۔ دفتر خارجہ کی کارکردگی کے متعلق اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ 'ہر چند کہیں کہ تھا' نہیں تھا''۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ ہم (RIGHTEOUSNESS OF CAUSE) یعنی اپنی کارروائی کے حق بجانب ہونے اور ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے ضمن میں شکوک وشبہات کا شکار تھے۔ اسی لئے کوئی واضح لائحہ عمل اختیار کرنے میں بھی ناکام رہے۔

اس مرحلے پر ان مفروضوں کا تجزیہ مناسب رہے گا۔ جن پر آپریشن کارگل کا ڈھانچہ استوار کیا گیا تھا:۔

1۔ کارگل میں ہمارے دستوں کی موجودگی کی اطلاع چرواہوں کے ذریعے بھارتی فوجیوں تک پہنچ گئی اور ہم مطلوبہ مہلت حاصل نہ کر سکے۔ دوسری طرف مون سون کا آغاز تاخیر سے ہوا جس سے بھارت متوقع مشکلات سے دوچار نہ ہوا ۔2۔ واجپائی کی عبوری حکومت کو جنگ ہارنے کی صورت میں شدید مشکلات کا احساس تھا بلکہ جنتا پارٹی کی سیاست سے مکمل فراغت کا امکان دیکھتے ہوئے واجپائی بعض مشکل ترین فیصلے کرنے میں بھی کامیاب رہے اور شدید لیکن متوازن رد عمل کا مظاہرہ کیا۔3۔ بھارت میدان کارزار میں انتہائی سنگین صورتحال سے دوچار تھا لیکن ڈپلومیٹک فرنٹ پر بھارت کا ردعمل بروقت' جارحانہ اور ذہانت سے بھرپور تھا۔4۔ چونکہ آپریشن مجاہدین کی آڑ میں کیا جا رہا تھا لہٰذا جب تولولنگ اور ٹائیگر ہلز سے ہمارے دفاعی دستے پسپا ہوئے تو باقاعدہ فوج کو ملوث کئے بغیر جوابی حملہ ممکن نہ رہا جب کہ ایسا کرنا ہمارے ابتدائی موقف کے خلاف ہوتا لہٰذا ان سٹریٹیجک مقامات پر دوبارہ قبضہ نہ کیا جا سکا۔5۔ سٹریٹیجک مقامات کا کنٹرول حاصل کرنے کے بعد دراس' لہیہ سٹرک کا رابطہ بحال ہو گیا اور بھارت دباؤ سے بالکل نکل گیا۔6۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چین سے متوقع حمایت حاصل نہ ہوسکی۔ 7۔ بھارت نے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے امریکہ اور جی ایٹ ممالک کے ہاں دہائی دی اور اس طرح اپنے موقف کو کمزور کئے بغیر اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ 8۔ بھارت نے بین الاقوامی سرحد عبور کرنے کی بجائے اپنے حامیوں کو باور کرایا کہ اگر کارگل خالی نہ کیا گیا تو بھارت ایسا کرنے پر مجبور ہو جائیگا۔ اس طرح تمام دباؤ پاکستان پر منتقل ہوگیا۔ 9۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے لئے سب سے پریشان کن یہ امر تھا کہ اگر پاکستان کو اپنی واضح شکست دکھائی دی تو کہیں ایٹمی ہتھیار استعمال نہ کر بیٹھے۔ لہذا وہ ہر قیمت پر جنگ بند کرانے کے خواہاں تھے۔ نتیجتاً پاکستان پر دباؤ مزید بڑھ گیا البتہ یہ ضرور ہوا کہ باوجود اس حقیقت کے کہ بھارت شدید جانی نقصان سے دو چار ہوا۔ ایٹمی صلاحیت کی بناء پر پاکستان بھارت کے بھرپور حملے سے محفوظ رہا اور زیادہ جنگ سفارتی فرنٹ پر لڑی گئی۔ 10۔ اسلامی ممالک کا مجموعی رویہ شیر گرم رہا اور بھرپور سفارتی، اخلاقی اور مالی امداد فراہم نہ ہوسکی۔ 11۔ جنگ بندی غیر مشروط طور پر ہوئی اور بھارت نے مذاکرات کی پابندی بھی قبول نہ کی۔ اس تجزیئے سے دو اہم چیزیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

1۔ ہماری ناکامی کی سب سے اہم وجہ یہ غلط مفروضہ تھا کہ ہم غیر معینہ مدت تک دراس، لیہہ سڑک پر اپنا قبضہ برقرار رکھ سکیں گے۔ اسی مفروضے کی بناء پر مدافعانہ سٹرٹیجی اپنائی گئی۔ باقاعدہ فوج کی شمولیت کو تسلیم نہ کیا گیا۔ لہذا جوابی حملہ بھی نہ کیا جاسکا، جس بنیاد پر سارا ڈھانچہ کھڑا کیا گیا تھا، جب وہ ہی نہ رہی تو آپریشن کی حیثیت ایک شوق فضول کی سی ہوگئی۔ اسے مزید جاری رکھنا جانوں کے بے مقصد ضیاع کے سوا کچھ نہ رہا۔

2۔ ہم میدان کارزار میں دشمن کی دھنائی کرتے رہے لیکن دشمن نے سفارتی میدان میں ہماری درگت بنا کر رکھ دی۔ بھارت جو ہمیشہ سے مسئلہ کشمیر کی بین الاقوامی حیثیت ختم کرنے کا خواہاں رہا ہے اس نے انتہائی چابکدستی سے اقوام متحدہ میں جائے بغیر اور مذاکرات کی میز پر آئے بغیر ہمیں کارگل کی چوٹیوں سے نیچے اتار دیا۔ بھارت نے اپنی اس سفارتی چال سے ہمیں چاروں شانے چت کر دیا۔ ہماری منصوبہ سازی میں غالباً اس امکان پر غور ہی نہیں کیا گیا تھا۔ فوجی مفکرین نے درست تجزیہ کیا ہے کہ ہم تین اطراف سے دشمن کے ممکنہ حملے کے خلاف دفاعی پوزیشن تیار کرتے ہیں لیکن دشمن ہمیشہ چوتھی، جانب سے حملہ آور ہوتا ہے۔ ہمارے فوجی دستوں کی شجاعت، ہمت اور جاں سپاری بے مثال تھی اور انہوں نے میدان کارزار میں دشمن پر کاری ضرب لگائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن دشمن ہمیں وہاں مصروف رکھ کر چوتھی جانب سے حملہ آور ہوا اور ڈپلومیٹک فرنٹ پر اسے ''واک اوور'' مل گیا کیونکہ اس جانب اس کا مدمقابل ہی کوئی نہ تھا نہ ہی سفارتی جنگ کی تیاری کی گئی تھی۔

جنگ کا حتمی مقصد حریف کو مذاکرات کی میز پر لانا اور اپنی شرائط منوانا ہوتا ہے۔ اگر ہمارا مقصد یہی تھا تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے اس مقصد کے حصول میں ناکام رہے ہیں۔ ہم صرف امریکی صدر سے مذاکرات کرانے میں ذاتی دلچسپی کا وعدہ ہی لے سکے ہیں۔ تاہم یہ آپریشن بالکل ہی سعی لاحاصل نہیں تھا۔ اس کے فوائد اور نقصانات گنوائے جا چکے ہیں۔ ایک اضافی فائدے کا ذکر کرنا بھی بے موقع نہ ہوگا۔ گزشتہ سال مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کے ایجنڈے سے خارج کیا جا رہا تھا کیونکہ فریقین کے باہمی مذاکرات کے بعد اقوام متحدہ کی دخل اندازی کا کوئی جواز نہ تھا۔ بصد مشکل پاکستانی سفارتکاروں نے اسے مزید ایک سال کیلئے ایجنڈے میں شامل کرایا۔ معرکہ کارگل کے بعد مسئلہ کشمیر کی تجدید ہو چکی ہے۔ اب نہ تو یہ ایجنڈے سے خارج ہوگا اور نہ ہی اقوام متحدہ کے مبصرین کو واپس بلایا جا سکے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ باہمی مذاکرات کی حماقتوں کا اثر زائل کرنے کے لئے مزید کتنی جانوں کی قربانی دینا پڑے گی؟

نوائے وقت 13 ستمبر 99ء

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کشمیر پاکستان کی شہ رگ

گزشتہ دنوں معاشرے کے دو مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک صاحب بیوروکریٹ ہیں اور دوسرے صاحب ایک سیاسی پارٹی سے وابستہ معروف وکیل۔ دونوں اصحاب نے ایک ہی سوال کیا کہ ''آخر ہم کب تک کشمیر کے جذباتی نعرے کے نام پر قوم کا استحصال کرتے رہیں گے اور بلاوجہ فوج کو پالتے رہیں گے''۔ یہ بات راقم الحروف کیلئے سخت صدمے کا باعث بنی۔ گویا گزشتہ پچیس تیس برس میں اتنی تبدیلی آچکی ہے کہ معاشرے کے باشعور افراد کو بھی کشمیر کی اہمیت اور اپنی آئندہ نسلوں کو درپیش خطرات کا ادراک نہیں رہا۔ قائداعظم کی شخصیت سے معمولی آگاہی رکھنے والے اشخاص کو بھی بخوبی علم ہے کہ بابائے قوم کا زندگی کے متعلق رویہ انتہائی غیر جذباتی، غیر روایتی اور مبنی برحقیقت تھا۔ جب انہوں نے کشمیر کو پاکستان کی شہہ رگ قرار دیا تو یہ کوئی جذباتی اور سیاسی نعرہ نہ تھا بلکہ متعدد سیاسی، تاریخی اور معاشی عوامل پر مبنی حقیقت کا اظہار تھا۔

اس اہم ہمالیائی ریاست کی سرحدیں بیک وقت پاکستان بھارت افغانستان چین اور وسط ایشیاء کے ممالک سے ملتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت میں بسنے والے بڑے دریاؤں کے منابع بھی کشمیر میں واقع ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ خطہ مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے اور یہاں کے باشندوں کا رہن سہن وسط ایشیاء، ایران، افغانستان پاکستان اور چین کی ثقافت کا حسین امتزاج ہے کشمیر کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

تقسیم ہند کے فارمولے کے تحت اس مسلم اکثریت والی ریاست نے بہرصورت پاکستان کا حصہ بننا تھا لیکن ہندو اور انگریز کی ملی بھگت سے ایک سازش کے ذریعے بھارت نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جمالیا۔ اب اگر باقی تمام عوامل سے قطع نظر کرکے بھی دیکھا جائے تو بھارت جب چاہے ہمارے دریاؤں کا پانی روک کر یا ان کا بہاؤ موڑ کر پاکستان کو ایک لق ودق صحرا میں تبدیل کرسکتا ہے۔ یہ کوئی ایسی دوراز کار بات بھی نہیں۔ بھارت لیاقت علی خان کے عہد میں ایسی کوشش کر بھی چکا ہے۔ بعدازاں جب سندھ طاس معاہدے کی رو سے دریائے ستلج بیاس اور راوی پر بھارت کا اور چناب اور جہلم پر پاکستان کا حق تسلیم کرلیا گیا تھا تو پھر بھی بھارت ہی نے بدعہدی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وولر بیراج کی تعمیر شروع کر دی جب کہ دریائے چناب اور جہلم کے پانی پر بھارت کسی طرح کا حق نہیں رکھتا۔ اس بدعہد قوم کے ماضی سے بے خبر یورپ اور امریکہ کی اقوام ہمیں تھپکیاں دے کر میٹھی نیند سلانے میں مصروف ہیں لیکن بدقسمتی کی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں بھی ایک محدود طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ ہم بھارت کے ساتھ امن اور سکون سے رہ سکتے ہیں اور جنگی تیاریاں بلا جواز ہیں۔

وائے محرومی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تقسیم ہند سے لے کر آج تک گزشتہ باون برس کی تاریخ دیکھ لیجئے کہ ہندوستان نے کس کس طرح پاکستان کو ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار کیا ہے۔ حیدرآباد، جوناگڑھ، مناوادر پر غاصبانہ قبضہ کیا اور کشمیر کو اپنے پنجۂ استبداد میں دبالیا۔ 48ء اور 65ء کی جنگ ہم پر مسلط کی۔ اس سے پیشتر رن آف کچھ میں محاذ آرائی کی اور منہ کی کھائی۔ اس کے صرف چھ برس کے بعد ہم پر کاری ضرب لگائی اور ہماری عاقبت نااندیشی اور باہمی افتراق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان کو ہم سے ایک بین الاقوامی سازش کے ذریعے الگ کر دیا۔ پھر ہماری مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شملہ معاہدے میں ایسی شرائط شامل کرائیں جن سے کشمیر کی بین الاقوامی حیثیت مجروح ہوئی اور ہمارے قومی مفادات کو زک پہنچی۔ 1984ء میں شملہ معاہدے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے سیاچن گلیشیئر میں دراندازی کی جس کا شاخسانہ کارگل کی محاذ آرائی پر منتج ہوا۔ سر کریک پر بھارتی دعویٰ بھی کوئی زیادہ پرانی بات نہیں بلکہ یہ تنازع ابھی تک لاینحل ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے بعد بھارت اب آزاد کشمیر کی ملکیت کا بھی دعوے دار ہے۔ ان تمام اقدامات کا جائزہ لیجئے تو بھارت کی حکمت عملی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ چوہے یا نیولے کی طرح کتر کتر کر خدانخواستہ پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔ یہ حکمت عملی انگریزی زبان میں (Nibbling Tactics) کہلاتی ہے۔

بغل میں چھری منہ میں رام رام والی اس قوم نے آج تک قیام پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور ہر ممکنہ طریقے سے ہمیں نقصانات سے دوچار کیا ہے۔ معاشی میدان میں ہی دیکھ لیجئے کہ گھٹیا قسم کے سپورٹس کے سامان پر سیالکوٹ کی مہر لگا کر یورپ کو سپلائی کیا گیا اور بدنامی پاکستان کی ہوئی۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مشرقی پنجاب میں سیالکوٹ کے نام سے ایک قصبہ بسایا گیا تاکہ اتمامِ حجت ہو سکے۔ اسی طرح گھٹیا قسم کے چاولوں پر پاکستانی باسمتی کے لیبل لگا کر مشرق وسطیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہماری ساکھ کو نقصان پہنچایا گیا۔

اس طرح کی سوچ رکھنے والے دشمن کو یہ موقع حاصل ہو کہ وہ جب چاہے ہمارے دریاؤں کا پانی روک کر ہمارے ملک کو صحرا میں تبدیل کر سکے تو بھلائی کی توقع کوئی احمق ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا کشمیر پر بھارتی قبضے سے درحقیقت ہماری رگ جاں پنجہ ہنود میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مندرجہ بالا حقائق کا بار بار اعادہ کیا جائے تا کہ غیر قومی سوچ رکھنے والے افراد کم از کم تلخ معاشی حقائق کے پیش نظر ہی شاید اپنی آئندہ نسلوں کو درپیش خطرات کا ادراک کر لیں اور یہ سوال کرنا چھوڑ دیں کہ ہم کشمیر کے جذباتی نعرے کو تج کر بھارت کے ساتھ اچھے ہمسایوں کی طرح کیوں نہیں رہ سکتے۔ باقی تمام عوامل سے قطع نظر یہ ایک معاشی حقیقت ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اور اپنی شہ رگ کو دشمن کے ہاتھ میں دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ فی الوقت ہم دشمن کی دی ہوئی مہلت پر زندہ ہیں جو کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے اگر شہ رگ کٹوا کر مرنا ہی ہمارا مقدر ٹھہرا تو پھر جہاد کر کے اپنی گردن دشمن کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟

نوائے وقت

29/جولائی 1999ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملے گی اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ

عالمی میڈیا میں اس وقت صدر کلنٹن کا مجوزہ دورہ جنوبی ایشیا مرکز نگاہ ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم اور متنازعہ امر پاکستان کو شامل کرنا یا نظر انداز کرنا ہے۔ یہ معاملہ اس لئے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے امریکی فارن پالیسی میں ایک نمایاں تبدیلی کی عکاسی بھی ہو سکتی ہے حالات کو جوں کا توں بھی رکھا جا سکتا ہے اور بہت دھیمے انداز میں کسی ہلکی پھلکی تبدیلی کا احساس بھی دلایا جا سکتا ہے۔ موخر الذکر دونوں نکات صرف پالیسی میں تبدیلی کی تلبیس کاری کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں جب کہ حقیقت یہی ہے کہ امریکن پالیسی میں بھارت اور امریکہ کے حسب دلخواہ تبدیلی تو کب کی ہو چکی ہے۔ جتنا جلد ہم اس امر کا ادراک حاصل کر لیں اتنا ہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ حقیقت کچھ یوں ہے کہ اپنے وسائل آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بھارت ہمیشہ سے مغربی ممالک کیلئے خاص کشش رکھتا ہے مزید برآں سیکولرازم اور جمہوریت کی نقاب سے اس نے اپنے آپ کو مزید دلفریب بنا رکھا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جس ملک کو امریکی دورے کی دعوت پہلے دی گئی وہ بھارت تھا نہ کہ پاکستان۔ پنڈت نہرو کو دیئے گئے امریکی دعوت نامے کو اپنے مفادات کے لئے مضرت رساں سمجھتے ہوئے پاکستان کے دفتر خارجہ نے بہت تگ و دو کی اور لیاقت علی خان کے لئے بھی دعوت نامہ حاصل کر لیا۔ دریں اثناء ابتدائی امریکی سفارتکاری کا توڑ کرنے کے لئے روس نے بھی پاکستان کو دعوت نامہ بھیج دیا۔ دوسری طرف بھارت ابھی تک گومگو کی کیفیت میں تھا کہ پاکستان نے امریکی دعوت نامہ قبول کر لیا اور یوں آئندہ نصف صدی کے لئے برصغیر کے دو اہم ممالک متحارب کیمپوں میں بیٹھ گئے۔

اس وقت بھارت بزور شمشیر حیدر آباد جونا گڑھ، مناوادر اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر چکا تھا اور پاکستان کے خلاف حیدر آباد دکن کے انداز میں ''پولیس ایکشن'' پر بحث بھارتی پارلیمنٹ میں زور وشور سے جاری تھی۔ ملکی دفاع کو مضبوط کرنے کی خاطر کچھ عاجلانہ فیصلے کرنا شاید صاحبان اقتدار کی مجبوری تھی کہ انہوں نے روس کے مخالف کیمپ میں بیٹھنا بھی غنیمت جانا اور امریکہ سے بڑھ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکہ کا اتحادی کہلانے پر فخر محسوس کیا۔ آنے والے برسوں میں پاکستان کو اتحادی بنائے رکھنا امریکی مفادات کے لئے ناگزیر تھا لہذا انہوں نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ روس کی افغانستان میں دراندازی کے بعد تو یہ سراسر مجبوری کا سودا تھا۔ اس صورتحال کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ بھارت کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے امریکہ اور روس نے پاکستان کو ''لاسے'' کے طور پر استعمال کیا۔ دونوں بڑی طاقتوں کا اصل مطلوب بھارت تھا نہ کہ پاکستان، لہذا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ 1962ء میں چین کے ساتھ لڑائی کے دوران امریکہ نے بھارت کو غیر محدود دفاعی ساز و سامان دیا جو کہ اس کے اتحادی پاکستان کے مفادات کے خلاف تھا۔ اسی طرح بھارت نے غیر جانبداری کا ڈھونگ رچاتے ہوئے روس سے بھی غیر محدود دفاعی اور معاشی فوائد حاصل کئے کیونکہ بھارتی پالیسی سازوں نے طویل المدت منصوبہ بندی میں اپنے لئے راہ عمل کو کھلا رکھا۔ اس کے برعکس پاکستان نے متبادل راہ عمل کو مسدود کر لیا اور تمام انڈے ایک ہی ٹوکری میں رکھ دیئے۔ تا آنکہ 1958-62ء میں پاکستان تینوں متحارب فریقوں یعنی امریکہ، روس اور چین سے تعلقات میں توازن پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت چین جنگ کے دوران پاکستان کو صورتحال سے فائدہ اٹھانے سے روکا گیا ورنہ کشمیر 62ء میں ہی آزاد ہو گیا ہوتا۔ اسی طرح 71 میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور ہمارے اتحادی ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ سوویت یونین کی ٹوٹ پھوٹ اور معاشی تباہی کے باعث امریکہ نے از سر نو اپنے اہداف کا تعین کیا اور اس مرتبہ وہ بھارت کو زیر دام لانے میں کامیاب ہو گیا ہے البتہ بنیا اپنے مفادات حاصل کرنے میں امریکیوں سے بڑھ کر ہوشیار ہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ سرد جنگ کے اختتام پر امریکہ واحد سپر طاقت بن کر ابھرا ہے لہذا دوسرے قطب کی غیر موجودگی میں دنیا عدم توازن سے دوچار ہے۔ چین اپنی آبادی، رقبے اور وسائل کی بناء پر مزاحمتی گروپ کی قیادت کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے اپنے مفادات بھی مقدم ہیں۔ اس وقت چین کی اولین ترجیح معاشی استحکام اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول ہے لیکن اگر امریکہ نے بھارت کے ذریعے چین کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی تو ترجیحات تبدیل بھی ہو سکتی ہیں۔ تاہم جانبین کی عدم موجودگی میں اب غیر جانبداری کا ڈھونگ رچائے رکھنا بھارت کے لئے ضروری نہیں جب تک کہ ایک دوسرا کیمپ وجود میں نہ آ جائے۔ ہمارے لئے اہم بات یہ ہے کہ امریکی وابستگی اور مفادات اب طشت از بام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو چکے ہیں۔ اس خطے میں امریکی مفادات کا نگران اب بھارت ہی ہوگا اور اسی نسبت سے پاکستان کو کم اہمیت دی جائے گی لہٰذا ہمیں اپنے قومی مفادات کا خود تحفظ کرنا ہوگا۔ کشمیر میں امریکہ کی دلچسپی واجبی نوعیت کی ہے اور بھارت کی ہٹ دھرمی کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمیں اپنے جوہری پروگرام کی حفاظت بھی کرنا ہوگی ورنہ امریکی بھارتی گٹھ جوڑ کا دیو استبداد خدانخواستہ ہمیں کچل کر رکھ دے گا۔ ہمیں چین کے ردعمل کا انتظار کئے بغیر مستقبل میں جھانک لینا چاہئے۔ اب اس خطے میں ہمارے مفادات سراسر چین سے وابستہ ہیں۔ افغانستان، ایران اور مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کے علاوہ وسطی ایشیائی ممالک سے روابط بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ جنرل مشرف کا دورہ چین بہت بروقت تھا جس سے متبادل راہ عمل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ امریکہ مکمل طور پر منرو ڈاکٹرائن پر عمل پیرا ہو چکا ہے۔ ہمیں اس بت آذر سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ پاکستان کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا بہر حال امریکہ کے لئے بہت مشکل امر ہے۔ اگر صدر کلنٹن پاکستان کا دورہ نہیں کرتے تو صورتحال قبل از وقت ہی اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے گی جو کہ ڈپلومیسی کے تقاضوں کے خلاف ہوگا۔ بنگلہ دیش کا دورہ پہلے کرنے سے بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ بعد ازاں بھارت اور سب سے بعد میں پاکستان کے دورے کے امکانات ہیں۔ یہ بحث لاحاصل ہے کہ پاکستان کا دورہ کیا جائے گا یا نہیں۔ میرے تجزیئے کے مطابق صدر امریکہ کے لئے پاکستان کا دورہ ناگزیر ہے۔ بظاہر یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے لیکن اس کے جواز میں منطقی دلائل دیئے جاسکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ امریکہ کے لئے ایک ایٹمی صلاحیت کے حامل ملک کو اپنے حلقہ اثر سے نکالنا دانشمندانہ اقدام کہلا سکتا ہے کیونکہ اس کے بہت سے دوررس منفی اثرات ہو سکتے ہیں۔ امریکہ نے اس خطے میں ان ممالک سے بھی معاملات طے کرنے ہیں جو پاکستان کے زیر اثر ہیں اور پاکستان سے اپنے دیئے ہوئے قرضے بھی وصول کرنے ہیں۔ عالمی دہشت گردی پر بھی قابو پانا ہے اور منشیات کی روک تھام بھی کرنی ہے۔ اگر امریکی حکومت کے مشیر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ان معاملات میں پاکستان کا تعاون درکار نہیں تو یہ ان کی بھول ہوگی۔ اور بھول کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑتا ہے چاہے واحد سپر پاور ہی کیوں نہ ہو۔ نئی صدی کے آغاز پر اس طرح کے غلط سگنل سے امریکہ اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر پائے گا۔ فی الوقت امریکہ اس دورے کے عوض پاکستان سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے لئے التوا کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اس اعصابی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ میں عالی حوصلگی اور ثابت قدمی کی اشد ضرورت ہے۔امریکی صدر کے دورے کی خاطر ہمیں اپنے طویل المدت مفادات کو داؤ پر لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پاکستان کا دورہ کرنا امریکہ کی مجبوری ہے۔

نوائے وقت

9/مارچ 2000

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

قومیتوں کا مسئلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم قومیت اور مہاجر

اللہ اللہ یہ دن بھی آنا تھا کہ جن قابل احترام ہستیوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر دو قومی نظریئے کی بنیاد پر ایک علیحدہ وطن حاصل کیا آج ان کی تیسری نسل اسی نظریئے کے بطلان پر تل گئی ہے۔ یعنی جس شاخ پر آشیانہ بنا رکھا ہے اسی شاخ کو کاٹنے کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ نوائے وقت میں چھپنے والے ایم کیو ایم کے ڈپٹی کنوینئر کے خیالات بہت سے افراد کے لئے چشم کشا ضرور ہوں گے تاہم ان میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ اب تو محبّ وطن مہاجروں کو بھی اس تنظیم کے خفیہ عزائم کا علم ہو چکا ہے۔ آج سے اکتہر برس پہلے جب خطبہ الہٰ آباد میں پہلی مرتبہ حکیم الامت نے مسلم قومیت کی بنیاد پر ایک علیحدہ خطہ ارض کا تصور پیش کیا تو برصغیر کے تمام مسلمانوں نے آمنا و صدقنا کہہ کر اس نظریئے کو حرز جان بنا لیا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ایک شاعر کا خواب تھا جس کی تکمیل و تعبیر مسلمانوں کا فریضہ تھا بلکہ اس کی وجہ اس نظریئے کی حقانیت تھی کیونکہ اس کی جڑیں اور جواز قرآن پاک میں چودہ سو سال سے موجود تھے اور تا قیامت رہیں گے۔

دو قومی نظریئے کی بنیاد یہ ازلی حقیقت بنی کہ از روئے مذہب اور عقیدہ مسلمان چاہے کسی بھی ذیلی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں' وہ بنیادی طور پر امت مسلمہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں دنیا بھر میں جب مسلم اور غیر مسلم کا سوال اٹھتا ہے' تو تمام غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے خلاف صف بند ہو جاتی ہیں۔ لیبیا' بوسنیا' سربیا' کسووا' فلسطین' چیچنیا' عراق' ایران' سوڈان' افغانستان غرضیکہ کسی بھی مسلمان ملک کو دیکھ لیں' آپ تمام غیر مسلم اقوام کو ان کے خلاف متحد پائیں گے۔ یہی دو قومی نظریہ ہے۔

قرآن حکیم میں کوئی تحریف ممکن نہیں کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی قادر مطلق نے خود لے رکھی ہے۔ لہٰذا دو قومی نظریئے کو غلط کہنے والے افراد کو سوچنا چاہئے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا پیروکار ہونے کے لیا تقاضے ہیں۔

حکیم الامت نے مسلم قومیت کے نظریے کی توضیح کرتے ہوئے یہ بنیادی حقیقت پیش نظر رکھی کہ رنگ، نسل، زبان اور کلچر کی اہمیت ثانوی ہے اور عقیدہ توحید مسلمانان عالم کو ایک لڑی میں پرونے والا بنیادی عنصر ہے۔ لہٰذا مسلمان ایک قوم ہیں اور غیر مسلمانوں کے مقابلے میں ایک قوم رہیں گے۔ یہودیت بنی اسرائیل کی نسل تک محدود ہے۔ فرانسیسی، جرمن، انگریز، ڈچ وغیرہ عیسائی ہونے کے باوجود نسلی اور لسانی لحاظ سے بٹے ہوئے ہیں اور وطنیت کی بنیاد پر باہم دست و گریباں ہیں۔ علامہ اقبال نے مسلمان قومیت کی تشریح کی ضمن میں فرمایا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

کیا قومیت کی تعریف نسل، رنگ، زبان اور تہذیب و تمدن سے عبارت ہے یا اس کا تعلق مشترکہ عقیدے سے ہے؟

آیئے قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کریں جس کے مطابق تمام اہل ایمان ایک ہی جماعت ہیں جس کی بنیاد توحید اور ایمان ہے۔

یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کیا کرو اور یہ لوگ اپنے معاملے میں باہم متفرق ہو گئے (مگر) سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔
(سورۃ انبیاء آیت نمبر 92)

یہی مضمون دوبارہ سورہ مومنون کی آیت نمبر 52 میں دہرایا گیا ہے۔ جس کا بامحاورہ ترجمہ یوں ہے۔

"اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے آپس میں اپنے کام کو متفرق کر کے جدا جدا کر دیا۔ جس گروہ کے پاس جو چیز ہے وہ اس سے خوش ہو رہا ہے تو ان کو ایک مدت تک غفلت میں رہنے دو" گویا مسلمان قوم رنگ و نسل اور علاقے کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدے کی بنا پر ایک قوم ہے۔

اپنے عقیدے اور دین کی حفاظت کی خاطر جو افراد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے وہ سب مہاجرین تھے۔ اس میں رنگ، نسل، علاقے یا زبان کی کوئی تخصیص نہ تھی جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ایم کیو ایم صرف اردو دان حضرات کو مہاجر گردانتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلم قومیت کی نفی اس بنیاد کو ہلانے کے مترادف ہے جس پر پاکستان قائم ہے کیونکہ اگر مسلمان اور ہندو دو الگ اقوام نہیں تھیں تو ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے کا کیا جواز تھا؟ دوسری جانب اگر رنگ، زبان اور نسل پر قومیت کی بنیاد رکھی جائے تو ویسے ہی خدانخواستہ پاکستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے کیونکہ تقسیم در تقسیم کا عمل تو غیر محدود ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت اور اس کے حواری دو قومی نظریئے کو غلط ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔ مہاجرین کی پاکستان میں آمد پر ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا گیا اور یکساں وسائل کی کمی عوام نے ذاتی ایثار سے پوری کی۔ 1947ء میں مشرقی پنجاب سے آنے والے مہاجرین موجودہ پنجاب میں یوں شیر و شکر رہنے لگے کہ آج مقامی اور مہاجر کے درمیان فرق معلوم کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ بہار سے مسلمانوں کی اکثریت نے مشرقی پاکستان کا رخ کیا جب کہ یوپی کے مہاجرین کی اکثریت کو سندھ میں آباد کیا گیا۔ اس کی متعدد سیاسی اور معاشی وجوہات تھیں۔ ایک تو کراچی کے نہ صرف دارالخلافہ بلکہ بندرگاہ بھی ہونے کی وجہ سے وہاں روزگار کے زیادہ مواقع تھے ثانیاً یوپی سے آنے والے مہاجرین کی اکثریت تعلیم یافتہ تھی اور دارالحکومت میں خالی آسامیاں موجود تھیں۔ ثالثاً وزیراعظم لیاقت علی خان کو اپنا انتخابی حلقہ درکار تھا اور مہاجرین یہ ضرورت پوری کر سکتے تھے۔ رابعاً متعدل آب و ہوا کی وجہ سے مہاجرین نے خود بھی کراچی کو ترجیح دی۔ خامساً سندھ سے بڑی تعداد میں ہندو نقل مکانی کر چکے تھے جن کی چھوڑی ہوئی املاک مہاجرین کے لئے دستیاب تھیں۔ سادساً اپنی زبان اور کلچر کے لحاظ سے یوپی اور سی پی کے مہاجرین کو ایک علاقے میں اکٹھے رہنا زیادہ راس آیا۔ اس موقع پر مقامیوں کا طرز عمل کیا تھا؟

قیام پاکستان کے وقت لوگ قربانی کے جذبے سے سرشار تھے اور اس حوالے سے اکثریت انصار نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔ مہاجرین کی پاکستان آمد پر ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا گیا اور کمیاب وسائل کی کمی کو عوام نے ذاتی ایثار سے پورا کیا۔ اس وقت مہاجرین کی آبادکاری کو ہر امر پر ترجیح دی گئی۔ حصول ملازمت کے لئے جو فارم پرنٹ ہوئے ان پر واضح الفاظ میں ایک سوال ہوتا "مقامی یا مہاجر؟" مہاجرین کو تمام ملازمتوں کے لئے ترجیحی بنیادوں پر روزگار فراہم کیا گیا۔ یہ کسی کا ان پر احسان نہ تھا بلکہ ان کا پاکستان اور اہل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستان پر حق تھا۔ ہندوستان سے آنے والے تمام مہاجرین ہی مرفہ الحال نہ تھے تاہم بلاامتیاز سب کو املاک الاٹ کی گئیں اور زبانی شہادتوں کی بناء پر اعلیٰ مناصب پر فائز کیا گیا۔ اصولاً دو چار سال بعد یہ تفریق ختم کر دینی چاہئے تھی لیکن ایسا نہ کیا گیا تو اندرون سندھ میں رہنے والے سندھیوں میں احساس محرومی پیدا ہونے لگا۔ ایک سندھی نے راقم الحروف سے یوں شکایت کی کہ "بابا ٹھیک ہے۔ مہاجرین لٹ پٹ کر آئے تھے تو ان کی مدد ضرور کی جانی چاہئے تھی لیکن ہمارے آقا تو پہلے ہندو تھے اب مہاجر ہیں۔ جب یہ خالی ہاتھ آئے تھے تو پاکستان بننے کا اصل فائدہ تو انہوں نے اٹھایا کہ اب بنگلوں میں رہتے اور گاڑیوں میں گھومتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ کیا آیا اور ہماری تقدیر کب بدلے گی؟"

اس جملے کی زہرناکی سے قطع نظر اس میں موجود حقیقت کا ادراک ضروری ہے تاکہ کسی منطقی نتیجے پر پہنچا جاسکے۔ معاشی حقائق بہت تلخ ہوتے ہیں اور صرف اصحاب فہم و دانش ہی ٹھنڈے دل و دماغ سے ان پر غور کر سکتے ہیں۔ تعصب کی عینک اتارے بغیر درست نتائج اخذ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

لیاقت علی خان تو ایک فرد تھے لیکن حکومت صرف فرد واحد سے عبارت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اگلے تین عشروں تک تمام اعلیٰ ترین حکومتی مناصب پر مہاجر حضرات تعینات تھے۔ مہاجرین کی اکثریت نے بے پناہ قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سندھ کے کوٹے سے سی ایس پی اور پولیس سروس میں ہونے والے سب مہاجر تھے۔ مسٹر ممتاز بھٹو کے عہد وزارت میں شہری اور دیہاتی کوٹہ مقرر کیا گیا' جس کے ساتھ ہی نفرت کا لاوا پھٹ نکلا جو بعد میں لسانی فسادات پر منتج ہوا۔ بنیادی طور پر یہ ایک غلط عمل کا غلط رد عمل تھا جو نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ تاہم اس بات کا جواب ڈھونڈنا ضروری ہے کہ جب چون برس پیشتر لٹے پٹے مہاجرین خالی ہاتھ سرزمین پاکستان پر وارد ہوئے تھے تو ان کی موجودہ خوشحالی کس چیز کی مرہون منت ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ قیام پاکستان کے باعث ممکن ہوا جس کی بنیاد دو قومی نظریہ فراہم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ ترجیحی سلوک ربع صدی سے بھی تجاوز کر گیا تو اندرون سندھ رہنے والے سندھیوں کے مفاد کا تحفظ کرنے کیلئے شہری اور دیہی کوٹہ مقرر کیا گیا جس سے اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مہاجر دانشور بیرسٹر ثمین خان کا کچھ عرصہ قبل نوائے وقت میں شائع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے والا مضمون بہت غیر جانبداری سے لکھا گیا ہے جس میں انہوں نے شروع کے سالوں میں مہاجر بیوروکریٹس کی جانب سے روا رکھی جانے والی کوتاہیوں کی جانب اشارہ کیا ہے جس سے سندھیوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تاہم ممتاز بھٹو کے اقدامات بھی غیر متوازن اور منفی ردعمل پر مبنی تھے جس سے حالات مزید الجھ گئے۔ جس کو اس امر میں شک ہو وہ اہم محکموں کے ایپوائنٹمنٹ بورڈ دیکھ کر جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کر لے۔ صرف اعلیٰ بیوروکریٹس' فارن سروس' آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس' خزانہ صنعت و تجارت' بینکاری' پورٹ ٹرسٹ' کمپاؤنڈروں' ڈاکٹروں اور کلرکوں کو انجینئر تسلیم کر لیا گیا کیونکہ فسادات میں تعلیمی اسناد کی حفاظت نہ کر سکنے کا عذر معقول تھا۔ ان تمام باتوں کا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ ریکارڈ کو درست رکھا جا سکے۔ آج بھی اگر آبادی کے تناسب کو مدنظر رکھا جائے تو اہم ترین اعلیٰ عہدیداران کی واضح اکثریت "مہاجرین" پر مشتمل دکھائی دے گی۔ اگر ایسا آبادی کی بنیاد پر کیا جاتا تو شاید ایک چوتھائی مہاجر بھی عہدے حاصل نہ کر سکتے۔

کوٹہ سسٹم پر آپ کا متحارب فریق سندھی ہے' لیکن غصہ پنجاب پر نکالا جا رہا ہے۔ چلئے کوئی بات نہیں۔ مشرقی پاکستان کے باسی بھی تمام غیر بنگالیوں کو بشمول بہاریوں کو پنجابی کی گالی دیا کرتے تھے۔ گویا اس وقت ہر غیر بنگالی ان کی نظر میں پنجابی ہی تھا۔ حقیقت یوں ہے کہ مہاجرین کی عظیم اکثریت آج بھی آپ سے متفق نہیں۔ لیکن آپ کے اصل عزائم آشکار ہونے کے بعد وہ بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ خاموش اکثریت آج بھی دل و جان سے دو قومی نظریے کی قائل اور پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کی دعویدار ہے۔ البتہ شہری کونئے حوالے سے بعض اذہان میں کچھ تحفظات ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کوٹہ سسٹم سے جوہر قابل کی حق تلفی ہوئی ہے اور یہ بات بظاہر درست بھی ہے۔

بدقسمتی سے ایم کیو ایم کی پرداخت ہی غلط بنیادوں پر ہوئی اور یو پی سی پی کے سوا دوسرے علاقوں سے ہجرت کرنے والے مہاجرین ان کے مطابق مہاجر کی تعریف پر پورا نہیں اترتے کیونکہ ان کے مطالبات اردو دان طبقے تک محدود ہیں۔ بجائے اس کے کہ پنجابی' پٹھان' سندھی اور بلوچی کے تصور سے نجات حاصل کی جاتی اس میں ایک اور "قومیت" کا اضافہ کر دیا گیا۔ تقسیم در تقسیم کا یہ عمل آخر کہاں جا کر رکے گا؟

بقول علامہ اقبال!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

محترم مقالہ نگار نے نہ صرف غلط بیانی سے کام لیا ہے بلکہ وہ حقائق سے بھی نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے ٹیلی ویژن فلم اور سرکاری اداروں میں مسلمانوں کی تعداد ان کی آبادی کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے۔ حقیقتاً یہاں دھاندلی کی حد تک اندھیرے میں لاٹھی گھمائی گئی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا پندرہ فیصد ہے لیکن انہیں صرف تین فیصد سرکاری ملازمتیں دی گئی ہیں اعلیٰ ملازمتیں نصف فیصد سے بھی کم ہیں ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ جب انہیں مہاجرین کے اعلیٰ منصب پر فائز افراد کا حوالہ دیا جاتا ہے تو وہ بیک جنبش قلم چیف ایگزیکٹو' چیف جسٹس' وزیر داخلہ اور باقی مشاہیر کو پاکستان کے "شوبوائے" قرار دے دیتے ہیں۔ یہ تعصب کی انتہا ہے۔ بھارت میں تو اب مسلمانوں کا دینی تشخص بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ مسلم فیملی لاز جو انگریز کے زمانے میں بھی لاگو تھے اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں لیکن حکومتی پالیسی کے تحت لڑکوں کو روزگار اور تعلیم کے مناسب ذرائع میسر نہیں ہوتے۔ نتیجتاً پڑھی لکھی مسلمان لڑکیاں غیر مسلموں سے شادی کرنے پر راغب ہو جاتی ہیں۔

میں بلحاظ سکونت پنجابی ہوں۔ پنجاب ایک انتظامی اکائی کا نام ہے نہ تو پنجاب اور سرحد میں صرف پنجابی اور پٹھان رہتے ہیں اور نہ ہی سندھ میں صرف سندھی اور بلوچستان میں صرف بلوچ بستے ہیں۔ پنجابی کسی نسل کا نام نہیں' پانچ دریاؤں کی سرزمین میں بسنے والا ہر شخص بلحاظ سکونت پنجابی کہلا سکتا ہے بعینہ جس طرح سندھ کی سرزمین میں بسنے والے سید اور بلوچ بھی اب سندھی کہلاتے ہیں حالانکہ نسلاً وہ سندھی نہیں بلکہ دیگر خطوں سے آکر چند صدیاں پیشتر سندھ میں قیام پذیر ہو گئے۔

مشاہیر میں سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایک پٹھان ہیں جب کہ ان کی موجودہ شناخت اردو دان طبقے سے ہے۔ جنرل حمید گل سواتی پٹھان ہوتے ہوئے پنجاب میں رہائش پذیر ہیں۔ پنجاب میں کرد' مغل' بلوچ' پٹھان اور "مہاجر" بھی بستے ہیں جن کا نسلاً اس خطے سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے رنگ' نسل اور قومیت کی اسی لئے نفی کی ہے کیونکہ اس میں انسان کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنا کوئی عمل دخل نہیں۔ قادر مطلق نے اگر ایک کو سید کے گھر پیدا کر دیا تو دوسرے کو خاکروب کی گود میں دے دیا' لہٰذا اس میں فخر و مباہات یا تحقیر و تذلیل کا کوئی جواز نہیں کیونکہ اس عمل میں نہ تو انسان کے اختیار کی بات ہے اور نہ وہ اسے تبدیل کرنے پر قادر ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عجیب حسن اتفاق ہے کہ میرے بہترین دوست نسلی لحاظ سے پٹھان' لسانی شناخت سے اردو دان اور بلحاظ فقہی عقیدہ شیعہ حضرات میں سے ہیں جب کہ میری پہچان ان تینوں حوالوں سے مختلف ہے۔ ہمارے لئے مسلم پاکستانی کا حوالہ سب سے بڑی شناخت ہے اور یہی شناخت دو قومی نظریے کی بنیاد ہے۔ قیام پاکستان کے وقت مختلف النسل لوگ مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے آئے لیکن وہ سب اسلام کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ اب جو کوئی گروہ یا جماعت نسل' زبان' کلچر یا فقہ کی بنیاد پر از سر نو اپنی الگ شناخت پر اصرار کرتی ہے وہ پاکستان اور دو قومی نظریے کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کی موجب قرار پائے گی۔

میرے بہترین دوست مہاجر حضرات میں سے ہیں اور میں نے انہیں بہترین انسان پایا۔ مجھے علم نہیں کہ مشرقی پنجاب میں اردو دان طبقے کو کسی مخصوص نام سے پکارا جاتا ہے یا نہیں۔ البتہ اس حقیقت سے ضرور واقف ہوں کہ وہاں گائے کی قربانی پر مسلمانوں کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔ وہ اچھوت اور ملیچھ کہلاتے ہیں اور ان کے چھونے سے ہندو بھرشٹ ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ہیرو ہندو دھرم کے دشمن اور ہندوؤں کے ہیرو اسلام کے دشمن ہیں۔ یہی اختلافات دو قومی نظریے کو بنیاد فراہم کرتے ہیں اور جب تک یہ اختلافات رہیں گے دو قومی نظریہ زندہ رہے گا۔

ڈاکٹر خالد مقبول نے فرانس' جرمنی' اٹلی اور آسٹریا کی مقامی پارٹیوں کا ذکر کر کے ایک مزید غلط بیانی کی ہے۔ ان ممالک میں ایسی پارٹیاں صرف مافیا کی صورت میں موجود ہیں اور ان کی حرکات فاشزم کے زمرے میں آتی ہیں۔ زیر زمین سرگرم پارٹیاں لاقانونیت کی مرتکب ہوتی ہیں تو ان سے مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ کیا موصوف کسی ایسی پارٹی کا نام بتانا پسند کریں گے جسے قانونی تحفظ حاصل ہو؟ صدیقی صاحب حقائق کو تو مسخ نہ کریں۔ شاید آپ فرنچ' کینیڈا اور کیوبک کے مسئلے پر کینیڈا کی حکومت کے سبق آموز اقدامات سے آگاہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ یہی حال آئرلینڈ کا ہے۔

باور کیا جاتا ہے کہ کوٹہ سسٹم نظم سے صرف وڈیروں اور جاگیرداروں کو فائدہ پہنچا ہے جبکہ عام سندھی اس کے فوائد سے محروم ہے۔ تمام وڈیرے کراچی میں مقیم ہیں اور ان کے بچے انہی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں جن میں مہاجر طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تاہم جب اعلیٰ تعلیم یا ملازمت کا موقع آتا ہے تو سندھی ہونے کی بنا پر کم نمبر حاصل کرنے والا وڈیرے کا بیٹا بھائی یا پوتا کامیاب ہو جاتا ہے۔ جبکہ ذہین اور بہتر پوزیشن حاصل کرنے والے مہاجر امیدوار مسترد کر دیئے جاتے ہیں۔ دوسری جانب اندرون سندھ میں مقیم ہاری نہ تو تعلیم حاصل کرتا ہے اور نہ ہی اعلیٰ ملازمتوں کے لئے امیدوار ہے لہٰذا یہ نظام آئندہ پچاس برسوں بعد بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر پائے گا۔

اس مسئلہ کا ایک انتہائی مستحسن حل میرے دانشور مہاجر دوست جناب اظہر عباس ہاشمی یہ تجویز کرتے ہیں کہ کوٹہ مقرر کرنا ناگزیر ہے تو اسے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی بنیاد پر مقرر کیا جائے۔ یعنی کسی یونیورسٹی سے جتنے گریجوایٹ ایک سال میں کامیاب ہوں' یونیورسٹی کے کوٹے کی بنیاد پر مقررہ تعداد کو اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اس تجویز پر عمل درآمد سے صوبائی' نسلی اور لسانی تعصب کا خاتمہ ہو گا۔ یونیورسٹیوں میں مقابلے کے رجحان سے معیار تعلیم بہتر ہو گا اور جاگیردار اور وڈیرے چور دروازے سے دوسروں کے حقوق میں نقب نہیں لگا سکیں گے۔ یونیورسٹیوں کا کوٹہ مقرر ہونے سے طلبہ میں انفرادی طور پر بھی مقابلے کا رجحان بڑھے گا تو وہ مقررہ کوٹے کے اندر آنے کے لئے مزید محنت کریں گے۔ یہ ایک خاصی معقول تجویز ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم مہاجرین بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ کسی بھی معقول مطالبے میں وہ تمام پاکستانیوں کو اپنے ساتھ پائیں گے۔ انہیں بھی چاہئے کہ لاقانونیت اور سماج دشمنی پر تلے ہوئے عناصر کو اپنی صفوں سے نکال دیں۔ جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے تو وہ زندہ ہے اور انشاءاللہ اپنی حقانیت ثابت کرتا رہے گا۔

اپنے اعداد و شمار درست کرنا چاہیں تو بھارت کے (نو مسلم) وکیل خالد لطیف گابا کی (PASSIVE VOICES) اور ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" کا مطالعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضرور کریں۔ آپ خود ہی دو قومی نظریئے کے قائل ہو جائیں گے۔ اول الذکر کتاب قیام پاکستان کے بعد تحریر کی گئی تھی اور آج بھی اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟

خبریں 19-20 مئی 2000ء

نوائے وقت 6 جون 2000ء

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایم کیو ایم.....شاخ نازک پر بننے والا آشیانہ

روزنامہ خبریں میں 3اور 4 مارچ کو جناب الطاف حسین کا طویل خط شائع ہو چکا ہے۔ ''خبریں'' کا طرز عمل لائق صد تحسین ہے کہ اس ادارے نے ملکی سلامتی سے متعلق اس حساس موضوع پر دعوت فکر دی ہے۔ میں اس موضوع پر جو کچھ لکھوں گا وہ میرے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہے اور اس میں کسی ایجنسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کیونکہ میں ایم کیو ایم کی تنظیمی نفسیات سے واقف ہوں کہ انہیں ہر جھاڑی کے پیچھے کوئی ایجنسی بیٹھی دکھائی دیتی ہے اور وہ خود احتسابی اور دروں بینی کے بجائے اداروں پر الزام تھوپ کر فوائد حاصل کرتے ہیں۔

الطاف حسین نے اپنی تحریر میں خاصا محتاط رویہ اپنایا ہے اور حالات سے ناواقف قارئین کے سامنے اپنا کیس بظاہر بہت منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔ جذباتیت سے قطع نظر مجھے اس حقیقت کا بھی شعور ہے کہ اردو میری مادری زبان نہیں اور اظہار خیال کیلئے مجھے اردو زبان پر اہل زبان جیسی قدرت حاصل نہیں، تاہم جب بات ملکی مفادات اور سلامتی کی ہو تو پیرائیہ اظہار کی اہمیت ثانوی ہو جاتی ہے۔

اہم حقیقت یہ ہے کہ یہ ملک اتنا ہی سندھیوں، پٹھانوں، پنجابیوں اور بلوچوں کا ہے جتنا کہ مہاجروں کا اور اہل وطن کی واضح اکثریت کا اس پاک سرزمین سے ایک اٹوٹ اور مقدس رشتہ ہے۔ اگر پاکستان کی سلامتی کو خدانخواستہ کوئی زک پہنچی تو یہ اس واضح اکثریت کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہوگا، کیونکہ ان کے پاس بیرون ملک نہ تو کوئی محفوظ ٹھکانا ہے اور نہ وہ غیر معینہ مدت کیلئے غلامی کا طوق پہن کر یہ انتظار کر سکتے ہیں کہ غیب سے کوئی آئے اور ان کے لئے پھر سے ایک آزاد خطہ زمین حاصل کرے، جہاں ان کی آنے والی نسلوں کا مستقبل محفوظ ہو۔ لہٰذا ملکی سلامتی کے متعلق ایک اوسط درجے کے پاکستانی کی حساسیت بھی قابل فہم ہونی چاہئے۔ نتیجتاً جو فرد یا تنظیم بھی وسیع تر ملکی مفاد کی بجائے صوبائی، نسلی اور لسانی بنیادوں پر پاکستان کو کمزور کرے گی وہ درحقیقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے دشمنوں کے عزائم پورے کرنے میں معاون ثابت ہوگی اور اسی بنا پر ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

کچھ بنیادی حقائق

مزید آگے بڑھنے سے بیشتر کچھ بنیادی حقائق کا اعادہ سودمند ہوگا۔ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے خطے بنیادی طور پر انتظامی اکائیاں ہیں۔ نہ تو پنجاب اور سرحد میں صرف پنجابی اور پٹھان رہتے ہیں اور نہ سندھ اور بلوچستان میں بسنے والے صرف سندھی اور بلوچی ہیں۔ اسی طرح پنجابی کسی نسل کا نام نہیں، بلکہ پانچ دریاؤں کی سرزمین میں بسنے والے تمام افراد پنجابی کہلا سکتے ہیں، جس طرح کہ سندھ میں بسنے والے سید اور بلوچ بھی خود کو سندھی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، حالانکہ نسلاً وہ سندھی یعنی فرزند زمین نہیں بلکہ باہر سے آکر چند صدیاں بیشتر سندھ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔

مشاہیر میں سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی موجودہ شناخت اردو دان طبقے سے ہے اور ان کے عزیز و اقارب کراچی میں قیام پذیر ہیں، جب کہ جنرل حمید گل پٹھان ہوتے ہوئے پنجاب میں رہائش رکھتے ہیں۔ پاکستان میں کرد، درّانی اور وسط ایشیا کے افراد بھی بستے ہیں، جن کا نسلاً اس خطے سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان میں مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والے جالندھر کے خاندان بھی قیام پذیر ہیں، جنہوں نے قومی اور بین الاقوامی شہرت کے حامل کھلاڑی ڈاکٹر، جرنیل اور بیوروکریٹ پیدا کئے ہیں اور گزشتہ پچاس برسوں سے وہ اہم قومی معاملات میں دخیل رہے ہیں۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ میرے بہترین دوست نسلی لحاظ سے پٹھان، لسانی شناخت کے حوالے سے اردو دان اور بلحاظ فقہی عقیدہ شیعہ حضرات میں سے ہیں جب کہ میری پہچان ان تینوں حوالوں سے مختلف ہے۔

ہمارے لئے مسلم پاکستانی کا حوالہ سب سے بڑی شناخت ہے اور یہی شناخت دوقومی نظریئے کی بنیاد ہے۔ قیام پاکستان کے وقت جو حضرات ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تھے ان میں مختلف النسل لوگ شامل تھے جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن وہ سب اسلام کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ اب جو کوئی گروہ یا جماعت نسل، زبان، صوبے، کلچر یا فقہ کی بنیاد پر از سرنو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی الگ شناخت پر اصرار کرتی ہے وہ پاکستان اور دو قومی نظریئے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی موجب قرار پائے گی۔

غلط بنیادوں پر بننے والی پارٹی

بدقسمتی سے ایم کیو ایم کی پرداخت ہی غلط بنیادوں پر ہوئی اور نام کی تبدیلی کے باوجود اس کی پہچان ایک لسانی حوالے سے ہوتی ہے۔ان کے مطالبات آج بھی اردو دان طبقے تک محدود ہیں۔ وہ سندھ میں رہنے والے اردو دان حضرات کے سوا باقی کسی کو مہاجر تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔قیام پاکستان کے وقت جب ہماری واحد پہچان مسلمان تھی،تو اب خود کو ایک نئے حوالے سے شناخت کرانے کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں؟

شروع میں تو مسلم قومیت کی جگہ مہاجر قومیت کی بنیاد پر سیاست کی ابتدا کی گئی۔ بعد از خرابی بسیار پہلا متنازعہ نام ترک کیا گیا تو متحدہ قومی موومنٹ کی آڑ لی گئی۔گویا مسلم قومیت کا تصور آج بھی قابل قبول نہیں۔ بجائے اس کے کہ پنجابی، پٹھان، سندھی اور بلوچی کے تصور سے جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی اس میں ایک نئی ''قومیت'' کا اضافہ کر دیا گیا۔یہ تقسیم در تقسیم کا عمل آخر کہاں جا کر رکے گا؟

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور کہا سنا جا چکا ہے اور شاید اس کے اعادے کی ضرورت پیش نہ آتی تاہم پختونخوا کے مسئلے پر جب ایم کیو ایم نے کھل کر اے این پی کا ساتھ دیا،تو مزید خوش فہمی کی گنجائش نہیں رہی۔ پندرہ فروری کو جب ولی خان صاحب نے باچا خان کی برسی پر جلسہ عام سے خطاب کیا،تو بلوچستان سے بی این پی کے سینیٹر حبیب جالب اور سندھ سے جی ایم سید کے فرزند ارجمند سید امداد حسین شاہ کے علاوہ ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والے صوبائی وزیر تعلیم قاضی خالد صدیقی بھی اپنی اپنی جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے موجود تھے۔اس موقع پر قاضی خالد صدیقی نے علیحدگی پسندوں کی حمایت میں جو زہر افشانی کی وہ اخبارات کے صفحوں میں محفوظ ہے اور ایم کیو ایم کے اصل عزائم کی غماز ہے۔صدیقی صاحب نے نہ صرف پختونخوا کے مطالبے کی حمایت کی، بلکہ یہ مطالبہ نہ مانے جانے کی صورت میں ایسی دھمکی آمیز زبان استعمال کی، جو سراسر پاکستان کی سالمیت کے خلاف تھی۔ایم کیو ایم نے ایک دہائی بیشتر ابتدا ہی صوبائی اور لسانی حوالے سے کی تھی اور جی ایم سید کی آشیر باد سے کراچی کے در و دیوار پر یہ نعرہ تحریر کرایا تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سندھی مہاجر بھائی بھائی
دھوتی اور نسوار کہاں سے آئی

اس وقت یہ نعرہ پنجابی اور پٹھان افراد کی سندھ میں موجودگی کے خلاف لگایا گیا تھا۔ بعدازاں سندھیوں کو بھی کراچی، حیدرآباد اور میرپورخاص میں مشق ستم بنایا گیا تو اندرون سندھ شدید ردعمل پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں بلاامتیاز رنگ و نسل تمام غیر سندھیوں پر مظالم ڈھائے گئے۔

مضحکہ خیز اتحادوں کی تشکیل

انتہا پسند سندھی قومیت پرستوں نے نہ مہاجروں کو بخشا اور نہ ہی پنجابیوں اور پٹھانوں کو۔ اس موقع پر مضحکہ خیز اتحادوں نے جنم لیا۔ اندرون سندھ میں تو تمام غیر سندھی متحد ہو کر سندھی قوم پرستوں کا مقابلہ کر رہے تھے جب کہ کراچی، حیدرآباد اور میرپورخاص میں ایم کیو ایم کے انتہا پسند عناصر بدستور پنجابیوں اور پٹھانوں کو مظالم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پنجابی پختون اتحاد جیسی تنظیمیں وجود میں آئیں، تو گویا ایک برائی کی کوکھ میں سے دوسری برائی نے جنم لیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون کس کو مار رہا ہے۔ پی ایس ایف، ایم کیو ایم، پنجابی، سندھی اور پٹھان تمام خمسہ عناصر ایک دوسرے کی گھات میں تھے۔ کراچی میں روزانہ اوسطاً ایک سو اموات ہو رہی تھیں۔

1991ء میں پکا قلعہ آپریشن کیا گیا، جس میں بہت سے مہاجر مارے گئے، تو پوری قوم نے مہاجر حضرات سے عملی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اپوزیشن راہنما میاں نواز شریف کے علاوہ مقامی کور کمانڈر جنرل آصف نواز مرحوم اور بعدازاں جنرل اسلم بیگ نے بھی حیدرآباد کا دورہ کیا، تو فوج کے حق میں نعرے لگائے گئے۔ مہاجر حضرات نے حق کا ساتھ دینے پر فوج کیلئے خیر سگالی کا مظاہرہ کیا۔ انہی ایام میں جب امن قائم کرنے کے لئے فوج کی مدد کی بات ہوئی تو وزیراعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ نے کھلم کھلا فوج پر الزام لگایا کہ مہاجروں کے پاس فوج کا فراہم کردہ اسلحہ تھا، جس پر ہم قبضہ کرنے ہی والے تھے کہ فوج نے مداخلت کر کے ہمیں آپریشن سے روک دیا۔ خاتون وزیراعظم نے یہ بھی کہا کہ ہم امن بحال کرنے میں فوج کو کیوں ملوث کریں، کیونکہ مہاجر تو مدد کیلئے فوج کی طرف دیکھتے ہیں جب کہ مقامی سندھی پولیس کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ واضح رہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکا قلعہ آپریشن میں سندھ پولیس نے حصہ لیا تھا۔ بحیثیت وزیراعظم یہ بیان محترمہ کی ذہنی ناپختگی اور عصبیت کی غمازی کرتا تھا اور اس پر بہت لے دے بھی ہوئی کہ فوج جیسے قومی ادارے کی غیر جانبداری کو ملک کی وزیراعظم نے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایم کیو ایم کی انتہا پسند کارروائیاں

یہ بھی حقیقت ہے کہ ایم کیو ایم کے انتہا پسند عناصر مکمل طور پر مسلح تھے جیسا کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا۔ پکا قلعہ آپریشن کے آخری لمحات میں جب وہ مکمل طور پر گھر گئے تو مسلح افراد خواتین کے قرآن بردار جلوس کی آڑ میں مفرور ہونے میں کامیاب ہو گئے، تاہم حکومتِ وقت پر مہاجروں کی اموات کے حوالے سے بھی اتنی لعن طعن ہو رہی تھی کہ باقی تمام باتیں پس منظر میں چلی گئیں۔ یہ سب ایسے حقائق ہیں، جو اخبارات میں چھپ چکے ہیں اور ان میں کوئی سرکاری راز والی بات نہیں۔

اسی پس منظر میں اگست 90ء میں بے نظیر حکومت کو چلتا کیا گیا اور نئے الیکشن کروائے گئے، جن میں ایم کیو ایم نے بیشتر شہری نشستیں جیت لیں۔ جب مرحوم جام صادق علی نے سندھ میں حکومت تشکیل دی تو ایم کیو ایم کو بھی حکومت میں متعدبہ حصہ ملا۔ توقع کی جاتی تھی کہ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کر لینے کے بعد ہوش جوش پر غلبہ پالے گا، تاہم بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور لاقانونیت ہی ایم کیو ایم کی شناخت بنی رہی۔ اس عرصے میں ایم کیو ایم کے قائدین سے میری متعدد ملاقاتیں ہوئیں جن میں الطاف حسین صاحب، مرحوم عظیم طارق صاحب ڈاکٹر عمران فاروق، سلیم شہزاد، سینیٹر اشتیاق اظہر شامل ہیں۔ ان ملاقاتوں میں میں نے انہیں ہر بار یہی دوستانہ مشورہ دیا کہ اپنی جماعت میں ڈسپلن پیدا کریں، قانون شکن عناصر کی سرپرستی کرنا چھوڑ دیں۔ اپنے محترم و قابل تعظیم بزرگوں کی تقلید میں پاکستان کو مضبوط بنانے والے اقدامات کریں اور نسلی و لسانی نعرے تیاگ دیں۔ اس مشورے پر ان کا مجموعی ردعمل منفی ہی قرار دیا جا سکتا تھا، کیونکہ انہوں نے شاذ و نادر ہی اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کو تسلیم کیا۔ اسی عرصے میں جب تکبیر کے پریس اور دفتر کو شدید نقصان پہنچایا گیا، تو میں ملاقات کیلئے عزیز آباد گیا ڈاکٹر عمران فاروق نے پہلے تو ذمہ داری تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا، جب واضح ثبوت فراہم کیے گئے تو موصوف کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا ''یہ تو ہوگا وہ ہمارے خلاف کیوں لکھتے ہیں؟'' میں نے کہا دیکھئے قانوناً اور اصولاً آپ کو اختلاف رائے کے اظہار پر کسی کے جان و مال کو نقصان پہنچانے کا حق حاصل نہیں۔ اگر یونہی ہوتا رہا تو تمام پریس آپ کے خلاف ہو جائیگا اور یہ آپ کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ جواب ملا ''پریس کی کسے پرواہے۔ اپنے طویل المدت مفادات کی خاطر ہم وقتی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے''۔

یہ واقعہ صرف اس لئے بیان کیا ہے تا کہ آپ کو ایم کیو ایم کے رجحانات کا اندازہ ہو سکے۔

جبری جلاوطنیاں اور اعضاء کی قطع و برید

بعد ازاں تنظیم کی اپنی کمزوریوں کی بنا پر اختلاف رائے کا اظہار ہوا تو ایم کیو ایم نے ایجنسیوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ واضح رہے کہ اس وقت تک ''حقیقی'' معرض وجود میں نہیں آئی تھی، بلکہ باہمی اختلافات کا باعث مبینہ اخلاقی اور مالی بدعنوانیاں تھیں۔

اس کے علاوہ جبری بھتے اور ناروا مظالم پر بھی متاثرہ افراد تنظیم سے متنفر ہو چکے تھے۔ اس موقع پر اختلاف رائے رکھنے والے وزراء اور اراکین سے جبراً استعفے لیکر انہیں بیرون ملک روانہ کر دیا گیا۔ درحقیقت یہ جبری جلاوطنی تھی۔ متعلقہ افراد نے گورنر کے نام اپنے خط میں واضح کر دیا کہ ان سے زبردستی استعفیٰ لکھوایا گیا ہے، لہذا اسے نظر انداز کر دیا جائے تاہم ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والے سپیکر نے استعفے منظور کر لئے۔

ان دنوں عباسی شہید ہسپتال ''قائد تحریک'' کی فوری پناہ گاہ ہوا کرتا تھا۔ موصوف نے فوراً ہسپتال میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے ایجنسیوں کے خلاف گولہ باری شروع کر دی۔ راقم الحروف نے الطاف حسین سے ہسپتال میں ملاقات کی اور وضاحت چاہی کہ وہ کونسی ایجنسی کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ موصوف نے واضح طور پر ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کا نام لیا۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ فوج کی ایجنسیاں کیونکر آپ کے خلاف کام کر سکتی ہیں جب کہ چیف آف آرمی سٹاف آپ کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور لسانی حوالے سے بھی مہاجر کی تعریف پر پورا اترتے ہیں، تو موصوف نے کہا کہ پھر آپ ہی بتائیں کہ اور کونسی ایجنسی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انہیں ملٹری انٹیلی جنس پر الزام تراشی کرنے کے بجائے خود احتسابی کا مشورہ دیا گیا، کیونکہ تنظیم میں انتہا پسند دہشت گردوں اور جرائم پیشہ افراد کی موجودگی نے سنجیدہ مزاج اور پڑھے لکھے پاکستانی ذہنیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنے والے افراد کے ذہن میں تلاطم بپا کر دیا تھا۔ لہذا یہ ردعمل ایک فطری امر تھا۔

اس واقعے سے ایک برس پیشتر کور ہیڈ کوارٹر میں مخالفین نے ''قیدیوں'' کا بھی تبادلہ کیا تھا، جس کی مکمل تفصیل اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ ''قیدیوں'' پر روا رکھے جانے والے مظالم انسانیت سوز اور دل دہلا دینے والے تھے، جس میں اعضاء کی قطع و برید، آگ سے جلائے جانے اور ڈرل مشین سے سوراخ کر کے جوڑوں کو بیکار کرنے والے اقدامات وسیع پیمانے پر کیے گئے تھے۔ راقم الحروف نے الطاف صاحب کی توجہ ان مظالم کی طرف مبذول کروا کر سوال کیا کہ کیا ہٹلر نے جو مظالم یہودیوں پر ڈھائے تھے، وہ ایم کیو ایم کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم سے کم تر نہ تھے؟ جلد یا بدیر انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہی تھا لہٰذا انہی کے تربیت یافتہ اشخاص جب علیحدہ ہوئے تو گویا دو ظالم ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے اور اپنے آزمودہ ہتھکنڈے ایک دوسرے پر آزمانے لگے۔

نو گو ایریا اور ایم کیو ایم کا نیا مطالبہ

اب ایم کیو ایم کا مطالبہ ہے کہ نو گو ایریاز ختم کیے جائیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ حکومتی طاقت استعمال کر کے ایم کیو ایم کو ان علاقوں پر قبضہ دلایا جائے، جہاں حقیقی والوں کا اثر و رسوخ ہے۔ گویا ایم کیو ایم کی باہمی لڑائی میں حکومت بھی ایک فریق بن جائے۔

پاکستان کی سیاست میں تشدد کا عنصر تو مرحوم لیاقت علی خان کی شہادت سے ہی داخل ہو گیا تھا۔ بعد میں سپیکر کی مار پیٹ بھی ہوئی اور ایوب خان کے دور میں کراچی میں پُر تشدد حکومتی کارروائی بھی کی گئی۔ بھٹو دور میں بھی حکومتی جبر و استبداد سے کام لیا گیا۔ طلبہ تنظیموں میں تشدد کی کارروائیوں کے خلاف مزاحمت میں جماعت اسلامی نے ہتھیار متعارف کروائے، لیکن بحیثیت ایک جماعت کے مکمل طور پر تشدد اور قتل و غارت پر انحصار صرف ایم کیو ایم نے کیا ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ایک وقت تھا کہ پورا کراچی اور حیدر آباد ''نو گو ایریا ہو چکا تھا'' کیونکہ ہر طرف ایم کیو ایم کی حکمرانی تھی۔ اب کچھ علاقے فریق مخالف کے قبضے میں ہونے کی بنا پر اگر ایم کیو ایم کیلئے نو گو ایریا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں تو ایم کیو ایم کے قبضے والے علاقے حقیقی کیلئے بھی تو نو گو ایریاز ہیں!

یہ کہاں کا اصول ہے کہ مخالفین کی زبان بندوق کے ذریعے ہمیشہ کیلئے بند کرنے کی راہ اپنائی جائے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ آج دو بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان کے کئی دھڑے بنے اور پھر آپس میں ضم ہوئے۔ آج بھی دونوں پارٹیوں کے کئی کئی دھڑے ہیں، لیکن ہر فریق کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے اور کہیں بھی مخالفین کے گھروں کو جلانے، ان کی جان لینے یا ان کی آمد و رفت اور اظہار رائے میں رکاوٹ بننے والے اقدامات نہیں کئے جاتے۔ انفرادی طور پر اکا دکا ایسے ناپسندیدہ واقعات تو ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی تنظیم کے ایما پر ایسی مذموم حرکات کا منظم ارتکاب شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ البتہ حالیہ سالوں میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کو اس تجزیے سے استثناء حاصل ہے۔

ہر حکومت ایم کیو ایم کے یرغمال میں

حقیقت یہ ہے کہ سندھ کے شہری علاقوں میں ہر حکومت ایم کیو ایم کی یرغمالی رہی ہے اور تنظیم اپنے جائز و ناجائز مطالبات منواتی رہی ہے۔ بینظیر حکومت کے ماضی قریب والے دور میں امن عامہ کی صورتحال انتہائی مخدوش ہو چکی تھی۔ آخر وہ مرحلہ آ گیا کہ فوج، پولیس اور رینجرز کے ارکان کو بھی اغوا اور قتل کیا جانے لگا اور ملکی سلامتی خطرے میں پڑ گئی۔ لہذا حکومت انتہائی اقدام کرنے پر مجبور ہو گئی۔ حکومت کے طریقہ کار سے اختلاف کی گنجائش ہے، تاہم ایسے انتہائی اقدامات کے سوا قانون کی حکمرانی قائم کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ کچھ نہ کچھ زیادتیاں بھی ہوئی ہوں گی، کیونکہ اس طرح کے آپریشن میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے، لیکن حالات اس قدر گھمبیر ہو چکے تھے کہ جلد یا بدیر آپریشن کرنا ناگزیر ہو چکا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایم کیو ایم دہشت گردی میں ملوث نہیں تھی، تو آپریشن کے نتیجے میں دہشت گردی کیسے رک گئی؟ مزید برآں متذکرہ افراد کی جیلوں سے رہائی کے بعد قتل و غارت کے واقعات میں دوبارہ کیسے اضافہ ہو گیا؟

ایم کیو ایم (الطاف) کے لئے مشورہ

جناب الطاف حسین کیلئے ہمارا مشورہ یہی ہے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صدق دل سے توبہ کیجئے اور اپنی صفوں سے قانون شکن افراد کے اخراج کے بعد اپنی جماعت کی تنظیم نو کیجئے۔ یہ تنظیم پاکستان کی سلامتی اور استحکام کا موجب ہو نہ کہ انتشار کا باعث بننے والی ہو۔

الطاف حسین صاحب کے خط کا تنقیدی جائزہ

آیئے اب الطاف حسین صاحب کے خط کا تنقیدی جائزہ لیں، جو انہوں نے گزشتہ دنوں لکھا اور ''خبریں'' نے پورا متن چھاپا۔

ہمارا نکتہ وار تبصرہ حسب ذیل ہے۔

الطاف صاحب ، نے براہ راست کسی ادارے کا نام لئے بغیر اپنے خط میں 46 مرتبہ ایجنسیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ از روئے احتیاط جو دیگر نام استعمال کئے گئے وہ استحصالی عناصر، اقتدار مافیا، جمہوریت دشمن سرکاری عناصر، ظلم و جبر کا نظام چلانے والے، سازشی عناصر، دوقومی نظریہ کی نفی کرنے والے' پس پردہ ہاتھ' سرکاری اہلکار، ریاستی ادارے، جیسے القابات ہیں۔ تاہم آخری پیرے میں ان کے دل کی بات طشت از بام ہو کر رہی، جس میں موصوف فرماتے ہیں۔

''ایجنسیوں سے اپنے آپ کو اپنے ذہن کو محفوظ رکھئے..... ایجنسیوں کی باتوں میں..... ان کی جھوٹی رپورٹوں میں ہرگز ہرگز نہ آیئے..... کہ پاکستان کی سلامتی اور بقاء کی ذمہ داری صرف فوج پر ہی نہیں بلکہ ہر محب وطن پاکستانی پر عائد ہوتی ہے''۔

یہاں تمام احتیاط دھری کی دھری رہ گئی اور الطاف صاحب نے براہ راست فوج کے ادارے کو مورد الزام ٹھہرا دیا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بین السطور بھی اول تا آخر فوج کا ہی ذکر مقصود تھا۔

یہ وہ مخصوص نفسیاتی کیفیت ہے، جسے نفسیات کی اصطلاع میں PARANOIA کہتے ہیں۔ اس ذہنی کیفیت کا مریض اپنے آپ کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل سمجھتا ہے اور دیگر تمام دنیا کو اپنا دشمن قرار دے لیتا ہے۔ میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ایم کیو ایم کی قیادت PARANOIDS پر مشتمل ہے، جو کہ ریاستی اداروں پر الزام تراشی کر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خواہشمند ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایم کیوایم کی قیادت کواپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے اورخوداحتسابی کرکے اپنی خامیوں کو دور کرنا چاہئے۔ چوری، قتل اور دہشت گردی کرنے والے کوتو علی الترتیب چور، قاتل اور دہشت گرد ہی کہا جائیگا۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ان قبیح افعال میں ملوث افراد یہ اصرار بھی کریں کہ انہیں پاکدامن قرار دیا جائے۔ چوری سے توبہ کرنے کے بجائے چور کہنے والے کوگردن زدنی قرار دیا جائے۔

جہاں تک اس تنظیم کی غیر قانونی حرکات کا تعلق ہے تو یہ کوئی راز کی بات نہیں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ منحرفین کے خلاف انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے۔

اعضاء بریدہ بوری بند لاشیں کراچی کے چوراہوں پر پھینکی گئیں۔

فوج، رینجرز اور پولیس کے اہلکاروں کوگھات لگا کر ہلاک کیا گیا۔

جدید ترین مواصلاتی آلات کے ذریعے حساس ٹیلی فونوں کوٹیپ کیا گیا۔

غیر ملکی سفارتخانوں سے خفیہ روابط رکھے گئے۔

نوجوانوں کوٹیلی ویژن اوروی سی آر بیچ کر کلاشنکوف خریدنے کی ہدایت کی گئی۔

پیلی کوٹھی میں عقوبت خانہ بنایا گیا۔

میجر کلیم اوران کے ساتھیوں کواغوا کر کے غیر قانونی حراست میں رکھا گیا اور شرمناک سلوک کیا گیا۔

سرکاری عمارتوں پر راکٹ برسائے گئے۔ جبری بھتے وصول کئے گئے۔

اور پوری نوجوان نسل کوغیر قانونی حرکات میں ملوث کر کے ان کا مستقبل تاریک کردیا گیا۔

الطاف صاحب آخر کون کونسی حقیقت کوجھٹلائیں گے؟ اخبارات کے دفاتر کس نے جلائے۔

لاہور میں پریس کے خلاف دھمکی آمیز زبان کس نے استعمال کی؟

کیا وہاں پر بھی کوئی ایجنسی، آپ کی نمائندگی کر رہی تھی؟

کیا دہشت گردی میں ملوث ایم کیوایم کے کارکن بھارت میں پناہ نہیں لیتے رہے؟

کیا ان کے ''را'' سے روابط نہیں تھے؟

کیا بھارت نے آپ کے حق میں بیانات نہیں دیئے تھے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاکستان اور اہل پاکستان کی بدقسمتی

پاکستان کتنا بدقسمت ملک ہے کہ یہاں کے باسی ہر علاحدگی پسند اور اقتدار کے خواہاں فرد نے دشمن ملک بھارت سے امداد چاہی۔

مجیب الرحمن کی مدد کو بھارت پہنچا۔ قومیت پرست جیئے سندھ کا پشتیبان بھارت بنا۔

اے این پی کی سرپرستی بھارت نے کی۔

ملک سے مفرور جنوبی پنجاب کے وڈیرے سیاستدان نے بھارتی ٹینکوں پر سوار ہو کر ملک فتح کرنے کا عزم کیا۔

الذوالفقار کے دہشت گردوں کو بھارت نے تربیت دی۔

سندھ کے ایک مرحوم وزیراعلیٰ نے جلاوطنی کے دوران بھارت میں قیام کیا اور ''را'' سے مدد چاہی۔

اور ایم کیو ایم کے مفرور کارکنوں نے بھی بھارت میں پناہ لی۔

یہ تمام ناقابل تردید حقائق ہیں اور کسی ایجنسی کے تخیل کی پیداوار نہیں۔

آخر مجرم کب تک سیاست کی آغوش میں پناہ لیتے رہیں گے؟

الطاف صاحب نے مرحوم غلام حیدر وائیں کے قتل کا الزام بھی ایجنسیوں پر لگایا ہے کیا یہ حب الوطنی کا اظہار ہے؟

موصوف مزید فرماتے ہیں۔

''میاں نواز شریف سرکاری ایجنسیوں سے سمجھوتہ کر بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنی مجبوریوں کے تحت آپریشن کرنے والوں سے خاموش سمجھوتہ کر کے ایم کیو ایم کو چھوڑنا قبول کر لیا۔ آپ سمجھ ہی چکے ہوں گے کہ وہ ظلم و ستم بند کرانے میں ناکام تھے یا بے بس.....''

بین السطور جس طرح فوج کے خلاف گولا باری کی گئی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، جس کو ایم کیو ایم سے واقفیت رکھنے والے ہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح منفی پراپیگنڈا سے یہ تنظیم تمام قومی اداروں کی کردار کشی کرتی ہے اور اپنی لاقانونیت کیلئے جواز مہیا کرتی ہے۔

اس کذب بیانی میں ایم کیو ایم گوئبلز کو بھی پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ماضی میں ان کا پراپیگنڈا خاصا کامیاب بھی رہا ہے اور مہاجروں کی خاصی بڑی تعداد ان الزامات کو سچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھتی رہی ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

الطاف صاحب مزید فرماتے ہیں ''ملک توڑنے والوں اور دوقومی نظریہ کی نفی کرنے والوں کو تو کوئی سزا نہیں دی گئی، لیکن جس کسی نے بھی دوقومی نظریہ کے بارے میں اپنا اختلافی نقطہ نظر بیان کیا یا اختلافی مضمون لکھا، اسے انہی ملک توڑنے والوں نے غدار قرار دیدیا''۔ ''آج تک حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ عوام کے سامنے کیوں نہیں لائی گئی''۔

ان سطور پر غور کیجئے تو بین السطور ان کا اصل ذہن جھانکتا دکھائی دے گا۔

کہنا یہ مقصود ہے کہ حمود الرحمن رپورٹ سامنے آئے تو معلوم ہو کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ دار فوج تھی۔ اب یہ تو سب جانتے ہیں کہ یحییٰ خان شراب وشباب کے نشے میں دھت تھا اور بھٹو اور مجیب کے ہاتھوں اکثریت کے حقوق کی نفی کی گئی۔ سیاستدانوں نے غیر سیاسی اقدامات پر اصرار کیا۔ بڑی طاقتوں نے پاکستان کی شکست وریخت میں اپنا مفاد دیکھا اور ہندوستان کی جارحیت سے صرف نظر کرنے کے علاوہ اس کی عملی مدد کی اور یوں پاکستان دولخت ہوگیا۔ گویا پاکستان کو ایک غدار ایک عیار اور ایک بدکردار نے توڑا۔

تاہم الطاف صاحب اس کی مکمل ذمہ داری فوج کے ادارے کے سر پر ڈالتے ہیں کیونکہ فوج کی بدنامی سے ہی ان کے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل ہوسکتی ہے۔

دوقومی نظریئے سے اختلاف کا اعتراف

ایک اور بات جو قابل توجہ ہے وہ موصوف کا اعتراف ہے کہ وہ دوقومی نظریئے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلم قومیت کا تصور تسلیم کرلیا جائے تو مہاجر قومیت کیلئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ یہاں پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ پچاس برس پیشتر آپ کے آباؤ اجداد نے دوقومی نظریئے کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہوئے ہندوستان سے ہجرت کی۔ اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد آپ اس نظریئے کی نفی کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ آخر اس سے آپ کے کونسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے؟

ہندوستان بھی تو دوقومی نظریئے کو تسلیم نہیں کرتا۔

اے این پی بھی پختون قومیت کا پرچار کرتی ہے۔ یہی حال سندھی قومیت پرستوں کا ہے۔

تو کیا وفاق دشمن تمام عناصر کا نقطۂ نظر ایک ہی نہیں؟ کچھ تعجب نہیں کہ ایم کیو ایم نے اے این پی کے پختو نخواہ کے مطالبے کی حمایت کی۔

اب موصوف کا مطالبہ ہے کہ جب ملک توڑنے والوں کو (جو بقول ان کے افواج پاکستان ہیں) کوئی سزا نہیں دی گئی تو دوقومی نظریئے سے اختلاف رکھنے والوں کو غدار سمجھنے کے بجائے اپنے نظریات کے پرچار کی کھلی چھٹی ملنی چاہیئے۔

یہ مطالبہ مزید تبصرے کا محتاج نہیں البتہ اس سے ان کے عزائم آشکار ہو گئے ہیں۔

فوج کے ادارے پر متعصّبانہ الزامات

ایک اور نکتہ جس پر بہت زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ فوج کی ایجنسیاں ملک میں استحکام نہیں چاہتیں اور جب بھی ایم کیو ایم کا کسی پارٹی سے اتحاد ہوتا ہے، تو ایجنسیاں اس اتحاد کو تڑوا دیتی ہیں۔ فوج کے ادارے پر یہ گھناؤنا الزام تعصب اور جہالت کا مظہر ہے۔ اتحاد اس لئے ٹوٹتے ہیں کہ کوئی بھی حکومت کسی نہ کسی مرحلے پر ایم کیو ایم کے ناجائز مطالبات پورے کرنے سے قاصر رہتی ہے، جیسا کہ آج کل بھی ہو رہا ہے۔ ایم کیو ایم بدترین قسم کی سیاسی بلیک میلنگ سے فوائد حاصل کرنے میں ماہر ہے۔ جب ملکی مفاد کے پیش نظر ان کے مزید ناجائز مطالبات نہیں مانے جاتے، تو اتحاد ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں فوج کا کیا عمل دخل ہو سکتا ہے؟

الطاف صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقی کے دہشت گرد ایجنسیوں کی سرپرستی اور تحفظ میں ان کے کارکنوں کو قتل کر رہے ہیں۔ عجیب ستم ظریفی ہے کہ حقیقی کی قیادت بھی اسی طرح کے الزامات کا اعادہ کر رہی ہے۔ جناب والا یہ ایجنسیاں پاکستان کی ہیں یا بھارت کی کہ آپ باہمی قتل و غارت کا الزام بھی ان پر لگا رہے ہیں؟ کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایم کیو ایم ایجنسیوں نے ہی بنوائی تھی۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں؟ سیاسی انتشار اور عدم استحکام کسی دشمن ملک میں تو پیدا کیا جا سکتا ہے، اپنے ملک میں نہیں۔ کوئی قومی ادارہ اپنے ہی ملک میں دہشت گردی کا مرتکب نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کرسکتا ہے۔ یہ ایک انتہائی لغو اور قابل مواخذہ الزام ہے۔

الطاف صاحب کے یہ جملے قابل غور ہیں

الطاف صاحب کے خط کا مرکزی خیال فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے خلاف انتہائی مکروہ اور نفرت انگیز پراپیگنڈا ہے۔ انہوں نے قومی ادارے کیلئے جو توہین آمیز القابات استعمال کئے ہیں اور تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ کسی بھی محب وطن پاکستانی کیلئے ناقابل برداشت ہونا چاہئے۔

بقول ان کے ''استحصالی عناصر جھوٹے حربوں اور ہتھکنڈوں سے عوام کو خواب غفلت میں رکھتے ہیں تاکہ ظلم و جبر کا نظام چلانے والوں کے مکروہ اور سفاک چہروں کو نہ دیکھ سکیں۔''

مزید گل فشانی ملاحظہ کیجئے

الطاف صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

''1992ء کو جب فوجی آپریشن شروع کیا گیا، تو خود ساختہ ٹارچر سیل دریافت کئے گئے.....

لیکن جھوٹی کہانیوں کے پردے چاک ہونے لگے.....تو استحصالی عناصر شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئے اور جھوٹ کا خود ساختہ حربہ جناح پور کی سازش سے متعلق استعمال کیا.....

فوج کے بریگیڈیئر آصف ہارون نے صوبہ پنجاب کے صحافیوں کو جناح پور کے جعلی نقشے دکھائے.....لیکن آخر کار جھوٹوں کو باطل پرستوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

استحصالی عناصر کو اقتدار میں متوسط طبقے کی شمولیت پسند نہ آئی.....

اقتدار مافیا کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی

جاگیردارانہ نظام کے رکھوالوں میں بھی کھلبلی مچ گئی۔

سب نے سر جوڑ کر سازش تیار کی کہ ایم کیو ایم کو ریاستی طاقت سے کچل دیا جائے۔

''حال میں ہونے والے سانحوں کو بے نقاب کرنے کے لئے اور سازشی عناصر کے مقاصد کو سمجھنے کیلئے ماضی میں جانا ضروری ہوتا ہے۔ اقتدار مافیا نے 1970ء میں ملک توڑ دیا، لیکن انہیں کوئی سزا نہیں دی گئی، مگر اختلافی نقطہ نظر بیان کرنے یا مضمون لکھنے پر انہی ملک توڑنے والوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غدار قرار دیا.....

آج تک عوام حمود الرحمن کمیشن کا انتظار کر رہے ہیں.....

ہم سازشوں کو اور سازشی عناصر کو خوب سمجھتے ہیں مسلم لیگ کی بھی ذمہ داری ہے کہ سازشوں اور سازشی عناصر کو سمجھے.....

92ء کے فوجی آپریشن کے وقت جس طرح سازشوں کا شکار ہو گئے تھے، اگر اس مرتبہ بھی سازشی عناصر کی ریشہ دوانیوں اور مکروہ سازشوں کا شکار ہو گئے تو اتحاد ٹوٹنے کی ذمہ داری ایم کیو ایم پر نہ ہو گی.....

بعض سرکاری ایجنسیوں نے اتحاد توڑنے کی سازشیں شروع کر دیں اور ان کی مشکوک سرگرمیوں میں تیزی آنے لگی.....

سرکاری ایجنسیاں ایک سال کے اندر اندر آپ کی حکومت برطرف کر ڈالیں گی.....

آپریشن سے متعلق چودھری نثار اور غلام حیدر وائیں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو ان کے پیچھے سرکاری ایجنسیاں لگ گئیں.....

چودھری نثار نے آپریشن کے متعلق خاموشی اختیار کر لی، دوسری طرف غلام حیدر وائیں کو قتل کر دیا گیا.....

نہ قاتلوں کا پتا چل سکا، نہ ہی ان کی پارٹی نے قاتلوں کا سراغ لگانے کیلئے بھاگ دوڑ کی.....

سرکاری ایجنسیوں نے اپنی سازشوں میں ناکامی کے بعد سندھ میں لسانی فسادات کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی.....

جب تمام سازشیں ناکام ہو گئیں تو اپنے ایجنٹوں کو پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ہدایت کی.....

جب یہ افراد دھاندلی سے منتخب ہو گئے تو ایجنسیوں کے اشاروں پر مسلم لیگ ایم کیو ایم اتحاد توڑنے کی سازشیں کرنے لگے، حتیٰ کہ وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے ایجنسیوں کے ان افراد کے ہاتھوں بلیک میل ہونا شروع کر دیا.....

کراچی میں رہنے والے ایجنسیوں کی سازشوں کو خوب سمجھ چکے ہیں.....ایجنسیوں کو شدید مایوسی ہوئی۔ انہوں نے نئی سازش کے تحت اپنے ایجنٹوں کو حکم دے ڈالا کہ ایم کیو ایم کے کارکنوں کا قتل عام شروع کر دو.....

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گورنر سندھ کا رویہ بھی مایوس کن اور منفی رہا.....

وزیراعظم نے ایک بار پھر ایجنسیوں پر یقین کیا اور اپنا قبلہ اور رخ بدل لیا.....

ایجنسیوں نے اتحاد توڑنے کیلئے کیا کیا سازشیں اور حربے استعمال نہ کئے اور پھر فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا.....

معصوم افراد کے قتل عام کو آپس کا جھگڑا قرار دیا جا رہا ہے۔

وزیراعظم پھر ایجنسیوں کی جھوٹی رپورٹوں پر یقین کر رہے ہیں۔

ایجنسیوں سے اپنے آپ کو اپنے ذہن کو محفوظ رکھئے ان کی جھوٹی باتوں اور رپورٹوں میں ہرگز نہ آیئے کہ پاکستان کی سلامتی و بقاء کی ذمہ داری صرف فوج پر ہی نہیں"۔

موصوف جب فوج کے آپریشن سے بات کی ابتداء کرتے ہیں، فوج کے سابقے اور لاحقے سے ایجنسیوں کا ذکر کرتے ہیں، حتیٰ کہ غلام حیدر وائیں کے قتل کا الزام بھی فوج پر عائد کر دیتے ہیں اور خط کا اختتام بھی فوج کے تذکرے پر ہی ہوتا ہے، تو قارئین کیلئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہئے کہ ایجنسیوں کی آڑ میں فوج کو ہی ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ یہ دریدہ دہنی اور کذب بیانی کی انتہا ہے۔

قانون سے تعاون کی نئی تشریح

بدقسمتی سے ایم کیو ایم کی قیادت نہ تو اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتی ہے اور نہ خود احتسابی کے ذریعے بہتری کیلئے اقدامات کرتی ہے۔ حال میں ہی انہوں نے اپنے سزا یافتہ کارکنوں کو رہا کرایا ہے۔ یہی غلطی بینظیر بھٹو نے برسر اقتدار آ کر کی تھی۔ ایم کیو ایم جب قانون سے تعاون کی بات کرتی ہے تو ان کارکنوں کے نام بطور مجرم پیش کرتی ہے، جو تنظیم کے احکامات پر عمل نہیں کرتے یا جنہیں سزا دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ باقی ماندہ سرکش عناصر بھی عبرت حاصل کریں کہ عافیت صرف تنظیم کی غیر مشروط فرمانبرداری میں ہے۔

ان کی غیر قانونی اور ملکی مفاد کے خلاف سرگرمیاں چونکہ متعلقہ اداروں سے چھپی نہیں رہ سکتیں، لہذا وہ ایسے تمام اداروں کے خلاف عناد بھی رکھتے ہیں اور ان سے خوف زدہ بھی رہتے ہیں۔ تاہم PARANOIA کی اس کیفیت کے نقصانات کے علی الرغم وہ ایجنسیوں کی خیالی سازشوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادتیوں کا ذکر کر کے اپنے کارکنوں کو متحد بھی رکھتے ہیں۔ اس بیش بہا فائدے کے پیش نظر ''ایجنسیوں کی سازشوں'' کا ذکر ہمیشہ ان کی نوک زبان پر رہے گا۔

صرف نام تبدیل ہوا دل نہیں

الطاف صاحب کے خط سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ نام کی تبدیلی کے باوجود قلب و نظر کی تبدیلی واقع نہیں ہو سکی۔ وہ آج بھی صرف کراچی کے رہائشی اردو سپیکنگ طبقے کو ''اپنے عوام'' سمجھتے ہیں۔ ملک کے باقی عوام میں ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ موصوف نے وزیر اعظم کی وطن واپسی کی دعوت دینے پر جواب دیا۔ ''جب میں اپنے وطن جا کر اپنے عوام کے درمیان نہیں جا سکتا، تو پھر میرا اسلام آباد جانا کیا معنی رکھتا ہے۔''

یہ وہ مقام ہے جہاں ایم کیو ایم آج کھڑی ہے۔

مالی مفادات کے لئے جدوجہد

19 مارچ کو حکومت کے ساتھ ہونے والے حالیہ معاہدے میں ایم کیو ایم نے اپنا پانچ کروڑ کا مالی مطالبہ بھی منوا لیا اور قربانی کی کھالیں جمع کرتے وقت حکومتی تحفظ کا وعدہ بھی لے لیا۔ تاہم بعد میں وہ یہی مطالبہ بلدیاتی انتخابات کی الیکشن مہم میں بھی دہرائیں گے کہ انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔

بندوقوں کے سائے میں آخر یہ کس طرح کی سیاست کی جا رہی ہے؟ یاد رہے کہ موصوف نے 93ء والے قومی انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا اور بعد ازاں اپنے اس اقدام کیلئے بھی ایجنسیوں کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔

اب ظاہر ہے کہ اپنے حلیف سے محض اختلاف رائے رکھنے پر تو کوئی بھی حکومت فریق مخالف کو نیست و نابود کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔

ایم کیو ایم کو اختلاف رائے برداشت کرنا ہوگا اور نازیوں جیسے مظالم سے دستکش ہوتے ہوئے ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل کرنا ہوگا۔ سیاست تو نام ہی رواداری، برداشت اور مفاہمت کا ہے۔ بنوک سنگین مخالفین کی زبان بند کرنے کا عمل کبھی سود مند نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب اگر ایم کیو ایم اس لئے اتحاد توڑ دیتی ہے کہ حکومت نے ان کے مخالفین کی سرکوبی میں اپنے حلیف کا ساتھ کیوں نہیں دیا، تو کیا یہ جائز مطالبہ ہوگا؟

ان کی قیادت گورنر، وزیراعلیٰ، وزیراعظم، صدر، فوج، رینجرز، پولیس غرضیکہ ہر فرد اور ہر ادارے سے غیر مطمئن ہے۔ ان کی مثال اس شیر کی ہے کہ جس کو جب تک اپنا بازو چبانے کی اجازت دی جائے، وہ خوش رہتا ہے۔ جونہی اپنا بازو پیچھے کھینچ لیا جائے وہ غرانے لگتا ہے۔ لہذا جب بھی ان کے مزید مطالبات پورے نہیں ہوں گے اتحاد ٹوٹ جائے گا۔

کہیں یہ مولانا بھاشانی والی ''سلام علیکم'' تو نہیں

اب ایک آخری بات۔ اس کھلے خط کو شائع کرانے کے پیچھے کونسے مقاصد ہیں؟ یہ مولانا بھاشانی والی ''سلام علیکم'' تو نہیں؟ غالباً اس سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھ لیجئے ہم نے تو ہر طرح کی قربانی دی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنے کی کوشش کر کے دیکھ لی۔ اب آپ خود ہی ہمیں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتے تو پھر مجبوری ہے۔ آج سے ہمارے راستے الگ ہو رہے ہیں تو اس میں بھی سراسر آپ کا اور ایجنسیوں کا قصور ہے۔ یہ غالباً نئی حکمت عملی ہے، جو ایم کیو ایم کی قیادت نے اپنائی ہے۔

عام مہاجر آبادی بمقابلہ ایم کیو ایم

جہاں تک کراچی کے عوام کا تعلق ہے تو میرے مشاہدات حسب ذیل ہیں۔

1۔ مہاجروں کی عظیم اکثریت محب وطن پاکستانیوں کی ہے، جنہیں اپنی قیادت کے اصل عزائم اور مجرمانہ حرکات کا قطعاً علم نہیں۔ گوئبلز کی تکنیک استعمال کر کے بعض جھوٹ مسلسل تکرار سے اتنی بار دہرائے گئے ہیں کہ اکثر لوگ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں کہ ایم کیو ایم ان کے حقوق کی علمبردار ہے۔

2۔ سنجیدہ فطرت، پڑھے لکھے اور پاکستانی ذہن کے حامل افراد ایم کیو ایم کی سیاست سے لاتعلق ہیں لیکن کوئی متبادل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کسمپرسی کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محب وطن افراد کی تعداد دس سے پندرہ فیصد ہے۔ ذرا سی حوصلہ افزائی پر اس تعداد میں متعدبہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ ایسے اصحاب کو متحرک کرنے سے مثبت نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

3۔ پانچ سے سات فیصد ''مہاجر'' ایم کیو ایم کے بجائے جماعت اسلامی، مسلم لیگ اور مذہبی و سیاسی جماعتوں میں شامل ہیں۔

4۔ تقریباً بیس فیصد مہاجر ایم کیو ایم کے جوشیلے اور کٹر کارکن ہیں اور لسانی تعصب کا شکار ہیں۔ انہی افراد میں تقریباً دو تین فیصد قانون شکن عناصر بھی شامل ہیں، جو مالی فوائد حاصل کرنے کی خاطر جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔

5۔ تیس سے چالیس فیصد مہاجر ایم کیو ایم کے پراپیگنڈے کا شکار ہیں اور لاعلمی کی بنیاد پر بزعم خویش ''حق'' کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اگر انہیں حقیقت حال کا علم ہو جائے، تو وہ فوراً ایسی سیاست سے لاتعلقی اختیار کرلیں۔

بقایا بیس سے پچیس فیصد افراد جزوی یا کلی طور پر ایم کیو ایم کی غیر قانونی سرگرمیوں سے آگاہ ہیں یا براہ راست ان سے متاثر ہو چکے ہی۔ یہ افراد بزور استبداد ایم کیو ایم کا ساتھ دینے پر مجبور ہیں۔ ان میں صنعتکار اور کاروباری حضرات بھی شامل ہیں، جن سے جبری بھتے لئے جاتے رہے ہیں۔

گزشتہ دو ادوار میں یہ پیپلز پارٹی سے نالاں رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے مسلم لیگ اتنی طاقتور نہیں کہ وہ ایسے افراد کو جانی و مالی اور قانونی تحفظ فراہم کر سکے۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی ان کے لئے ناقابل قبول ہے۔ نتیجتاً ایم کیو ایم میں شمولیت ان کی مجبوری بن چکی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے

اگر ملک کی سالمیت کا تحفظ مطلوب ہے تو قائداعظم کی مسلم لیگ کو مضبوط بنایئے۔ علاقائی اور لسانی جماعتوں سے بدظن محب وطن پاکستانی خود بخود مسلم لیگ کی آغوش میں آجائیں گے۔ نظریہ پاکستان سے متصادم نظریات والی جماعتوں سے غیر فطری اتحاد کبھی بارآور ثابت نہیں ہو سکتے۔ ساکنان کراچی کی جائز شکایات دور کیجئے تو کوئی وجہ نہیں کہ باشعور شہری جن کا ماضی، حال اور مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے لسانی جماعتوں کی آغوش میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پناہ لیں۔اس مقصد کیلئے مسلم لیگ کوایم کیوایم سے چمٹے رہنے کے بجائے اپنی صفوں کو فعال بنانا ہوگا اور کراچی کے عام شہریوں کا دل جیتنا ہوگا۔

خبریں 31 مارچ تا 2 اپریل 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایم کیو ایم.....طویلے کی بلا بندر کے سر

متحدہ قومی موومنٹ کے پارٹی ترجمان کنور خالد یونس نے مختلف اخبارات میں مضامین کے ذریعے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ان میں سے دو مضامین روزنامہ خبریں میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک مضمون میں موصوف فرماتے ہیں کہ جونیجو دور حکومت میں نسیم آہیر وزیر داخلہ تھے، لیکن چونکہ انہوں نے ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن میں فریق بننے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا پیپلز پارٹی کے دوسرے دور حکومت میں مقتدر طاقتوں نے دوسری مرتبہ ان کی تعیناتی کی منظوری نہ دی، بلکہ جنرل بابر کو فوج کی نمائندگی سونپی گئی۔اس کا تقابل وہ مسلم لیگ کے دو ادوار سے کرتے ہیں اور نتیجہ یہ اخذ کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کے پہلے دور حکومت میں چودھری شجاعت الٰہی وزیر داخلہ تھے اور ان کی وزارت کے دور میں ہی کراچی میں ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کا آغاز ہوا لہٰذا ''مقتدر طاقتوں'' نے مسلم لیگ کے دوسرے دور حکومت میں بھی چودھری صاحب کو وزارت داخلہ کے لئے نامزد کر دیا۔کچھ اسی طرح کے بے سروپا تجزیئے انہوں نے گورنروں کی تعیناتی کے متعلق بھی کئے ہیں۔ موصوف کے یہ بیانات ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' کی روشن مثال ہیں، جس کا واحد مقصد اردو سپیکنگ حلقوں میں فوج کے خلاف بدگمانی پیدا کرنا ہے۔

قارئین کو یہ تو یاد ہوگا کہ ایم کیو ایم کے خلاف پکا قلعہ آپریشن پیپلز پارٹی کے پہلے دور حکومت میں ہوا تھا اور وہ بھی ایک ایسے وقت پر جبکہ آرمی چیف ملک سے باہر تھے اور مقامی کور کمانڈر جنرل آصف نواز بھی برطانیہ کے دورے کے سلسلے میں بریفنگ کے لئے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم صاحبہ بھی بیرون ملک دورے پر تھیں۔گمان غالب ہے کہ صوبائی حکومت نے جان بوجھ کر خاص یہی وقت آپریشن کے لئے چنا تا کہ مداخلت کا امکان نہ رہے۔دوسرا قوی امکان ہے کہ اس موقع پر آپریشن کرنے کے لئے وفاقی حکومت کی رضامندی بھی شامل تھی۔

جونہی حیدر آباد کے مقامی کمانڈر سے آپریشن کی تفصیلات معلوم ہوئیں اور جی ایچ کیو و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر انٹیلی جنس ایجنسیوں نے یہ اطلاعات ایوان صدر تک پہنچائیں تو فوج کو مداخلت کر کے پکا قلعہ کا محاصرہ ختم کرانے کی ہدایات دی گئیں۔ فوجی یونٹ سالانہ مشقوں کے لئے دور دراز علاقوں میں گئے ہوئے تھے، صرف سٹیشن ہیڈ کوارٹر کے زیر کمان گارڈ ڈیوٹی اور سکیورٹی کے فرائض والے محدود دستے حاضر تھے، جنہوں نے فوری مداخلت کر کے محاصرہ ختم کرایا۔ اس سلسلے مین فوج اور پولیس حکام میں تلخ کلامی بھی ہوئی، لیکن سندھ پولیس نے فوج کے خلاف مزاحمت کی حماقت نہ کی اور یوں یہ آپریشن انجام پذیر ہوا۔ بعدازاں سندھ کے انسپکٹر جنرل پولیس نے فوج پر یہ احمقانہ الزام بھی لگایا کہ ایم کیو ایم کو پاکستان آرڈیننس فیکٹری کا بنا ہوا اسلحہ فوج نے مہیا کیا تھا اور اگر فوج مداخلت کر کے محاصرہ ختم نہ کرا دیتی تو ہم اسلحے سے بھرے ہوئے ٹرک بھی برآمد کر لیتے۔ فوجی دستوں نے زخمیوں کو طبی امداد فراہم کی اور حیدرآباد کے ہسپتالوں میں فوجی ڈاکٹروں کی خدمات بھی پیش کیں۔ جب حیدرآباد کے جنرل آفیسر کمانڈنگ، کور کمانڈر اور آرمی چیف نے حیدرآباد کا دورہ کیا تو فوج کے لئے خیر سگالی کے جذبات عروج پر تھے اور ہر طرف پاک فوج زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔

درحقیقت پکا قلعہ آپریشن ہی بینظیر حکومت کے زوال کا بڑا سبب بنا کیونکہ اس حماقت کے بعد حکومت مزید حماقتیں کرتی چلی گئی۔ ایک تو محترمہ نے فوج کی مداخلت پر شدید اعتراض کیا اور پھر یہ مطالبہ داغ دیا کہ اب فوج شہری علاقوں میں آپریشن کر کے امن وامان بحال کرے۔ جنرل اسلم بیگ نے اس مرحلے پر بیان دیا کہ ہم سایوں کا تعاقب نہیں کرتے، اگر فوج سے ایکشن کرانا ہے تو آئین کی دفعہ 245 کے تحت اختیارات دیئے جائیں جب کہ محترمہ صرف دفعہ 239 کے تحت محدود اختیارات دینا چاہتی تھیں، نیز حکومت کا تقاضا تھا کہ آپریشن صرف شہری علاقوں (یعنی ایم کیو ایم) تک محدود رکھا جائے جب کہ جنرل بیگ کا اصرار تھا کہ انہیں سندھ کے دیہی اور شہری علاقوں میں بلا امتیاز تمام قانون شکن عناصر کے خلاف آپریشن کا اختیار دیا جائے۔ اسی دوران میں جب اپنی سالانہ مشقوں کے لئے فوج کے یونٹ دیہی علاقوں میں بھیجے گئے تو حکومت نے شدید اعتراض کیا کہ ان سے پوچھے بغیر فوج کو اندرون سندھ کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں جنرل بیگ نے بیان جاری کیا کہ بحیثیت آرمی چیف انہیں اختیار حاصل ہے کہ وہ وفاق کے کسی بھی علاقے میں فوجی مشقیں کر سکتے ہیں اور اس کے لئے انہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جب یہ اعصاب شکن جنگ جاری تھی تو وزیراعظم نے ایک انتہائی غیر ذمہ دارانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیان دیا کہ وہ سندھ میں قیام امن کی ذمہ داری فوج کے سپرد نہیں کر سکتیں، کیونکہ مہاجر تو مدد کے لئے فوج کی طرف دیکھتے ہیں جب کہ سندھی بولنے والے پولیس پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ بیان حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا اور آخر کار صدر غلام اسحاق خان نے آٹھویں آئینی ترمیم کے تحت حکومت کو رخصت کر دیا۔ مندرجہ بالا تمام واقعات تاریخ کا حصہ ہیں اور آج بھی اخبارات کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ اس تمام قضیے میں فوج نے حکومت وقت کی ناراضگی بھی مول لی اور ایم کیو ایم کی حمایت کر کے خواہ مخواہ بدنام بھی ہوئی۔

بدقسمتی سے ایم کیو ایم کی قیادت حسب روایت آج بھی محسن کشی پر تلی ہوئی ہے۔ اپنی بار بار کی کذب بیانی سے وہ اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے اور اپنے جرائم ''ایجنسیوں'' کے سر تھوپنے میں ید طولیٰ رکھتی ہے، لیکن تاریخ کو آج تک کوئی نہیں بدل سکا۔ نئے انتخابات کے بعد وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں ایم کیو ایم کو بھی معتد بہ حصہ ملا، لیکن جلد ہی ان کی لاقانونیت پسند اصلیت ظاہر ہونا شروع ہوگئی ان کی قیادت کی مبینہ مالی اور اخلاقی بدعنوانیوں کے نتیجے میں اختلافات نمودار ہوئے۔ پھر باغی گروپ کو جبراً ملک بدر کر دیا گیا اور از سر نو کشت وخون کی ابتدا ہوگئی۔ اپنے اقتدار کے آخری دور میں جنرل بیگ بھی قائل ہو چکے تھے کہ ایم کیو ایم کی قانون شکنی نہ تو ملک کے مفاد میں ہے اور نہ ہی مہاجروں کے مفاد میں۔ موصوف اگر ریٹائر نہ ہو جاتے تو عین ممکن تھا کہ قانون شکنی کے خلاف یہ جنگ وہ خود ہی لڑتے اور غیر مہاجر جرنیل بلاوجہ ''مہاجر کشی'' کے لئے مورد الزام نہ ٹھہرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قاتل، ڈاکو، سمگلر اور ملک دشمن عناصر کی کوئی ذات یا گروہی پہچان نہیں ہوتی۔ سماج دشمن عناصر تمام صوبوں اور تمام طبقات میں پائے جاتے ہیں، لیکن جب ایم کیو ایم کے سماج دشمن اور دہشت گرد عناصر کے خلاف ایکشن لیا جاتا ہے تو وہ فوراً مہاجر قومیت کی آڑ لے لیتے ہیں۔

اس تنظیم کی سماج دشمن سرگرمیوں کی بنا پر اس کے خلاف ایکشن نوشتہء دیوار بن چکا تھا۔ جنرل آصف نواز مرحوم بحیثیت کور کمانڈر کراچی میں تعینات رہ چکے تھے۔ جب انہوں نے آرمی چیف کا عہدہ سنبھالا تو گروہی کشت وخون پھر اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ ادھر اندرون سندھ میں ڈاکا زنی اور اغوا برائے تاوان کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ مرحوم نے اندرون سندھ سے آپریشن کا آغاز کیا اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ شہری دہشت گردی کے خلاف بھی آپریشن شروع کر دیا۔ قائد تحریک نے حسب سابق بوریا بستر لپیٹا اور بیرون ملک سدھار گئے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپریشن کے وقت ''حقیقی'' کو سامنے رکھتے ہوئے انہی کا کندھا استعمال کیا گیا جو کہ ایک غیر دانشمندانہ اقدام تھا، کیونکہ دہشت گردوں کے ذریعے دہشت گردی سے نبٹنے کی حکمت عملی آخر کار نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ یہ آپریشن حکومت کی سیاسی مصلحتوں کے لئے غیر موافق تھا، لہٰذا چودھری شجاعت الٰہی اور چودھری نثار علی نے باقاعدہ احتجاج کیا کہ فوج نے اپنے مینڈیٹ سے تجاوز کیا ہے۔

کنور خالد یونس کا یہ بیان سراسر حقائق کے منافی ہے کہ چودھری شجاعت الٰہی کو فوج کی منظوری سے دوبارہ وزیر داخلہ بنایا گیا ہے یا پیپلز پارٹی کے دوسرے دور حکومت میں نسیم آہیر کی جگہ جنرل نصیر اللہ بابر کو فوج نے نامزد کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر حکومت مفاہمت اور سمجھوتے کی فضا میں ایم کیو ایم سے تعلقات استوار کرتی ہے۔ لیکن ان کے ناجائز مطالبات بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور پھر وہ مرحلہ آجاتا ہے جب مزید مفاہمت ممکن نہیں ہوتی۔ اپنے دوسرے مضمون اور متعدد بیانات میں کنور خالد یونس نے اپنے کئے ہوئے جرائم کا ذمہ دار بھی فوج کو ٹھہرایا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ بجٹ کے موقع پر ایجنسیاں اپنے فنڈز بڑھوانے کی خاطر کشت وخون میں اضافہ کر دیتی ہیں اور جب ان کے مطالبات زر پورے ہو جاتے ہیں تو امن بحال ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف انہوں نے قتل وغارت کی ذمہ داری ''حقیقی'' پر عائد کی ہے اور فوج کو ان کی سرپرستی کے لئے موردالزام ٹھہرایا ہے۔ درحقیقت ان کا مطالبہ ہے کہ ''حقیقی'' کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے آگے ڈال دیا جائے تاکہ وہ انکے ساتھ ''جو قائد کا غدار ہے وہ موت کا حقدار ہے'' والا سلوک کر سکیں اور پھر ہر طرف انہی کی بلاشرکت غیرے حکمرانی ہو۔

دراصل جن علاقوں پر حقیقی والوں کا غلبہ ہے وہاں متحدہ والے نہیں جا سکتے، لہٰذا بھتے کی وصولی ممکن نہیں رہی۔ یہ خیال ہی ان کے لئے سوہان روح ہے کہ کراچی میں ان کی حکمرانی کو چیلنج بھی کیا جا سکتا ہے اور جبری محاصل میں کوئی اور بھی حصے دار بن بیٹھا ہے۔ اب دونوں جانب سے ایک دوسرے کو نیست ونابود کرنے کے لئے کارکنوں کا قتل عام اور انسانیت سوز ایذا رسانی کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تو عام شہری کو بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قتل وغارت ایم کیو ایم کے متحارب گروپ ہی کر رہے ہیں۔

9 جولائی کے اخبارات میں الطاف حسین کے اپنے کارکنوں سے خطاب کا متن بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں بھی بین السطور انہی خیالات کا اعادہ کیا گیا ہے۔ البتہ اس مرتبہ ایم کیو ایم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوئی ہے کیونکہ اب انہوں نے کھل کر مختلف صوبائی اور نسل پرست تحریکوں کے نقطہ نظر کی تائید کی ہے اور ان سے جوابی تعاون طلب کیا ہے۔ پختونخوا اور کالا باغ ڈیم کے سلسلے میں ایم کیو ایم نے کھل کر اے این پی اور جئے سندھ کا ساتھ دیا ہے اور اپنے آئندہ کے عزائم آشکار کر دیئے ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے پاکستانیت کا نقاب اتار کر اپنا اصل چہرہ دکھا دیا ہے۔ دراصل جب ایم کیو ایم کی تشکیل ہوئی تھی تو اس کی ابتداء بھی جی ایم سید کی اشیر باد سے ہوئی تھی اور سندھی مہاجر بھائی بھائی کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ دس سال بعد ایم کیو ایم دوبارہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی ہے، کیونکہ غلط بنیادوں پر اٹھائی جانے والی دیوار کبھی بھی سیدھی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اس میں بھی ایک بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے کہ مہاجر عوام جن کی غالب اکثریت محب وطن پاکستانیوں پر مشتمل ہے، اپنی قیادت کے عزائم سے واقف ہو کر کسی بہتر فیصلے پر پہنچ سکیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وفاقی حکومت کب تک قومی مفادات کو سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھانے کے عمل کو برداشت کرتی ہے۔ ہمارے خیال میں جلد یا بدیر حکومت کو کچھ ناپسندیدہ فیصلے کرنا ہی پڑیں گے۔

خبریں 18 جولائی 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ششم

دین اور سیاست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تباہ حال معیشت اور دفاع کے تقاضے

پاکستان جیسے غریب اور غیر ترقی یافتہ ممالک کے لئے دفاع کے اخراجات ہمیشہ ایک مشکل مسئلہ ہی دکھائی دیتے ہیں۔ معاشیات کے ماہرین دفاع کے اخراجات کو غیر ترقیاتی اخراجات شمار کرتے ہیں جو کہ بظاہر ایک حقیقت ہے۔ تاہم جب سامنا ایک مکار، عیار اور جنم جنم کے دشمن کا ہو اور ملک کا وجود ہی شدید خطرے سے دوچار ہو تو ان غیر ترقیاتی اخراجات کا تلخ گھونٹ برضا و رغبت بھرنا پڑتا ہے۔ پاکستان کی انتہائی کوشش رہی ہے کہ کشمیر کا فیصلہ منصفانہ طور پر ہو جائے اور ہندوستان کے ساتھ اچھے ہمسایوں والے تعلقات قائم کئے جائیں لیکن ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس سلسلے میں کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہو سکی۔ نتیجتہً دو ایسے ممالک جن کی بیشتر آبادی کو بنیادی ضروریات از قسم پینے کا صاف پانی، ابتدائی تعلیم اور ابتدائی طبی سہولیات بھی میسر نہیں دفاع پر بھاری اخراجات کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات ہر پاکستانی پر واضح ہے کہ ہندوستان نے روز اول سے ہی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر کچھ ذہنوں میں شکوک و شبہات تھے بھی تو مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں ہندوستان کے کردار کے بعد دور ہو جانے چاہئیں تھے۔ بدقسمتی سے ایک مخصوص طبقہ اب تک ہندوستان سے کسی نیکی کی امید لگائے بیٹھا ہے۔ حالیہ برسوں میں اس مکتب فکر والے اصحاب نے بزعم خویش دونوں ممالک میں غلط فہمیاں دور کرنے میں نمایاں کردار ادا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن پرنالہ ہنوز وہیں پر ہے۔

1974ء کے پوکھران کے ایٹمی دھماکے کے بعد تو گویا ہندوستان کے مزاج ہی نہیں پائے جاتے تھے۔ اس نے دنیا کے اس حصے میں اپنی تھانیداری قائم کرنے کا میدان تقریباً مار ہی لیا تھا لیکن پاکستان پھر آڑے آیا اور ایٹمی صلاحیت حاصل کر کے پورے خطے بشمول مشرق وسطیٰ کی آزادی اور حاکمیت اعلیٰ کا ضامن بن گیا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کا بے ضمیر طبقہ اب اپنے مذموم عزائم کے ساتھ کھل کر سامنے آ گیا ہے اور اس طبقے نے لگی لپٹی رکھے بغیر پاکستان کی دفاعی صلاحیت کو کمزور کرنے پر کمر باندھ لی ہے۔ ان کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے ایٹمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پروگرام کے خلاف اسلام آباد میں مظاہرہ کیا جس میں محسن ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا تمثیلی جنازہ نکالا اور قبر کھودی۔

جہاں تک ملک کی معاشی اور صنعتی ترقی کا تعلق ہے تو کون نہیں چاہے گا کہ ملک ترقی کرے لیکن جب ملک کی سلامتی اور ترقی میں سے ایک چیز کا چناؤ کرنا ہو تو ایک غیرت مند قوم کیلئے فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر دشمن دندان آز جمائے ہمہ وقت سرحدوں پر کھڑا ہو تو معاشی ترقی کس کام کی؟ ہلاکو خان نے بغداد کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد جب خزانے ہیرے جواہرات سے معمور پائے تو وہ ششدر رہ گیا کہ اتنے وسائل رکھنے والی حکومت نے بہترین فوج کیوں تیار نہ کی۔ اس نے حکم دیا کہ شکست خوردہ عباسی خلیفہ ہیرے جواہرات کھا کر اپنا پیٹ بھرے۔ جب خلیفہ نے معذرت چاہی تو ہلاکو نے ایک تاریخی جملہ کہا کہ ''بد بخت بادشاہ جب یہ دولت تیرا پیٹ بھرنے کے کام بھی نہیں آسکتی تو اسے جمع کرنے کا فائدہ؟ تو نے کیوں اسے افواج کو مسلح کرنے پر خرچ نہ کیا تا کہ تیری سلطنت تباہی سے بچ جاتی؟'' یہ تاریخی جملہ آج بھی حقائق کا غماز اور تمام امت مسلمہ کیلئے عبرت کا نشان ہے۔

کویت پر عراقی حملے کے دوران میں راقم الحروف کراچی میں متعین تھا۔ ایک دن میں ایک صنعتکار دوست کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ موصوف نے اپنے میز کے پاس کویتی دیناروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مجھے دکھا کر کہا ''کل تک یہ دینار تھے لیکن ایک کمزور فوج کی وجہ سے یہ ردی کاغذ کے ٹکڑے بن چکے ہیں''۔ ''بریگیڈیئر صاحب ہمارے ملک میں بھی کچھ کج فہم دفاعی اخراجات کے خلاف ہیں۔ انہیں کیسے سمجھایا جائے کہ ہماری آزادی اور غلامی کے درمیان صرف ایک مضبوط فوج حائل ہے اگر خدانخواستہ فوج بیچ میں سے ہٹ جائے تو ہمارا سو روپے کا نوٹ بھی ایک پیسے سے کم قیمت کا ردی کا ٹکڑا بن جائے گا''۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر پاکستان کی فوج عالمی شطرنج بازوں کی نگاہوں میں بھی بری طرح کھٹکتی ہے کیونکہ آزادی کے تحفظ کی ضامن فوج کی موجودگی میں وہ اپنے عزائم پورے کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا گزشتہ چند برسوں سے عالمی طاقتوں کا شدید اصرار ہے کہ پاکستان اپنے دفاعی اخراجات کم کرے۔ انہوں نے اپنی سازش پر اس کامیابی سے عمل کیا ہے کہ عوام مہنگائی کے ہاتھوں بلبلا اٹھے ہیں۔ روپے کی مسلسل گرتی ہوئی قدر و قیمت، قرضوں کے انبار، ناقابل برداشت ٹیکسوں کے بوجھ اور روبہ تنزل صنعتی پیداوار نے عوام کے حوصلے پست کر دیئے ہیں لہٰذا اب دشمنوں کی بجائے اپنے بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹیکس بڑھانے کی بجائے دفاعی اخراجات کم کئے جائیں۔ دفاعی اخراجات ضرور کم کیجئے لیکن یہ سوچ لیجئے کہ اس کی کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ سوچ بچار کے بعد ممکن ہے یہ ایک انتہائی مہنگا سودا دکھائی دے اور ہم آزادی کی قیمت پر معاشی خوشحالی سے دستبردار رہنا پسند کریں۔

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ہم قرآن کریم اور اسلامی تاریخ سے رہنمائی حاصل کریں۔ دفاعی تیاری سے متعلق سورہ انفال کی آیت نمبر 60 ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کرتی ہے۔

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت (فوج کی جمعیت) اور پلے ہوئے گھوڑے (سامان حرب) ان کے مقابلے کیلئے مہیا رکھو تا کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے علاوہ ان لوگوں پر تمہاری ہیبت بیٹھی رہے جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ جانتا ہے''۔(VIII:60)

آیت مبارکہ میں ''استطاعت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لغوی معنی قدرت طاقت اور بساط کے ہیں۔ علماء کرام کے فہم کے مطابق اس سے مراد ''ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ'' کے ہیں یعنی اگر قوم ایک ہزار ٹینک خریدنے کے وسائل رکھتی ہے تو نو سو ننانوے ٹینکوں کا خرید کرنا گویا حکم الٰہی سے سرتابی ہے۔ مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا مودودی اور علامہ عبداللہ یوسف علی نے بلاتفریق اس سے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے تو گھر کا مکمل ساز و سامان آلات حرب کی فراہمی کیلئے رسولؐ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے مَّا اسْتَطَعْتُم کا ترجمہ ''TO the utmost of you power'' کیا ہے۔ یہی مراد اردو ترجمے میں ''بساط بھر زیادہ سے زیادہ'' اور ''جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ'' سے ہے۔

قارئین کرام..... اللہ کا حکم تو بالکل واضح ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم سب کیلئے واجب العمل ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خواص تو اللوں تللوں میں قومی وسائل پھونک ڈالیں اور قربانی صرف غریب عوام دیتے رہیں۔ اسی طرح جب غلط صنعتی اور معاشی پالیسیوں سے ملکی معیشت کی حالت ہی دگرگوں ہو جائے تو وسائل کہاں سے مہیا ہوں گے۔ آیئے اس موقع پر ایک بار پھر اسلامی تاریخ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ آخر خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے عہد میں بھی تو اسلام کی افواج قاہرہ چار دانگ عالم میں سرگرم عمل تھیں۔ آخر ان کیلئے وسائل کہاں سے مہیا ہوتے تھے؟ ذیل میں حضرت علیؓ کے ایک خط میں سے چیدہ چیدہ پالیسی امور درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ خط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ نے مالک اشتر کو گورنر مصر مقرر کرتے ہوئے لکھا تھا.....

1۔اے مالک لوگوں سے انصاف کرنا اپنے عہدے کی بناء پر مغرور نہ ہو جانا۔

2۔دشمن کے خلاف اصل قوت رعایا ہے رعایا سے محبت سے پیش آنا۔

3۔بزدلوں کو مشیر نہ بنانا ورنہ وہ تمہیں بزدل بنا دیں گے۔صاف گو لوگوں کو وزیر مقرر کرنا اگرچہ ان کا سچ تمہیں کڑوا لگے۔اچھے اور برے شخص میں فرق روا رکھنا۔لوگوں کو مطمئن اور خوش رکھنا۔

4۔دانشمند لوگوں سے مشورہ کرنا۔ماضی کی روایات پر عمل کرنا۔

5۔فوجی سپاہی ریاست کے تحفظ کے امین اور حکمرانوں کا زیور ہیں۔وہ مذہب کے محافظ اور امن کے نقیب ہیں۔ان کی اپنے بچوں کی طرح دیکھ بھال کرنا ان سے محبت اور پیار سے پیش آنا۔

6۔نیک اور پارسا لوگوں کو قاضی (جج) مقرر کرنا۔ان کا تقرر اہلیت کی بنیاد پر کرنا ان کو اچھے مشاہرے ادا کرنا۔اگر پھر بھی کوئی بددیانتی کرے تو انتہائی کڑی سزا دینا اسے ذلیل وخوار کر دینا۔

7۔ٹیکس لوگوں کی ادا کرنے کی طاقت کے مطابق لگانا۔ضرورت پیش آئے تو ٹیکس معاف کر دینا۔لوگ تم سے خوش ہوں گے تو کڑے وقت میں تمہارا ساتھ دیں گے۔

8۔کاشتکار غریب لوگ ہیں ان کا خیال نہ رکھا گیا تو فصلوں کی پیداوار متاثر ہوگی۔قحط سالی میں ضرورت پڑے تو مالیہ معاف کر دینا اور انہیں امداد دینا۔

9۔ ٹیکس کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایماندار افراد مقرر کرنا جو کہ ہر حالت میں تمہارا حکم مانیں۔

10۔صنعتکاروں اور تاجروں کو واضح ہدایات دینا کہ وہ ایمانداری سے کام لیں اور ناجائز منافع خوری نہ کریں۔یہ طبقہ بہت کارآمد ہے کیونکہ انہی کی بدولت ملک کا سرمایہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ان کا تحفظ کرنا اور کاروبار بڑھانے میں ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔

11۔غریب اور بے بس لوگوں پر رحم کھانا اور ان کے حق میں سخاوت سے کام لینا۔

12۔رشتہ داروں کو ناجائز مراعات مت دینا۔ناجائز فوائد حاصل کرنے والوں سے دور رہنا۔

13۔دشمنوں کے ساتھ پرامن رہنے کی کوشش کرنا لیکن صلح کے باوجود ہر وقت چوکس رہنا کہ وہ دھوکہ نہ کر جائیں۔

14۔خونریزی سے بچنا۔بلاوجہ کسی کا خون نہ بہانا کیونکہ اس سے سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔جو دوسروں کو کہو اس پر خود بھی عمل کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

15۔اگر رعایا اتفاق رائے سے کسی چیز پر مصر ہو تو اپنی رائے مسلط کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قریباً چودہ سو سال پہلے لکھا ہوا یہ خط ایک الہامی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مندرجات آج بھی من وعن قابل عمل ہیں۔اس میں عوام، عدلیہ، فوج، کاشتکار تاجر اور صنعتکار طبقے بیوروکریسی اور حکمران طبقے سے متعلقہ تمام امور پر غیر مبہم انداز میں حکومتی پالیسی بیان کر دی گئی ہے۔بجائے فوج میں تخفیف کرنے کے اگر آمدنی بڑھانے پر توجہ دی جائے تو ملکی دفاع کے تقاضے با آسانی پورے ہو سکتے ہیں۔البتہ اس کے لئے سونے کا انڈا دینے والی مرغی کا تحفظ بھی ضروری ہے۔اگر تاجر اور صنعتکار طبقے پر قابل برداشت ٹیکس لگائے جائیں اور مثبت صنعتی پالیسی اپنائی جائے تو قومی پیداوار میں خود بخود اضافہ ہوگا۔حضرت علیؓ کے فرمان کے مطابق اس طبقے کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے تاکہ نئی نئی صنعتیں لگیں اور قومی پیداوار اور سرمائے میں اضافہ ہو۔انکم ٹیکس کا محکمہ اور عدلیہ دیانتدار ہو تو ٹیکس کی چوری ممکن نہ رہے گی اور بگڑی ہوئی معیشت کی چولیں خود بخود درست انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھتی چلی جائیں گی۔اسی طرح حکمران کفایت شعاری کی تلقین کرنے کی بجائے خود بھی کفایت شعاری سے کام لیں گے تو کسی کو وسائل کے ضیاع کی شکایت نہ ہوگی۔عوام کی اکثریت آج بھی 65ء کے جذبے کے ساتھ ملکی دفاع کیلئے آخری حد تک جانے کو تیار ہے انہیں صرف اس یقین دہانی کی ضرورت ہے کہ یہ رقم حکمران طبقے اور نوکر شاہی کی عیاشیوں اور ارکان اسمبلی کی خرید و فروخت پر ضائع نہیں کی جائے گی۔حکمران فوج میں تخفیف کرنے کی بجائے عوام کو اعتماد میں لیں۔

نوائے وقت

16 نومبر 1996ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یتیم معاشرہ اور انداز حکمرانی

یتیم عربی زبان کا ایک عام لفظ ہے، جو معروف معانی میں بن باپ کے بچے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مزید معنی ہیں بے مثال، بینظیر، یکتا اور لاثانی۔ در یتیم کی اصطلاح ایک ایسے موتی کیلئے استعمال ہوتی ہے جو اپنی نوع کا فقط ایک نگ ہونے کی بنا پر انتہائی قیمتی ہو۔ لفظ یتیم کا تیسرا مفہوم ہے اکیلا، تنہا، بے کس، جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔

گزشتہ پچاس برسوں سے دو مختصر ادوار کے سوا پاکستانی معاشرے کی کیفیت لفظ یتیم کے تیسرے مفہوم کے مماثل رہی ہے، جس میں ایک عام شہری اپنے آپ کو تنہا اور بے بس پاتا ہے۔ ویسے وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو پہلے دو مفاہیم بھی ہمارے معاشرے پر صادق آتے ہیں کیونکہ واقعی ہمارے معاشرے میں ہر شہری کی ذہنی حالت بن باپ کے بچے جیسی ہے، جس کا کوئی پرسان حال نہیں اور وہ مایوسی، تنہائی اور بیچارگی کا شکار ہے۔ مزید برآں کرپشن کے مگرمچھوں کے ہاتھوں بے بس یہ معاشرہ اپنی مثال آپ ہے اور دنیا بھر میں اس کا کوئی ثانی نہیں!

ع ہم سا ہو تو سامنے آئے

معاشرے کو اس حال تک پہنچانے میں متعدد عناصر نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

(1) غیر حقیقی اور غیر مستحکم جمہوری نظام، (2) اقرباء پروری اور سفارش، (3) جاگیردارانہ نظام اور وڈیرہ ذہنیت (4) حرص و ہوا کا دور دورہ اور مواقع کی دستیابی (5) احتسابی نظام کی غیر موجودگی (6) بیوروکریسی کے صوابدیدی اختیارات (7) تقویٰ کا فقدان اور مادیت پرستی، (8) تعلیم کی کمی اور عوام میں اپنے حقوق کا عدم شعور (9) آمرانہ ذہنیت اور اپنے حواریوں کے جرائم سے چشم پوشی (10) نمود و نمائش اور وی آئی پی کلچر کا رجحان (11) سیاست کی دہلیز پر قومی مفادات کا بلیدان (12) ذاتی مفادات کی خاطر مبہم اور ناقص قوانین کا نفاذ (13) انصاف کے بنیادی تقاضوں سے عاری اور سست رو عدالتی نظام (14) مذہب سے دوری اور حرام و حلال میں تمیز کا فقدان (15) غیر اسلامی انداز حکمرانی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آج صورتحال اتنی گمبھیر ہو چکی ہے کہ علت و معلول کو علاحدہ کرنا بھی مشکل دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ عوام پڑھے لکھے ہوتے تو انہیں اپنے حقوق سے بھی آگاہی ہوتی اور وہ کرپٹ بیوروکریسی اور نااہل حکمرانوں کے مظالم کے خلاف ڈٹ جاتے یا حکمران متقی اور پرہیزگار ہوتے تو نہ تو وہ خود کرپشن میں ملوث ہوتے نہ بیوروکریسی اور ساتھی سیاستدانوں کی کرپشن برداشت کرتے یا اگر احتسابی نظام موجود ہوتا اور پہلے غلط اقدام پر ہی متعلقہ افراد کا احتساب ہو جاتا تو مزید کسی کو کرپشن میں ملوث ہونے کی جرأت نہ ہوتی وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسباب اور نتائج آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں اور اس موضوع پر بحث کی خاصی گنجائش ہے کہ وہ ایک یا دو بنیادی اسباب کون سے تھے جنہیں کرپشن کی مبادیات قرار دیا جا سکے۔

تاہم زیرِ نظر مضمون میں صرف ایک ایسے عنصر کا تجزیہ مقصود ہے، جو باقی تمام عناصر پر حاوی ہے اور وہ ہے غیر اسلامی اندازِ حکمرانی۔ اس مرحلے پر اسلامی طرزِ حکومت اور اندازِ حکمرانی کے مابین فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اسلام میں کسی خاص طرزِ حکومت کی تاکید نہیں کی گئی البتہ حکمرانی کے رہنما اصول وضع کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے کوئی بھی طرز حکومت اسلامی کہلا سکتا ہے۔

خلیفہ اول اور خلیفہ دوم بذریعہ نامزدگی خلیفہ مقرر ہوئے جب کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو متعدد نامزد حضرات میں سے منتخب کیا گیا، جس کیلئے اظہارِ رائے کا طریقہ استعمال کیا گیا۔ گویا طرز حکومت کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ طرزِ حکمرانی کی ہے۔ بالفاظ دیگر تفویض کردہ قوتِ حاکمہ کا درست یا صحیح استعمال ہی اسلامی یا غیر اسلامی طرزِ حکمرانی کے درمیان حدِ فاصل قرار پائے گا۔ خوش قسمتی سے ہمارے لئے خلفاء راشدین کا دورِ خلافت آج بھی ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے اور بحیثیت مسلمان قوم ہم آج بھی اپنے حکمرانوں میں اسی دور کی جھلکیاں دیکھنے کے متمنی ہیں۔ اسلامی تاریخ پر ان بزرگ ہستیوں کے نقوش اتنے گہرے ہیں کہ ملوکیت کے بدترین ادوار میں بھی کہیں نہ کہیں حکمرانوں کے طرزِ عمل پر خلافت راشدہ کی چھاپ لگی ہوئی دکھائی ہوتی ہے۔ اس کسوٹی پر جو حکمران خلفائے راشدین کے قریب تر پایا گیا وہی کامیاب گردانا گیا اور جس کا انداز حکمرانی ان کے برعکس ہوا اس کا ذکر تاریخ کے تاریک صفحات میں مذکور ہوا۔

اس ضمن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت قابلِ ذکر ہے جو خلافت راشدہ کے دور سے مماثل تھا۔ تاہم جہانگیر کی زنجیرِ عدل اور اورنگزیب عالمگیر کے تقویٰ اور قرآن مجید کی کتابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے رزق کمانے کے پس منظر میں بھی خلافت راشدہ کی روایات کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بطور حکمران رویئے کا تجزیہ کیجئے جو دریائے نیل کے کنارے بھوک سے مرنے والے کتے کی موت کا ذمہ دار بھی خود کو سمجھتے تھے۔ جن کا برسر منبر اضافی چادر وصول کرنے کے مفروضے پر احتساب کیا جاسکتا اور جو باری آنے پر غلام کو اونٹ پر بٹھاتے تھے اور خود مہار پکڑ کر پیدل چلتے تھے۔ راتوں کو گلیوں اور بازاروں میں گشت کرتے تھے اور مسجد نبوی کی سیڑھیاں جن کا بچھونا بنتی تھیں۔ جنہوں نے دربان مقرر کرنے اور باریک لباس پہننے پر گورنر کو معزول کر دیا اور قصیدہ گو شاعر کو انعام دینے پر حضرت خالد بن ولید سے سپہ سالاری چھین لی۔ ہے اقوام عالم کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال؟ جب اسلامی انداز حکمرانی کا تجزیہ کیا جائے تو کچھ رہنما اصول ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

(1) حکمران اللہ کا خلیفہ یعنی نائب ہے (2) حکمران کی اطاعت صرف تب تک لازم ہے جب تک وہ احکام خداوندی کا پابند رہے (3) حکمرانی کوئی انعام یا استحقاق نہیں بلکہ ذمہ داری کا لامتناہی بوجھ ہے (4) قوم کا سردار ہمہ مقتدر حاکم نہیں بلکہ قوم کا خادم ہے، (5) حکمران کا ذاتی کردار باعث تقلید ہونا چاہئے، (6) حکمران بیت المال اور قوم کے اثاثوں کو امانت سمجھ کر استعمال کریں (7) حاکم اور محکوم کیلئے قانون کی پابندی یکساں طور پر لازم ہے (8) حکمران سادہ زندگی بسر کریں اور ان کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو (9) سلطنت کی حدود میں ہونے والے ہر اچھے اور برے کام کی ذمہ داری حاکم وقت کی ہے، (10) حکمران کی پالیسیاں معاشرے کی مجموعی خوشحالی اور مادی و اخلاقی ترقی کیلئے ہوں (11) رعیت کیلئے انصاف کا حصول ہمہ وقت اور بلا تاخیر ممکن ہو (12) حکمران اپنے اعمال کیلئے عوام کو جواب دہ ہوں (13) حاکم باکردار اور صاف گو افراد کو مشیر، وزیر، منصف اور عمال مقرر کریں (14) حاکم کے خوف سے ظالم اور بدکردار افراد خود کو کمزور سمجھیں اور کمزور اور مظلوم خود کو طاقتور اور ظالم کے ظلم سے محفوظ سمجھیں (15) حاکم حدود سلطنت، رعایا اور مفاد عامہ کے تحفظ کی اہلیت رکھیں (17) حاکم سلطنت کی حدود میں ہونے والے ہر ضروری واقعے سے باخبر رہیں اور بروقت فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ قوت کردار اور تقویٰ سے لیس ہوں اور اپنے احکام و قوانین پر عملدرآمد کروا سکیں، (18) رعایا کے حق میں والدین کی طرح مشفق ہوں اور رعایا پروری کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ تالیف قلوب کے فن سے آشنا ہوں۔ (19) رعایا کے تمام طبقات کو ایک نظر سے دیکھیں اور معاشرے کی مجموعی بہبود کو نظر میں رکھیں (20)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدل وانصاف سے کام لیں اور ہر فرد کو ترقی کرنے کے یکساں مواقع فراہم کریں (21) اور سب سے اہم یہ کہ حاکم تک ایک عام شخص کی رسائی اور شنوائی ممکن ہو۔ وہ اپنا دکھ بیان کر سکے اور اس کی تکلیف کا مداوا ہو سکے۔ فاروقی عہد خلافت میں حاکم کے دروازے پر دربان بٹھانا اسی لئے ناقابل معافی جرم تھا کہ اس عمل سے رعایا کی حاکم تک رسائی مشکل ہونے کا امکان تھا۔

موجودہ دور کی الجھنوں کے باعث ایک عام شخص کی حاکم وقت تک اصالتاً رسائی تو شاید ممکن نہ ہو لیکن اس کا کچھ نہ کچھ ذریعہ تو ہونا چاہئے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے چاہے کون سے ذرائع استعمال کئے جائیں لیکن رعایا کی شکایات حاکم تک پہنچنی چاہئیں تا کہ ان کا ازالہ ممکن ہو۔ اگر کرپشن کی بیخ کنی کرنا درکار ہے تو ایسے ذرائع استعمال کرنا پڑیں گے جن سے حکام عوام کی تکالیف سے باخبر رہ سکیں۔ معاشرے میں گھٹن، بیچارگی اور بے بسی کا احساس ہی اس بات کے ادراک سے پیدا ہوتا ہے کہ حاکموں کو ہماری کوئی پرواہ نہیں اور حکومت کے عمال جو چاہیں کر گزرتے ہیں۔ رعایا کی ذہنی کیفیت بچے جیسی ہوتی ہے جو ہر آڑے وقت میں والدین کی طرف دیکھتا ہے اور دستگیری کی امید رکھتا ہے۔ جب حاکم رعایا پروری کی بجائے اپنے اثاثے بڑھانے، اقربا پروری کرنے اور اپنی کرسی مضبوط کرنے میں مگن دکھائی دیں تو عوام پر مایوسی غلبہ پا لیتی ہے اور ایسا معاشرہ ایک یتیم معاشرہ کہلاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے تمام تر نظریاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موصوف کے دور حکومت میں پہلی بار سیاست ڈرائنگ روم سے نکل کر چوپال میں آ گئی اور لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور پیدا ہوا۔ غریب کی عزت نفس بحال ہوئی اور بیوروکریسی ایک عام پارٹی ورکر سے بھی دبنے لگی۔ وڈیرے بھی قدرے محتاط ہو گئے اور رازہائے درون خانہ اخبارات کے صفحات تک پہنچنے لگے۔ بعد والے برسوں میں جب پارٹی ورکر کی بجائے وڈیرہ شاہی کو اہمیت دی گئی، عوام کی شکایات کو نظر انداز کیا گیا اور دولت سمیٹنے پر توجہ مرکوز کر دی گئی تو پیپلز پارٹی جیسی معروف سیاسی پارٹی بھی یتیمی کے سائے میں ایک افسوس ناک انجام سے دوچار ہو گئی۔ عوام سے کنارہ کشی کا انجام تمام سیاسی جماعتوں کیلئے عبرت کا باعث ہونا چاہئے۔

مسلم لیگ نے اپنے دور حکومت کا آغاز بہت اچھی طرح کیا۔ وزیراعظم اور وزراء اعلیٰ بنفس نفیس ٹیلی فون پر عوام کی شکایات سننے لگے۔ نتیجتاً عوام نے اپنے سر پر ایک پر شفقت ہاتھ محسوس کیا اور بے لگام بیوروکریسی اپنی کرسیوں میں سمٹنے لگی۔ ایک عمومی تاثر پیدا ہوا کہ ہمارا بھی کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرسان حال ہے جو مختلف محکموں کی دست درازیوں کے خلاف ہماری شکایات سنتا اور دادرسی کرتا ہے۔تاہم یہ سلسلہ بوجوہ ایک ماہ کے بعد ختم کر دیا گیا۔ بیوروکریسی دوبارہ پر پرزے نکالنے لگی اور اداروں کے اہلکاروں نے برملا لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ پانی تو آتا ہے اور بہہ جاتا ہے پل وہیں رہتے ہیں آپ لوگ پانی کے پیچھے بھاگ بھاگ کر آخر واپس پلوں (یعنی بیوروکریسی) کے پاس آئیں گے۔

عمرانیات کے ماہرین کے مطابق جب کوئی قوم بے مقصدیت کا شکار ہو جائے۔اس کی منزل کا واضح تعین نہ کیا جائے' قومی مقاصد کے متعلق ابہام ہو اور اس کی قیادت کے قول و فعل میں تضاد ہو تو قوم تین امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے (1) افراد اپنے ذاتی مقاصد کو قومی مقاصد پر ترجیح دینے لگتے ہیں (2) عدم تحفظ کی بنا پر جنگل کا قانون رائج ہو جاتا ہے (3) مجموعی قومی سلامتی اور تحفظ کے سلسلے میں بے اعتنائی در آتی ہے۔ابتداء میں مسلم لیگ حکومت کی مقبولیت کا گراف پیپلز پارٹی کے 70ء کے گراف سے بھی بہتر تھا،لیکن جب حکام نے عوام کو تحفظ فراہم نہ کیا،ان کی توقعات پر پورا نہ اترے اور ان کو یتیمی کے احساس سے چھٹکارا نہ دلایا تو نواز شریف حکومت کی غیر آئینی معزولی پر کسی نے ایک آنسو تک نہ بہایا اور نہ ہی کوئی پارٹی ورکر احتجاج پر تیار ہوا۔

بھارت کے معاندانہ رویئے کی بنا پر بھارت دشمنی ہر پاکستانی کے خون میں رچ بس گئی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے متعدد غلط اقدامات نے عوام کی خاموش اکثریت کو میاں نواز شریف سے بدظن کر دیا تھا،لیکن وہ آخر تک اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے اور اس تاثر کو مزید گہرا کیا کہ وہ ملکی مفادات کا تحفظ کرنے کی اہلیت سے بے بہرہ ہیں۔

اب جب کہ ایک غیر سیاسی حکومت متعدد اصلاحات کا عزم کر چکی ہے یہ یاد دہانی کرانا ضروری ہوگا کہ نظام چاہے کوئی بھی ہو اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار انداز حکمرانی پر ہوتا ہے۔ ایک نئے نظام کی نوک پلک سنواری جا رہی ہے تو کچھ ایسا انتظام کیا جائے کہ حکومت اور عوام کا رابطہ برقرار رہ سکے اور کوئی بھی حاکم آمر مطلق نہ بن سکے۔ جونہی کوئی حکومت قومی مفادات سے روگردانی کرتی دکھائی دے عوام خود اس حکومت کو چلتا کریں اور فوجی مداخلت کی نوبت ہی نہ آئے۔ راعی اور رعایا میں والدین اور اولاد کے سے باہمی اعتماد کی ضرورت ہے کہ یہ رشتہ ہی بقائے باہمی کی بنیاد بن سکتا ہے اور اسی سے قومی سلامتی بھی وابستہ ہے۔شنید ہے کہ نوکر شاہی کی بددلی اور خوف و ہراس کی فضا پیدا نہ کرنے کے پیش نظر احتساب کے عمل کو محدود رکھا جا رہا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت کو یقین ہونا چاہئے کہ چند سو بد دیانت سیاستدانوں اور چند ہزار بداعمال ملازمین کا احتجاج کروڑوں عوام کو احساس یتیمی سے چھٹکارا لانے پر فوقیت نہیں رکھتا۔ کاش ایک غیر سیاسی حکومت ہی سمجھ لے کہ عوام کیا چاہتے ہیں ۔

وہ اتنا پوچھ لیں ہم سے تمہیں کس بات کا غم ہے
وہ اتنا پوچھ لیں ہم سے تو پھر کس بات کا غم ہے

خبریں 11-10 مئی 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

بڑی طاقتیں اپنے اہداف کی ترجیحات تبدیل کرسکتی ہیں اوران کے حصول میں وقتی مصلحتوں کے پیش نظر ترمیم بھی کرسکتی ہیں۔ ناگزیر ہوتو قدرے تعطل بھی برداشت کرلیتی ہیں لیکن اپنے حتمی اہداف سے دستکش نہیں ہوتیں۔ان کی طویل المدت پالیسیوں میں تسلسل برقرار رہتا ہے۔حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، افراد آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ان کے طاقتور اُدارے نئے آنے والوں کوقومی مقاصد سے انحراف نہیں کرنے دیتے۔قومی اداروں کی مضبوطی ہی ان ممالک کی مضبوطی ہے۔اس کے برعکس ہم آج تک افراد کومضبوط اوراداروں کوکمزور کرنے کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔

سرد جنگ کے دور میں مغربی ممالک کا طویل المدت منصوبہ کمیونزم کی تحدید پر مبنی تھا لہٰذا انہوں نے کمیونزم کی قوت کے مراکز کے گرد اپنے اتحادیوں کا دائرہ قائم کردیا اوران اتحادیوں سے دفاعی معاہدے کئے جن کی رو سے کسی کمیونسٹ ملک کی جانب سے حملے کی صورت میں تمام اتحادی ممالک مل کر کمیونسٹ جارحیت کا سدباب کرنے کے پابند تھے۔سیٹو، سینٹو اور نیٹو اسی سلسلے کے معاہدے تھے۔انہی معاہدوں میں شمولیت کی بنا پر پاکستان روس مخالف کیمپ میں جا بیٹھا اور اپنے لئے متبادل راہ عمل کے امکانات معدوم کرلئے، حالانکہ پاکستان کا اصل مقصد بھارتی جارحیت کے خلاف اپنے دفاع کو مضبوط بنانا تھا۔تاہم ایسا کرتے وقت ہم نے اپنے طویل المدت مفادات کوفراموش کردیا اور 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ناقابل تلافی نقصان اٹھایا۔ یہ بات درست ہے کہ شروع کے سالوں میں ملکی سلامتی مضبوط دفاع سے ہی منسلک تھی لیکن امریکہ جیسے ناقابل اعتماد حریف کا ہاتھ تھام کر ہم نے سراسر گھاٹے کا سودا کیا۔ مضبوط دفاع ملکی سلامتی کا صرف ایک جزو ہے لیکن بذاتہٖ ملکی سلامتی کا ضامن نہیں بن سکتا۔ہم چونکہ متبادل راہ عمل خود پر بند کر چکے تھے لہٰذا اصل نقصان ہمارا ہوا۔آج ہم افسوس سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ افغانستان پر کیمونسٹ یلغار کے موقع پر پاکستان نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور ایک لحاظ سے سوویت یونین سے دشمنی مول لی۔تاہم سوویت یونین کا انہدام یا یہ تکمیل تک بھی نہ پہنچا تھا کہ امریکہ نے اپنے اگلے ہدف کے حصول کے لیے مہرے چلانے شروع کردیئے۔ یہ ہدف صلیبی جنگوں کے پس منظر میں اسلام اور جہادی قوتوں کے خطرے کا تدارک تھا۔سوویت یونین کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہدام سے ایک بار پھر یہ بات ثابت ہوگئی کہ مذہبی اعتقاد اور جہادی جذبے سے لڑنے والے مسلم جانفروش ایک سپر پاور کو آج بھی شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک کے بعد دوسری سپر پاور کی باری بھی آ سکتی ہے تو کیوں نہ مل کر اس مشترکہ خطرے کا تدارک کیا جائے۔ اس پس منظر میں برطانوی وزیراعظم نے صدر امریکہ کو خط لکھا کہ یورپ کے قلب میں ایک مسلم ریاست (بوسنیا) کا وجود ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں لہٰذا یوگوسلاویہ کے مظالم سے صرف نظر کیا گیا اور چیچنیا کے مسلم عوام تو ابھی تک روسی مظالم تلے سسک رہے ہیں لیکن بڑی طاقتوں کا ضمیر بدستور سو رہا ہے کیونکہ ان کے لئے محبت اور جنگ میں سب کچھ روا ہے۔

جب اسلام کو مشترکہ خطرہ قرار دے دیا گیا تو دنیا کی قدرتی تقسیم مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر ہوگئی لہٰذا ہندو، یہودی اور دیگر غیر مسلم ممالک امریکہ اور روس کے قدرتی حلیف قرار پائے اور انہیں NaturalStrategicAllies کہہ کر پکارا گیا۔ صدر کلنٹن نے حالیہ دورہ جنوبی ایشیا کے موقع پر بھارت کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے۔ اب چونکہ غیر مسلم دنیا کے مشترکہ مفادات ہیں لہٰذا امریکہ کے لئے لازم ٹھہرا کہ اپنے سب سے بڑے "فطری حلیف" بھارت کے مفادات کا تحفظ کرے۔ اسی لئے کشمیر پر کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی بلکہ تمام تگ و دو ان خطوط پر ہے کہ پاکستان کو کس طرح بے دست و پا کیا جائے کہ وہ کشمیر کا نام لینا ہی بھول جائے۔ اس ضمن میں ممکنہ اقدامات ہماری ایٹمی صلاحیت سلب کرنے ہمیں معاشی تنگ دستی سے دوچار کرنے اور سفارتی تنہائی سے خوفزدہ کرنے پر مشتمل ہوں گے جس کے لئے پہلے ہی وارننگ دی جا چکی ہے۔ دوسری جانب بھارت جو ہمیشہ سے روسی مفادات سے وابستہ تھا اب امریکہ کی گود میں بیٹھ کر بھی روس کا منظورِ نظر ہے جب کہ روس آج بھی پاکستان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے گریزاں ہے۔ اس کی وجہ ہماری گزشتہ برسوں کی سفارتی کوتاہ بینی ہے۔ کاش کہ ہم نے تاش کا کوئی پتا اپنے ہاتھ میں بھی رکھا ہوتا اور ایک ہی گھوڑے پر تمام رقم نہ لگا دیتے۔

بہرحال جب اسلام کو کمیونزم سے بھی بڑا خطرہ قرار دے دیا گیا تو متعدد اطراف سے حملے کی ابتدا کر دی گئی۔ سوائے چین کے باقی تمام غیر مسلم اقوام امریکہ کی مٹھی میں آ چکی ہیں یعنی صف بندی مکمل ہو چکی ہے۔ معاشی طور پر ایران، لیبیا، عراق، سوڈان اور افغانستان کا گلا دہشت گردی کے الزام میں گھونٹا جا چکا ہے جب کہ پاکستان کو بے پناہ دباؤ کا سامنا ہے۔ خلیج کی جنگ کے بعد سے مشرقِ وسطیٰ کے تیل کے ذخائر والے، سعودی عرب اور کویت میں امریکی افواج مستقلاً قیام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پذیر ہیں اور جب چاہیں تمام ذخائر پر قابض ہو سکتی ہیں۔ان افواج کے مکمل اخراجات بھی متعلقہ مسلم ممالک برداشت کر رہے ہیں جس سے ان کی معیشت پر نا قابل برداشت بوجھ ہے۔صدر کلنٹن کے مختصر دورے کے موقع پر جو جلی اور خفی دھمکیاں دی گئیں ان میں سفارتی تنہائی، ناکام ریاست بننے کا خطرہ، معاشی تباہی وغیرہ سرفہرست ہیں اور جہادی قوتوں کی پشت پناہی پر تنبیہہ کی گئی ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ واحد مسلم نیوکلیائی ریاست ہونے کے سبب پاکستان پورے عالم اسلام کی نمائندگی کرتا ہے۔تاہم تمام عالم اسلام کے خلاف بدترین حملے کا آغاز اقوام متحدہ کے بیجنگ پلس 5 نامی اجلاس میں 5 جون کو شروع ہوگا اور 9 جون کو اختتام پذیر ہوگا۔یہ حملہ اسلام کی بنیادی اخلاقی اور مذہبی قدروں کے خلاف ہے۔اس اجلاس کا ایجنڈا اسلامی شریعت، اخلاقیات، حیا، شائستگی اور عصمت وعفت کے تصور کی پامالی پر مشتمل ہے۔اقوام متحدہ کا مجوزہ قانون تمام مذہبی اور اخلاقی تعلیمات سے بالاتر مانا جائے گا اور اس کی خلاف ورزی پر اقوام عالم ''مجرم ملک'' کے خلاف ایکشن لینے کی مجاز ہوں گی۔مجوزہ قانون کے مطابق عورتوں اور مردوں میں ہم جنس پرستی اور بغیر نکاح کے ازدواجی زندگی گزارنے کو قانونی حیثیت دی جائے گی۔خاوند سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے اور بچوں کی پیدائش پر خواتین معاوضے کی حقدار ہوں گی۔طوائفوں کو ''جنسی کارکن'' کا درجہ دیا جائے گا۔خواتین جب چاہیں خانگی کام کرنے سے انکار کرنے کی حقدار ہوں گی۔خواتین کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے خاوند کو عدالت میں گھسیٹ لے جائیں، اگر وہ ان کی رضامندی کے بغیر ازدواجی تعلقات قائم کرنے کا مرتکب پایا جائے۔

خواتین اپنی مرضی سے اسقاط کرا سکیں گی یا پیدائش کے عمل میں حصہ لیں گی۔واضح رہے کہ گزشتہ اجلاسوں میں اسلامی حکومتوں کے نمائندوں نے اپنے عقیدے، مذہبی تعلیمات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی صریحاً نفی کرنے والے ایجنڈے کی مزاحمت نہیں کی بلکہ چند امور پر اپنے تحفظات کا اظہار کرنا ہی کافی سمجھا۔موجودہ اجلاس میں طاغوتی قوتوں نے ان تحفظات کے خلاف بھی پیش بندی کر لی ہے اور ایجنڈے میں یہ نکتہ بطور خاص شامل کیا گیا ہے کہ ''اقوام عالم ان قوانین کی توثیق کرتی ہیں اور اس کنونشن کے اغراض ومقاصد سے متصادم تمام اعتراضات اور تحفظات ختم کئے جاتے ہیں''۔

یہ ایک ہلکی سی جھلک اس خوفناک حملے کی ہے جس کا مقصد مسلم سوسائٹی کی اخلاقیات کا جنازہ نکالنا ہے تاکہ مسلم معاشرہ بھی اسی بے حیائی، بدکرداری اور بے غیرتی میں ملوث ہو کر ایک رستا ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناسور بن جائے جس میں مبتلا ہو کر مغربی ممالک اعلیٰ مذہبی اور اخلاقی اقدار سے محروم ہو چکے ہیں۔ مغربی اقوام نے اخلاقی انحطاط اور جنسی بے راہ روی کو اپنے معاشروں میں خود رائج کیا۔ تاہم مسلم معاشروں کی تباہی کا سامان عورتوں کے حقوق کی آڑ میں اقوام متحدہ کے ادارے کے ذریعے کیا جا رہا ہے جس کی قوت نافذہ کے بل بوتے پر یہ زہر مسلمان ممالک کو زبردستی پلایا جائے گا تاکہ ان کی بلند کرداری بھی داستانِ پارینہ بن جائے اور وہ جنسی تلذذ کا شکار ہو کر سسک سسک کر مرتے رہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی جانب سے خطرے کا خود بخود تدارک ہو جائے گا۔ مغربی اقوام کی جانب سے عالم اسلام کے خلاف یہ خوفناک منصوبہ بہترین صیہونی ذہنوں کی تخلیق ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی

مچھلی ہے شاد کام کہ لقمہ ہوا نصیب
صیاد یوں مگن ہے کہ کانٹا نگل گئی

لحم خنزیر کھانے والی اقوام میں متعدد ایسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو کہ خود خنزیر سے مخصوص ہیں یہاں ان صفات کا تذکرہ کیا جانا چاہئے لیکن ہمیں اپنی اخلاقی اقدار ان کے تذکرے کی بھی اجازت نہیں دیتیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ خنزیر خور معاشرے جو مقاصد کھلی جنگ سے حاصل نہیں کر سکے اب وہی مقاصد اقوام متحدہ کے ذریعے مسلم معاشروں پر مسلط کرنے کے درپے ہیں تاکہ ہمیں اخلاقی بے راہ روی میں مبتلا کر کے اعلیٰ اقدار سے محروم کیا جا سکے اور ہم کسی مرحلے پر ان کے لئے ممکنہ خطرہ نہ بن سکیں۔ کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ اس ایجنڈے کو تسلیم کرنے کی بجائے تمام مسلم ممالک یک زبان ہو کر کفر و الحاد کی نمائندہ طاقتوں کے خلاف ڈٹ جائیں اور اپنے مذہب، عقیدے اور ایمان کی حفاظت کی خاطر کٹ مرنے کو تیار ہو جائیں۔ اگر مسلمانان عالم نے روز قیامت تک خواب خرگوش سے نہ جاگنے کا عزم کر رکھا ہے تو قیامت تو صرف چند ہی روز دور ہے!

ع کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور؟

نوائے وقت..... 26 مئی 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قومی مفادات اور مصلحت کے تقاضے

امریکہ میں 11 ستمبر کو ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے بعد سے پوری دنیا ایک بحرانی صورت حال سے دوچار ہے۔ دہشت گردی کے یہ واقعات اقوام عالم کی مجموعی نفسیات پر اثر انداز ہوئے ہیں اور یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ اگر دہشت گردی پر فوری طور پر قابو نہ پایا گیا تو یہ تمام دنیا کے امن کے لیے ایک مہیب خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ جہاں تک دہشت گردی کے اسباب کا تعلق ہے تو اس میں بھی کوئی اختلاف رائے نہیں کہ یہ بڑی طاقتوں کی ناانصافی پر مبنی پالیسیوں کا غیر متوان ردعمل ہے۔ اس سلسلے میں صدر پرویز مشرف بھی اپنی پریس کانفرنس میں وضاحت کر چکے ہیں کہ جب تک مسئلے کی بنیاد تک نہیں پہنچا جائے گا اس کا تسلی بخش حل تلاش کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس سے قطع نظر یہ بھی حقیقت ہے کہ دہشت گردی اور جہاد میں ایک بیّن فرق ہے اور ان دونوں کو آپس میں خلط ملط نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں امام کعبہ کا بیان اخبارات میں چھپ چکا ہے جس میں انہوں نے تمام مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ نہتے اور معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا لہٰذا ایسے شدت پسندانہ اقدامات کو جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی موضوع پر حال ہی میں چھپنے والے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دو مضامین پیش نظر ہیں۔ ان کے پہلے مضمون کا مرکزی خیال بھی انتہائی متنازعہ ہے۔ انہوں نے ایک عالم دین ہوتے ہوئے قوم کے نفاق اور انتشار کو اسلامی انقلاب کے لیے بہت مفید قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بیک جنبش قلم قوم کی غالب اکثریت کو جو ملک کے تحفظ کے سلسلے میں صدر پرویز مشرف کی پالیسی کی حمایت کرتی ہے لادین قرار دے دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے میں اس شدت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے کہ انہوں نے ملکی سلامتی کے ضمن میں اختلاف رائے رکھنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے طبقات کو ''خبیث'' اور ''طیب'' میں تقسیم کر دیا ہے۔ظاہر ہے کہ ایک عالم دین کی جانب سے اتنی شدت پسندی کا مظاہرہ کوئی مستحسن بات نہیں۔محض اختلاف رائے کی بنا پر عوام کی غالب اکثریت پر لادین اور خبیث کا حکم لگانا ایک عالم دین کو زیب نہیں دیتا۔اگر وہ اپنے نقطہ نظر کا پرچار کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا حق ہے لیکن ایسے غلط الفاظ کے انتخاب سے انہوں نے مضمون کے مجموعی تاثر کو بھی منفی بنا دیا ہے۔بقول مولانا حالی

کی نصیحت بری طرح ناصح
اور ایک دس ملا دیا بس میں

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے دوسرے مضمون کا تجزیہ کرتے ہیں۔موصوف کا خیال ہے کہ اگر ہم جرات کر کے کھڑے ہو جاتے تو امریکہ افغانستان کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکتا کیونکہ چین کبھی بھی گوارا نہ کرتا کہ پاکستان کا وجود ختم ہو جائے۔یہ دلیل خاصی محل نظر ہے۔1971ء میں بھی پاکستان کا وجود شدید خطرے سے دوچار تھا تو بشمول چین کتنے دوست ممالک ہماری مدد کو آگے آئے تھے؟ ظاہر بات ہے کہ ہر ملک کے اپنے قومی مفادات ہوتے ہیں اور ان مفادات کی قیمت پر دوستیاں نہیں نباہی جا سکتیں نہ ہی کوئی قوم دوسروں کی خاطر مصیبت مول لیتی ہے الا کہ ایسا کرنا ان کے اپنے قومی مفاد میں ہو۔البتہ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ حکومت نے چین سے اس نازک مرحلے پر مشاورت نہ کی ہو۔

اپنے مضمون کے اسی پیرے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ حقیقت بیان کی ہے ''سول سپریم آف یونیورس تو اللہ ہے۔'' لہٰذا اس درجہ خوفزدہ ہونے کی بات نہیں۔یہاں ایک فکری تضاد سامنے آ گیا کہ موصوف دنیا بھر کی مخالفت کا مقابلہ چین کے بل بوتے پر کرنا چاہتے ہیں یا اللہ کی مدد کے سہارے؟ کیونکہ چین تو اپنے مفادات کے پیش نظر بین الاقوامی برادری کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتا۔یہیں ایک اور نکتے کا جواب دے دینا بھی مناسب ہوگا،محترم مضمون نگار نے سورۃ مائدہ کا حوالہ دیتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی دوستی کو ممنوع قرار دیا ہے۔بہتر ہوتا یہاں وہ یہ وضاحت بھی کر دیتے کہ اسی آیت کی روشنی میں چین کے ساتھ دوستی کو کس کھاتے میں ڈالا جائے گا کیونکہ آپ کے نقطہ نظر سے تو وہ بھی ایک لادین قوم ہے؟

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ کو مشرکین اور یہود کے ساتھ دوستی کا نام دیا جائے گا یا ڈپلومیٹک حکمت عملی کا؟ ظاہر ہے کہ یہ دوستی نہیں تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی جانب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے قرآنی احکام کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سراسر ڈپلومیٹک حکمت عملی تھی جس کی گنجائش رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل میں موجود ہے۔ جہاں تک یہود و نصاریٰ سے دوستی کا تعلق ہے تو وہ تب بھی ممنوع تھی اب بھی ممنوع ہے۔ اسی طرح ڈپلومیٹک تعلقات تب بھی مباح تھے اور اب بھی مباح ہیں۔

اقوام عالم سے تعلقات ہمیشہ ملکی مفادات کے حوالے سے بنتے یا بگڑتے ہیں اور یہ تعلقات فریقین کے باہمی مفادات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے قیام پاکستان کے فوراً بعد "عیسائی اقوام" سے اسلحہ بارود حاصل نہ کیا ہوتا اور دفاعی معاہدوں میں شامل نہ ہوتے تو بھارت کے ہاتھوں پاکستان کبھی کا ناپید ہو چکا ہوتا۔ ایسے حالات میں یورپی اقوام کے ساتھ ہمارے تعلقات مجبوری پر مبنی تھے اور یہی صورتحال آج بھی درپیش ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان دفاع اور اسلحے میں خود کفیل ہوتے اور ہماری دفاعی ضروریات پوری کر سکتے تو ہمیں غیر مسلم اقوام سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

پاکستان کے علاوہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات دو ایسے ممالک تھے جنہوں نے طالبان کو تسلیم کر رکھا تھا لیکن انہوں نے اپنے قومی مفادات کے پیش نظر طالبان سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے ہیں۔ ان کے برعکس پاکستان نے اب تک بھی افغانستان سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع نہیں کیے۔ گویا تمام ممالک نے اپنے قومی مفادات کے پیش نظر آزدانہ فیصلے کیے ہیں اور ضروری نہیں کہ مفادات کی نوعیت ایک جیسی ہو۔ قومی مفادات کے ضمن میں ایک روشن مثال سلطان شمس الدین التمش کی ہے جس کے دور حکومت میں جلال الدین خوارزم شاہ نے تاتاریوں کے خلاف ہندوستان میں پناہ چاہی۔ سلطان التمش کو اس چیز کا احساس تھا کہ وہ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر وہ خوارزم شاہ کو پناہ دے دیتا تو وہ اس کی حفاظت تو نہ کر سکتا لیکن اس کی اپنی سلطنت ضرور تباہی سے دوچار ہو جاتی۔ لہٰذا اس نے چند دن کی مہمانداری کے بعد خوارزم شاہ سے معذرت چاہی اور یوں اپنی حکمت عملی سے ہندوستان کو تاتاریوں کی یلغار سے محفوظ کر لیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں احمد شاہ ابدالی کے حوالے سے مسلمانان ہند پر افغانستان کے احسان کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اس احسان کا بدلہ تو پاکستان گزشتہ 22 سال سے چکاتا چلا آ رہا ہے۔ روس کی یلغار سے لے کر تادم تحریر ہزاروں پاکستانی خاد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں یا روس کے خلاف جنگ میں شہید ہو چکے ہیں۔ طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے میں بھی پاکستان سرفہرست تھا لیکن بدقسمتی سے طالبان نادان دوست ثابت ہوئے۔ ان کی وجہ سے پاکستان نے عالمی مخالفت مول لی اور دہشت گرد قرار دیئے جانے کے قریب پہنچ گیا۔ طالبان کی رائج کردہ شریعت کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مقرر کردہ لمبائی سے چھوٹی داڑھی رکھنے والے کو درے مارنا، نیکر پہننے پر قید کی سزا دینا اور عورتوں کے لیے تعلیم ممنوع قرار دینا یقیناً اسلامی تعلیمات اور رواداری سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پھر یہ ملاحظہ کیجئے کہ ہم تو کرہ ارض کے ہر گوشے میں تبلیغ اسلام کو اپنا حق سمجھتے ہیں لیکن عیسائی مبلغین کو اسی جرم میں موت کی سزا دینے پر اصرار کرتے ہیں۔ پاکستان کی جانب سے تمام برداشت اور تحمل کے مظاہرے کے باوجود طالبان نے پاکستان سے کسی طرح کا تعاون نہ کیا۔ اس وقت بھی پاکستان کے چالیس مطلوبہ دہشت گردوں کو طالبان نے پناہ دے رکھی ہے جنہیں پاکستان کے اصرار کے باوجود واپس نہیں کیا گیا۔ یہ وہ افراد ہیں جو فرقہ وارانہ دہشت گردی میں ملوث ہو کر سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ کیا طالبان کا یہ رویہ دوستی کا مظہر کہلا سکتا ہے؟ ان کا طرز عمل قاعدے، قانون، انصاف یا شریعت کا پابند نہیں بلکہ مخصوص قبائلی روایات پر مبنی ہے۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مطلوبہ ملزمان کو پناہ دینا اور واپس نہ کرنا قرآن مجید کے الفاظ میں ''حمیت الجاہلیہ'' (TRIBAL CANT) کا مظہر ہے۔

اگلا نکتہ مصلحت کے تحت لچک دکھانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ میثاق مدینہ کے وقت یہودیوں کا دشمن ہونا ابھی ثابت نہیں ہوا تھا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے ''الرحیق المختوم'' کا حوالہ دیا ہے لہذا مذکورہ کتاب کے ہی صفحہ نمبر 280 پر ملاحظہ کیجئے تو اس میں واضح طور پر تحریر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف نہ لے جاتے تو عبداللہ بن ابی رسم تاجپوشی کے بعد مدینے کا بادشاہ بن چکا ہوتا۔ اسی بنا پر یہودی روز اول سے مسلمانوں کے مخالف تھے۔ صفحہ نمبر 306 پر پھر اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ مشرکین نے یہود کو بھی اپنے ساتھ گانٹھ رکھا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی حکمت سے شر و فساد کی آگ کو بجھا دیا کرتے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حکمت کیا تھی؟ اس حکمت کا تعلق ڈپلومیسی اور دفاع سے ہے جس کو اختیار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بیک وقت دو محاذوں پر جنگ لڑنے کی بجائے ایک محاذ کو صلح کے معاہدے کے ذریعے خاموش رکھا اور ایک وقت میں صرف ایک دشمن کا سامنا کیا۔ پاکستان نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی آج وہی حکمت عملی اپنائی ہے تا کہ ہمیں بیک وقت کئی محاذوں پر نبرد آزما نہ ہونا پڑے تو ڈاکٹر صاحب اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ڈاکٹر صاحب نے ایک اور حدیث کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق اپنے مسلمان بھائی کو کسی دوسرے کے حوالے کرنے کی ممانعت ہے۔اول تو یہ تمام حوالے سیاق وسباق سے ہٹ کر ہیں دوسری اہم بات یہ ہے کہ قوانین میں استثنیٰ کی گنجائش بہر حال ہوتی ہے ورنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک مسلمان بھائی ابو جندل کو مشرکین مکہ کے حوالے ہرگز نہ کیا جاتا۔ فاضل مضمون نگار نے مزید فرمایا ہے کہ یہود کا اصل ٹارگٹ پاکستان اور اس کی ایٹمی صلاحیت ہے لیکن انہوں نے اس صلاحیت کے دفاع کے لیے کوئی طریقہ کار تجویز نہیں کیا۔اگر ہم عالمی طاقتوں کا ساتھ نہ دیتے تو ہماری ایٹمی صلاحیت اب تک ملیامیٹ ہو چکی ہوتی اور یہ کام بھارت برضا ورغبت سرانجام دیتا۔ جو چیز ڈاکٹر صاحب کے لیے باعث فکر ہے وہی بات ارباب حکومت کے پیش نظر ہے البتہ طریقہ کار کے متعلق اختلاف ہوسکتا ہے۔حکومت نے حکمت عملی سے کام لے کر بھارت کا محاذ خاموش کر رکھا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اپنے دفاعی اثاثوں کے تحفظ کے لیے کوئی بہتر تجویز ہے تو وہ ضرور سامنے لائیں۔ایک اصولی بات جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے مصلحت کے تحت لچک دکھانے سے متعلق ہے جس کی عملی صورت صلح حدیبیہ کے وقت سامنے آئی۔ڈاکٹر صاحب کے بقول مصلحت کا یہ راستہ اللہ کے حکم کے تحت اپنایا گیا۔ بالکل درست ہے لیکن کیا اس طرز عمل سے مصلحت اور لچک کا اصول طے نہیں پا گیا؟ کیا آج مصلحت کے تحت ایسے فیصلے کرنا ممنوع قرار پا چکا ہے؟ ظاہر ہے کہ وحی کا سلسلہ تو بند ہو چکا ہے لہذا آج کے دور میں مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ کا اپنایا ہوا رویہ ہی رہنما ثابت ہوسکتا ہے۔ حکومت وقت نے اسی رہنما اصول کے تحت لچکدار رویہ اپنایا ہے کہ ایک محاذ خاموش کر دیا جائے اور ملک کو درپیش خطرات کو ٹال دیا جائے۔ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا آخری نکتہ مسلمانوں کی مجموعی رائے کو اپنی رائے پر فوقیت دینے سے متعلق ہے۔اس ضمن میں میری گزارش ہے کہ افغان بھائیوں کے مفاد کی حد تک تو حکومت اور عوام کی رائے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ دونوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہے کہ بلاوجہ افغان بھائیوں کا جانی و مالی نقصان نہ ہو اور پاکستان کے قومی مفادات کو بھی زک نہ پہنچے۔ظاہر ہے کہ ان مقاصد کو چند انتہا پسند عناصر کی خاطر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ کمزور کی حمایت دو طرح سے کی جاسکتی ہے۔ایک طریقہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں اور طاقتور دشمن سے خود بھی مار کھائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ بظاہر طاقتور حریف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ کھڑے ہونے کا تاثر دیں اور سمجھا بجھا کر اس کو زیادتی کرنے سے باز رکھیں اور ایک خاص حد سے آگے نہ جانے دیں۔ پاکستان نے یہی دوسرا طریقہ اپنایا ہے کیونکہ پہلی صورت میں ہم افغانستان کو تو تباہی سے نہ بچا سکتے لیکن خود یقیناً تباہ ہو جاتے۔ پاکستان کی آخر تک یہ کوشش تھی کہ طالبان کو مصلحت کا راستہ اختیار کرنے کی جانب مائل کیا جائے لیکن انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف تباہی کا راستہ اختیار کیا ہے بلکہ ان کا اصرار تھا کہ پاکستان بھی اجتماعی خود کشی میں ان کا ساتھی بن جائے۔ ایسا کرنا یقیناً قومی سلامتی کے تقاضوں کے خلاف ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول یہود کا اصل ٹارگٹ پاکستان ہے۔ انہوں نے بجا فرمایا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغانستان کی حمایت کے نتیجے میں کیا پاکستان فوری طور پر ہنود و یہود کا ہدف نہ بن جاتا؟ کیا ہمارے پاس ایسی صلاحیت ہے کہ ہم اپنے ایٹمی اثاثہ جات پر پھینکے ہوئے میزائل کا رخ موڑ سکتے؟ ایسا صرف درست حکمت عملی کے ذریعے ہی ممکن تھا اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز کے مطابق اگر ہم طالبان حکومت کا ساتھ دیتے تو بھارت کی دلی مراد بر آتی جو کہ طویل عرصے سے پاکستان کو دہشت گرد قرار دلوانے پر تلا ہوا ہے۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ بیک وقت کئی محاذ نہ کھولے جائیں اور دشمن کی چال اسی پر پلٹ دی جائے۔ بھارت ہمارا سب سے قدیم اور مسلمہ دشمن ہے۔ ہمیں اپنی حکمت عملی کے درست یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنا ہو تو بھارت کے ردعمل سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ بھارت کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پاکستان چند افراد کی خاطر اپنے مفادات کو داؤ پر لگانے کی بجائے دور اندیشی سے کام لے گا اور اسے ڈپلومیسی کے میدان میں شکست دے پائے گا۔ ہماری اس مصلحت اور حکمت کی بدولت بھارت انگاروں پر لوٹ رہا ہے اور یہی ہماری درست حکمت عملی کا بین ثبوت ہے۔ اس نازک موقع پر علمائے دین کو کوتاہ بینی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے دور اندیشی سے کام لینا چاہئے اور انتشار اور افتراق کی بجائے اتفاق اور یکجہتی پر زور دینا چاہئے۔

نوائے وقت 11 اکتوبر 2001ء

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جراحت تحفہ 'الماس ارمغاں' داغ جگر ہدیہ

27 ستمبر سے تادم تحریر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے تین ایسے مضامین شائع ہو چکے ہیں جن کا تعلق 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں ہونے والی دہشت گردی اور اس کے مابعد اثرات سے ہے۔ چونکہ مذکورہ تحریروں کا نفس مضمون خاصا متنازع تھا لہٰذا ان کے خلاف ایک فطری رد عمل پیدا ہوا۔ ایک عالم دین کے قلم کی تحریر قارئین کے اذہان پر دیرپا اثرات مرتب کرتی ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مضامین نے نہ صرف رائے عامہ پر منفی اثر ڈالا ہے بلکہ مزید کنفیوژن کا باعث بھی بنے ہیں۔ ان میں سے دو مضامین کے جواب میں راقم الحروف نے ایک تفصیلی مضمون بھی تحریر کیا تھا جو تمام قومی اخبارات میں چھپ چکا ہے۔ زیر نظر مضمون کا محرک میرے موجودہ منصب کا تقاضا نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان فقط حق کا اظہار ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کا 10 نومبر کو چھپنے والا مضمون ہے جس میں موصوف نے نہ صرف دہشت گردی اور جہاد میں فرق روا نہیں رکھا بلکہ آج کل کے حالات میں دہشت گردی کو جائز بھی قرار دے دیا ہے۔ موصوف کے خیال میں چونکہ دشمن کو خائف کرنا مقصود ہے لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے دہشت گردی سمیت تمام حربے جائز ہیں۔ گذارش ہے کہ دشمن کو خائف اور مرعوب کرنے والے معروف اقدامات کا ذکر تو جنگی تیاری کے ضمن میں سورہ انفال میں کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ طریقوں میں دہشت گردی کا ہرگز کوئی ذکر نہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی دلیل کو درست مان لیا جائے تو پھر دنیا بھر کے غیر مسلموں کے پانی کے ذخائر میں زہر ملانا اور دشمن کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا بھی جائز قرار پائے گا کیونکہ اس طرح ان کو خوف میں مبتلا کیا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کے عمل کی اسلامی تعلیمات میں کوئی گنجائش نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل کو قوت فراہم کرنے کے لئے سورۃ الشوریٰ کی آیات کا حوالہ دیا ہے جن کے مطابق "برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے" لیکن موصوف نے غور نہیں کیا کہ بدلہ لینے کی بھی حدود مقرر ہیں یعنی دانت کے بدلے دانت' آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک۔ تاہم اگر کسی شخص کی بیوی' بیٹی یا بہن کی بے حرمتی کی جائے تو مدعی کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیا گیا کہ وہ مجرم کی بیوی' بیٹی یا بہن سے ویسا ہی شرمناک سلوک کرے۔ اس لئے کہ اول تو مجرم کے اہل خانہ شریک جرم نہیں تھے اور دوسرے اس لئے کہ خواتین کی بے حرمتی کا عمل اسلام کے آفاقی اصولوں کے خلاف ہے۔ فاضل مضمون نگار کے خیال میں چھاپہ مار جنگ کی طرح دہشت گردی کا جواز بھی قرآن اور سنت سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی منطق یہ ہے کہ بہت سے ایسے افعال جو عام حالات میں ممنوع ہیں حالت جنگ میں جائز قرار پاتے ہیں۔ مثلاً دشمن کو دھوکہ دینے والے اقدامات' اخفائے حقیقت' غلط بیانی وغیرہ۔

مندرجہ بالا جنگی حربوں کی حد تک ہمیں ڈاکٹر صاحب سے کوئی اختلاف نہیں۔ اصل اختلافی بات ڈاکٹر صاحب نے یہ کی ہے کہ استثنیٰ کا قاعدہ استعمال کرتے ہوئے غیر متحارب افراد یعنی بچوں' بوڑھوں' عورتوں اور مریضوں کا قتل بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف دلیل اور منطق بلکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی بھی نفی کی ہے۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں مسلمانوں پر کیا کیا مظالم نہ ڈھائے گئے۔ انہیں بھوکا پیاسا رکھا گیا' نیزوں سے کچوکے دیئے گئے' صحرا کی گرم ریت پر گھسیٹا گیا اور پر تشدد طریقوں سے شہید کیا گیا۔ کیا ردعمل کے طور پر مسلمانوں نے کسی ایک مشرک کے بچے' بیمار' بوڑھے یا عورت پر ظلم کیا؟ کسی اکیلے بچے یا عورت کو دھوکے سے پکڑ کر قتل کرنا مشکل نہ تھا لیکن اسلام میں اس کی اجازت نہ تھی لہٰذا کفار کا مقابلہ میدان جنگ میں معروف طریقے سے ہی کیا گیا۔ ان کے خلاف دہشت گردی کی اجازت دی گئی اور نہ ہی ان کے کنوئیں زہریلے کئے گئے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا دہشت گردی کے جواز میں فتویٰ ہرگز کسی صاحب فہم کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ محض علمی بحث ہوتی تو اسے نظر انداز بھی کیا جاسکتا تھا لیکن خدشہ ہے کہ فاضل مضمون نگار کی اس رائے کو اگر صحیح مان لیا گیا تو پاکستان میں فعال مختلف انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیمیں بھی اسی دلیل کا سہارا لے کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزید دہشت گردی پر تل جائیں گی۔ اگر استثنیٰ کی گنجائش کو اندھے کی لاٹھی کی طرح استعمال کیا گیا تو فرقہ وارانہ تنظیمیں کہہ سکتی ہیں کہ بے شک مسلمان کے جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہیں لیکن چونکہ مخالف فرقہ یا گروہ ہماری دل آزاری کرتا ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا استثنیٰ کے تحت جائز ہے۔ یہ دلیل متعصب لسانی، گروہی، علاقائی، نسلی اور فقہی اختلاف کی بنیاد پر قائم تنظیموں کو قوت فراہم کرے گی اور اس طرح دہشت گردی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے پھیلائے ہوئے اس علمی مغالطے کی تصحیح از حد ضروری ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں چند بنیادی حقائق ہمیشہ ذہن میں رکھنے چاہئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی بے قصور انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ عام کلیہ مخصوص حالات میں نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے اور دشمن کو خوف زدہ کرنے کی خاطر ان بے قصور افراد کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے جو جنگ میں شریک بھی نہ ہوں۔ اپنی اس دلیل کا جواز فاضل مضمون نگار نے جنگ احزاب کے بعد بنو قریظہ کے محاصرے سے فراہم کیا ہے۔ عام حالات میں درختوں کا کاٹنا اور فصلوں کا اجاڑنا اسلام میں جائز نہیں۔ لیکن مذکورہ محاصرے کے بعد بنو قریظہ کی بستی کے اطراف میں اگے ہوئے کھجور کے کچھ درخت کاٹ دیئے گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ درختوں کا کاٹا جانا ایک عام اصول سے روگردانی تھی لہٰذا مخصوص حالات میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور بیماروں کی جانوں کی حرمت کے اصول کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اگر ان کو قتل کر کے فوائد حاصل کئے جا سکتے ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کو قرآن اور سنت کی روشنی میں ہرگز درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مضمون نگار یہ رائے قائم کرنے میں تین منطقی اور علمی مغالطوں کا شکار ہوئے ہیں۔ پہلی فکری غلطی انہوں نے یہ کی ہے کہ درختوں اور انسانوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ حالانکہ درخت تو انسانی ضروریات کے لئے دن رات کاٹے جا سکتے ہیں لیکن ایک انسان اپنی بھوک مٹانے کے لئے دوسرے انسان کا گوشت پوست استعمال میں نہیں لا سکتا۔ لہٰذا انسانوں اور درختوں میں اس لحاظ سے کوئی مماثلت نہیں۔ مضمون نگار نے دوسری غلطی یہ کی ہے کہ درختوں کے کاٹے جانے سے استثنیٰ کا جواز فراہم کر کے غیر محارب افراد کا قتل بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنو قریظہ کی بستی کے درخت تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے تھے۔ سورہ حشر کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت نمبر5کاترجمہ یوں ہے:

"مومنو! کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یاان کواپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیاسو خدا کے حکم سے تھااور مقصود یہ تھاکہ وہ نافرمانوں کورسواکرے"

مندرجہ بالا آیت کے مطابق پیغمبر رسول ﷺ نے درخت اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کٹوائے تھے۔ گویااگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو جنگی ضرورت کے باوجود پھل دار درخت بھی نہ کاٹے جاتے۔ کجا یہ کہ عورتوں اور بچوں کا قتل جائز قرار دیا جاتا۔ بہ الفاظ دیگر عام حالات میں رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ اختیار نہ تھاکہ وہ ازخود پھلدار درخت کاٹنے کا حکم دے سکتے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے بڑی سہولت سے جنگی مقاصد حاصل کرنے کے لئے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز قرار دے دیاہے۔ کیاڈاکٹر صاحب اس فتوے کے جواز میں قرآن کی کوئی آیت لاسکتے ہیں؟ جو عمل حضوراکرم ﷺ نے خود جائز قرار نہیں دیا اسے ڈاکٹر صاحب کیسے جائز قراردے رہے ہیں؟

الرحیق المختوم کے مطابق بنو قریظہ کے ہتھیار ڈالنے کے بعد ان کے تمام مردوں کو سازش اور عہد شکنی کے جرم پر قتل کر دیا گیا تھا لیکن کس عورت یا بچے کو قتل نہیں کیا گیا تھا سوائے ایک عورت کے جس نے چکی کا پاٹ پھینک کر ایک مسلمان خلاد بن سوید کو شہید کر دیا تھا۔ لہٰذا ایک بار پھر یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ غیر محارب عورتوں اور بچوں کی جان لینا قرآن اور سنت کی رو سے جائز نہیں۔ علمائے جامعہ الازہر اور امام کعبہ نے بھی 11 ستمبر کے واقعات کو دہشت گردی ہی قرار دیا ہے۔ اگر جہاد اور دہشت گردی میں فرق روا نہ رکھا گیا تو مسلمانوں میں اور ظالموں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا اور ظاہر ہے کہ ناحق کسی کی جان لینے کے عمل کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عالم اسلام اور بالخصوص مسلمانان پاکستان کے طویل المدت مفادات کے پیش نظر میں ڈاکٹر صاحب کو دہشت گردی کے موضوع پر ازسرنو دعوت فکر دیتا ہوں۔ عالم کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی غلط رائے سے رجوع کرنے کی اخلاقی جرات بھی رکھتا ہو۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ہفتم
قیادت اور سیاست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قومی مفاد اور حکومتی اقدامات

گزشتہ چند ہفتوں میں وقوع پذیر ہونے والے قومی اہمیت کے واقعات بین الاقوامی صورتحال اور حکومتی اقدامات کا مجموعی تجزیہ کیا جائے تو بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس ہونٹوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ موجوں میں مصروف حکمرانوں اور اپنے آپ میں مگن قوم کو جھنجھوڑنے کا فریضہ ''نوائے وقت'' اپنے کالموں اور اداریوں کے ذریعے مسلسل انجام دے رہا ہے۔ باضمیر اور باشعور اہل قلم بھی اپنے مضامین اور تجزیوں سے خطرے کی گھنٹی بجا رہے ہیں لیکن ''بے خبر سنی'' کی طرح ہمارے قائدین بے خبری کا مظاہرہ کرنے اور ڈھلان سے نیچے کی طرف سفر جاری رکھنے پر مصر ہیں۔ مجموعی قومی مفاد ایک ایسا موضوع ہے جس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہونا چاہئے اور اس پر رائے زنی کرتے وقت پارٹی پالیٹکس کی سطح سے بلند رہ کر اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا چاہئے کیونکہ پاکستان ہے تو سیاست کی رونقیں بھی ہم دیکھتے رہیں گے اور جمہوریت بھی آگے بڑھتی رہے گی۔ تاہم اگر پاکستان کے مفاد کو زک پہنچی تو پھر خدانخواستہ کچھ بھی نہیں رہے گا۔

17 جنوری کو وزیراعظم جب ڈھاکہ سے واپس آئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کیا کشمیر پالیسی اور ایٹمی صلاحیت کے خلاف پاکستان کو بڑی طاقتوں کے دباؤ کا سامنا ہے تو جواب دیا گیا کہ اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ گویا آپ کوئی سا بھی مطلب اخذ کر سکتے ہیں۔ بالواسطہ طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ دباؤ تو ہے لیکن ہم قوم کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتے بلکہ تن تنہا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور بھاری مینڈیٹ کی آڑ میں قوم کو یہ فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔ اگر یوں نہ ہوتا تو دوٹوک انداز میں کہا جا سکتا تھا کہ ہم پر کوئی دباؤ نہیں یا دباؤ تو ہے لیکن ہم جھکنے پر تیار نہیں۔ بعد میں تھوڑی سی ترمیم کی گئی کہ ہمیں قومی مفاد کی سمجھ ہے اور کوئی فیصلہ بھی قومی مفاد کے خلاف نہیں کیا جائے گا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے ہاں قومی مفاد کے تعین کا کوئی ادارہ ہے یا صرف چند افراد اپنی صوابدید پر ہر کام کر گزرتے ہیں؟ ہم کسی کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہتے لیکن جب نیا اٹھنے والا ہر قدم بظاہر تباہ کن دکھائی دے رہا ہو تو خوش فہمی میں مبتلا رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی بزعم خویش پاکستان کی فلاح سوشلزم کے نفاذ اور قومی اداروں کو قومیانے میں تلاش کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی لیکن اس کے نتائج آج تک پوری قوم بھگت رہی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ حکمران جن اقدامات کو ملکی مفاد میں بہتر سمجھتے ہیں وہ واقعی ہمارے مفاد میں ہوں؟ دوررس نتائج کے حامل معاملات پر بحث کیلئے پارلیمنٹ اور ڈیفنس کونسل کے دوادارے ہیں لیکن CWC پر دستخط کرتے وقت نہ تو اسمبلی میں بحث ہوئی اور نہ ہی ڈیفنس کونسل کا اجلاس بلایا گیا تا کہ یہ فیصلے بحث وتمحیص کے بعد اتفاق رائے سے کئے جاتے، ان کا کوئی پس منظر ریکارڈ کیا جاتا اور آئندہ پالیسی میں تسلسل کا باعث بن سکتے۔ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار اپنے تباہ کن اثرات اور کم لاگت کی وجہ سے غریب اقوام کا ایٹم بم کہلاتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کی پابندی کے معاہدے پر دستخط کر کے نہ صرف ہم نے اپنے لئے ایک ممکنہ راہ عمل مسدود کردی ہے بلکہ اس کے اور بھی خطرناک مضمرات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کل کلاں کہا جاسکتا ہے کہ ہماری اطلاع کے مطابق کہوٹہ میں کیمیائی ہتھیار بنائے جارہے ہیں لہذا ایک بین الاقوامی معائنہ ٹیم بھیجی جاسکتی ہے جو کہ معائنے کے بعد مطمئن ہوسکے کہ رپورٹ غلط تھی۔ اب بتایئے کہ آپ اپنی حاکمیت اعلیٰ میں غیر ملکی دخل اندازی کو کیسے روک سکیں گے؟ کیا یہ کہوٹہ کے معائنے کی طرف ایک واضح پیشرفت نہیں بن جائے گی؟ اگر ایسا نہ بھی ہو تو جب ہندوستان نے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے دوٹوک انکار کردیا تھا تو ہمیں کون سی مجبوری درپیش تھی کہ اپنے ہاتھ کٹوالینے پر رضا کارانہ تیار ہوگئے؟ یہ صورتحال خدانخواستہ ہمیں عراق والی پوزیشن پر تو نہ لے جائے گی؟

بین الاقوامی ڈپلومیسی کے مخصوص اشارے کنائے اور پیرائے ہیں۔ ان رموز کو سمجھنے کیلئے رسمی بیانات اور تحریروں کے بین السطور مفہوم کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس میدان میں راقم الحروف نے کچھ واضح اشارات کا مشاہدہ کیا ہے۔ (1) کشمیر کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ چینی مؤقف میں تبدیلی آئی ہے۔ کیا ہم امریکہ پرستی میں اتنی دور نکل گئے ہیں کہ چین جیسے آزمودہ دوست ملک کو بھی ناراض کر بیٹھے ہیں؟ ہمیں اپنی خارجہ پالیسی کا ازسرنو جائزہ لینا چاہئے (2) عیدالفطر کے موقع پر صدر کلنٹن نے مسلمانوں کیلئے مبارکباد کا جو پیغام بھیجا اس میں مختلف محکوم اقوام کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ ہے لیکن کشمیری مسلمانوں کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے سپر پاور کی ترجیحات کا اندازہ ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کو نہ تو کوئی بین الاقوامی مسئلہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہے۔ (3) یکم فروری کو میاں نواز شریف نے بیان دیا کہ چاہے کوئی سی بھی پارٹی ہندوستان میں حکومت بنائے ہم اس سے مذاکرات کریں گے۔ اگلے ہی روز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وزیراعظم نے مزید کہا کہ ہم ہندوستان سے مذاکرات کیلئے کمیٹڈ ہیں۔ البتہ انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ کمٹمنٹ کون سی مجبوری کے تحت کس سے کی گئی ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ اس کمٹمنٹ سے پاکستان کو کیا حاصل ہوگا اور مذاکرات نہ کرنے کی صورت میں کیا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؟ (4) گزشتہ برس اقوام متحدہ کے ایجنڈے سے کشمیر کا مسئلہ خارج کر دیا گیا اور بمشکل اسے دوبارہ ایک سال کیلئے ایجنڈے میں شامل کرایا گیا۔ یہ تمام مظاہر ایک ہی سمت کا اشارہ دے رہے ہیں کہ امریکہ کے نزدیک اب کشمیر کے مسئلے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور پاکستان پر مسلسل دباؤ ہے کہ باہمی مذاکرات سے جو کچھ ملتا ہے اسی پر قناعت کرو کیونکہ بڑی طاقتوں کی باندی اقوام متحدہ کے نزدیک یہ مسئلہ اپنی موت مر چکا ہے۔

امریکہ یا اقوام متحدہ نہ پہلے ہماری مدد کو آئے تھے نہ آئندہ آئیں گے۔ اقوام متحدہ کے ایجنڈے سے مسئلہ کشمیر کا اخراج بھی پاکستان پر دباؤ بڑھانے کی ایک صورت ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کمزور ممالک طاقتور ممالک سے مذاکرات کے ذریعے بات منوا سکتے تو اقوام متحدہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ لہذا باہمی مذاکرات سے تو وہی کچھ ہوگا جو طاقتور ممالک چاہیں گے۔ اقوام عالم کی تاریخ میں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ان کا مسلمہ مؤقف صدیوں کے بعد درست تسلیم کر لیا گیا۔ تائیوان کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ چین اپنے حق ملکیت سے دستبردار نہیں ہوا۔ جرمنی ابھی حال میں ہی از سر نو متحد ہوا ہے۔ قبرص کی صورتحال جوں کی توں ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں سمجھی جاتی، معاملات آخر کار مذاکرات کی میز پر ہی طے پاتے ہیں لیکن جب فریق مخالف مذاکرات سے منکر ہو تو جنگ کے ذریعے اسے مذاکرات پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی موجودہ صورتحال تعجب خیز ہے کہ حالیہ ڈیڑھ دو برس میں کوئی جنگ ہارے بغیر ہم مذاکرات کیلئے مجبور کئے جا رہے ہیں اور وہ بھی فریق مخالف کی شرائط پر۔ تو پھر ایسے مذاکرات کی کون سی مجبوری ہے اور کون سے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ ادھر ایک وفاقی وزیر نے بیان دیا ہے کہ فوج پر بجٹ کا 72 فیصد خرچ ہو رہا ہے۔ موصوف کو دفاعی اخراجات تین گنا بڑھا کر بتانے میں نجانے کیا مصلحت درپیش تھی؟

اب آیئے اندرونی صورتحال کی طرف۔ سندھ میں ایم کیو ایم کے عدالت سے سزا یافتہ مجرموں کو رہا کیا جا رہا ہے۔ الطاف حسین کا کہنا ہے کہ ان کے کارکنوں کی رہائی باطل قوتوں کی شکست ہے۔ کیا قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد کو گھات لگا کر شہید نہیں کیا گیا تھا؟ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخالفین کی بوری بند لاشیں چوراہوں پر نہیں پھینکی گئی تھیں اور منحرفین پر انسانیت سوز مظالم نہیں ڈھائے گئے تھے؟ پاکستان کے استحکام کو داؤ پر لگا کر یہ کون سی سیاست کی جارہی ہے؟ کسی مرحلے پر تو اصول پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ بس جناب بہت ہو چکا اب اس سے زیادہ کمپرومائز کی گنجائش نہیں آپ حکومت سے الگ ہونا چاہیں تو بصد شوق ہو کر دیکھ لیں۔ حکومت کو دباؤ میں آنے کی بجائے قومی مفادات کو مقدم رکھنا چاہئے ورنہ انتہا پسند گروہ از سر نو منظم ہو کر لاینحل مسائل پیدا کر دیں گے۔ سیاسی معاملات کو سیاسی انداز میں طے کرنے کی ترغیب دینا چاہئے۔ میاں صاحب کو رجعت قہقری کی بجائے امن عامہ بحال کرنے میں مزید پیشرفت کرنی چاہئے۔ ویسے بھی وسیع تر قومی مفاد میں اگر انہیں کچھ مشکل فیصلے بھی کرنے پڑے تو وہ تمام محبّ وطن عناصر کو اپنی پشت پر پائیں گے۔

صوبہ سرحد میں اے این پی کھل کھیلنے پر تل گئی ہے۔ مسلم لیگ کے ہمدردوں کو یقین نہیں آتا کہ ایسے مایوس کن اقدامات ان کی حکومت کی طرف سے کئے جارہے ہیں۔ ایک مرحلے پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلم لیگی حکومت مختلف لسانی، گروہی، صوبائی اور قومیت پرست قوتوں کو قومی دھارے میں لے آئی ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تاثر گہرا ہوتا جارہا ہے کہ اس کھیل میں مسلم لیگ نے کھویا ہی کھویا ہے پایا کچھ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرحد کے وفاق دشمن عناصر نے اپنے منفی مقاصد اور مطمع نظر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ صرف وقتی طور پر اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کر کے وہ یکے بعد دیگرے اپنے مقاصد حاصل کرتے جارہے ہیں۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اے این پی کے ساتھ اتحاد برقرار رکھا جائے گا۔ ایسے ہی بیانات سے دوسرے فریق کو شہہ ملتی ہے اور وہ اپنی ہر جائز و ناجائز بات منوانے پر تلا رہتا ہے۔ اس مرحلے پر مجموعی صورتحال کا تجزیہ کر لینا سودمند ہو گا۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے قرضوں کے چنگل میں جکڑے جانے کے بعد ہماری رگ جاں بھی پنجہ یہود میں جا چکی ہے۔ امریکہ اس خطے میں اپنے بیشتر مقاصد حاصل کر چکا ہے۔ جب کہ باقی کیلئے اسے یقین دہانیاں کرائی جا چکی ہیں۔ ان مقاصد میں (الف) قرضوں کی واپسی کی ضمانت (ب) ہندوستان کے ساتھ تجارت اور روابط میں اضافہ (ج) خطے میں بھارت کی بالادستی کو تسلیم کرانا (د) ایران اور چین کے ساتھ تعلقات میں سرد مہری لانا (ہ) فوجوں میں واضح کمی اور دفاعی صلاحیت بشمول ایٹمی پروگرام اور کیمیائی ہتھیاروں پر پابندی قبول کرنا (و) باہمی مذاکرات سے لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد تسلیم کرنا (ز) ہانگ کانگ کے متبادل بحری اڈے کی فراہمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ح) عالمی طاقتوں کو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے لینڈنگ اور ایندھن کی فراہمی کی سہولیات
(ط) اور اسرائیل کو تسلیم کرانا سرفہرست ہیں۔ اگر غور سے اپنے گردو پیش کا جائزہ لیا جائے تو مطلوبہ سمت میں کافی پیش رفت ہو چکی ہے۔ حکمران بھارت سے تجارت کرنے اور مذاکرات کی میز سجانے کیلئے بے چین ہیں۔ کراچی کی بندرگاہ کی کچھ برتھیں غیر ملکی کنٹرول میں چل رہی ہیں۔ غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کیلئے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کی شرائط پر عملدرآمد جاری ہے۔ بجلی، گیس اور پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ بھی ناگزیر ہو چکا ہے۔ گرانقدر قومی املاک پرائیویٹائزیشن کے نام پر غیر ملکیوں کے قبضے میں جا چکی ہیں اس میں پاور پراجیکٹ بھی شامل ہیں جن کی نیلامی واپڈا کی تباہی کا پیش خیمہ بن رہی ہے۔ گوادر میں پراسرار سرگرمیاں جاری ہیں۔ کیمیائی ہتھیاروں کی بندش کے معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں۔ افغانستان میں حالات بدستور ناموافق ہیں۔ وسط ایشیاء سے تعلقات میں ابتدائی دور والی گرمجوشی مفقود ہے۔ ڈالر کی قیمت پر سرکاری کنٹرول عنقریب ختم ہونے والا ہے، جس کے منفی اثرات پوری معیشت پر پڑیں گے۔ ہندوستان کے ساتھ تجارت اور مذاکرات کے شوق میں ہم مسئلہ کشمیر کی بین الاقوامی حیثیت کو مجروح کر چکے ہیں۔

امریکہ کا دم چھلا بن کر ہم نے پہلے بھی اپنا نقصان کیا ہے اور اب دوبارہ اسی عمل سے گزر رہے ہیں۔ خارجہ پالیسی کا حال یہ ہے کہ ''نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں''۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

نوائے وقت۔ 12 مارچ 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم لیگی حکومت کو باوقار رویہ اختیار کرنا چاہئے

''ہم طرف دار ہیں غالب کے سخن فہم نہیں''

مرزا غالب کے مصرعے کی ترتیب اس کے برعکس ہے لیکن حالیہ عدالتی بحران میں مسلم لیگ کے خاموش حامیوں کی ذہنی کیفیت کی غمازی اس تحریف شدہ مصرعے سے ہوتی ہے۔ ہمیں مسلم لیگ اور مسلم لیگی حکومت سے دلی ہمدردی ہے لیکن نہ تو ان کی باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں اور نہ ہی ان کے اقدامات کی حمایت کی جاسکتی ہے۔ پیپلز پارٹی کا سب سے سنگین اور نا قابل معافی جرم قوم کے ڈسپلن کو تباہ کرنے اور اخلاقی اقدار کو کھوکھلا کرنے کا تھا۔ اسی بناء پر دونوں پارٹیوں کا سیاسی اور اخلاقی کلچر بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا اور جیالے پن پر پیپلز پارٹی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ دوسری طرف مسلم لیگ ہمیشہ سے شرافت کی سیاست کی علمبردار رہی ہے کیونکہ یہ قائداعظمؒ کی مسلم لیگ ہونے کی دعوے دار ہے۔ اس قائد کی جس نے مسلم لیگ کے جلسے میں بدنظمی کے آثار دیکھے تو جلسے سے خطاب کرنے سے انکار کر دیا۔

عوامی عدالت میں جانے کا نعرہ سب سے پہلے پیپلز پارٹی کی قیادت نے لگایا۔ بالواسطہ مطلب یہ تھا کہ آئینی اور قانونی عدالت کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں۔ اسی طرح عدالتوں کے ناپسندیدہ فیصلوں کو چمک کا نتیجہ بھی قرار دیا اور عدالتوں کو کینگرو کورٹس کے توہین آمیز نام سے بھی پکارا گیا۔ بعدازاں عدالتوں پر دباؤ بڑھانے کیلئے عدالتوں کے احاطے میں عوامی مظاہرے بھی کئے گئے اور نعرہ بازی بھی کی گئی۔ ملک کے پڑھے لکھے اور باشعور طبقے نے ان تمام اقدامات کو کبھی بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ نہ صرف مسلم لیگ بلکہ پیپلز پارٹی میں شامل متین اور سنجیدہ فطرت اصحاب نے بھی ایسے مظاہروں سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور یوں رفتہ رفتہ رائے عامہ پیپلز پارٹی کے خلاف ہوتی چلی گئی جس کا فطری نتیجہ گزشتہ انتخابات میں مسلم لیگ کی واضح برتری پر منتج ہوا۔

عسکری تاریخ میں یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ متحارب افواج ایک دوسرے کی خامیوں کو اپنا لیتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ یہی مشاہدہ اب وطن عزیز کی سیاسی پارٹیوں کے حق میں بھی صحیح ثابت ہو رہا ہے وہ تمام خرابیاں جو پیپلز پارٹی کی تباہی کا باعث بنیں اب بتدریج مسلم لیگ میں در آئی ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ سے عدالتی فیصلوں، قانونی کارروائی اور آئینی تقاضوں کے ضمن میں جو کچھ مسلم لیگ حکومت اور پارٹی کارکن کرتے رہے ہیں اس کا کسی بھی طرح دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی مرضی کے ججوں کی تعیناتی سے جو جھگڑا حکومت اور عدلیہ کے مابین شروع ہوا تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے ایک سنگین آئینی بحران کی شکل اختیار کر گیا۔ جن اقدامات پر پیپلز پارٹی کو لعن طعن کا نشانہ بنایا جاتا تھا اب اس سے کہیں بدتر صورتحال کا مسلم لیگی حکومت کو سامنا کرنا پڑا۔ وہی متکبرانہ رویہ ہمہ مقتدر ہونے کی خواہش، عوامی عدالت میں جانے کا ذکر، عدالتی فیصلے کو نہ ماننے کا عندیہ، دھمکی آمیز اقدامات، نعرے بازی Gate Crashing اور کارکنوں کا عدالتی احاطے میں داخلہ، وہی نعرے جو بے نظیر کے حق میں لگتے تھے "یا اللہ یا رسول، (فلاں فلاں) بے قصور۔

یہ سب آخر کیا ہے۔ کیا نعرے لگانے سے مکافات عمل کو ٹالا جا سکا ہے؟ حکومتی اراکین یاد رکھیں کہ افراد اور حکومتیں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن اداروں کی بے حرمتی مکمل تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

اور مسلم لیگ بھی اسی گناہ کی مرتکب ہوگئی۔ پیپلز پارٹی والے بھی اب ببانگ دہل یہ کہتے پھرتے ہیں کہ جو کچھ مسلم لیگی حکومت کر رہی ہے اس کا تو عشر عشیر بھی ہم نے نہیں کیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ فوج نے سیاست سے متعلق کوئی آئینی ذمہ داری نہ ہوتے ہوئے بھی وسیع تر ملکی مفاد میں تمام فریقین کو صبر و تحمل سے کام لینے کا مشورہ دیا اور از خود کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریز کیا۔ لیکن آخر کب تک؟ اس وقت مقتدر اداروں کا وقار داؤ پر لگا ہوا ہے۔ عدلیہ کے اندرونی خلفشار سے صورتحال مزید دھماکہ خیز ہوگئی ہے۔ ماہرین نے آئین کے مستقبل کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار شروع کر دیا ہے۔

ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں۔ شاید اب بھی کوئی راستہ نکل آئے، یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہمارا آئین ایسی صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کا کوئی حل نہیں بتاتا۔ اس بحران نے بہت سے Vacuums and Voids کی بھی نشاندہی کی ہے جس کے لئے آئین کو مزید جامع بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اداروں کی حدود و قیود متعین ہو جائیں جن سے تجاوز نہ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاسکے۔

ہمیں چاہے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے لیکن شاید ہمارے مسائل کا حل اپنے حالات کے مطابق کسی طرح کی سکیورٹی کونسل میں ہی ہو۔ اس پر بھی سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ اقوام اور افراد کو ساکت و جامد نظریات کی بجائے لچکدار نظریات اپنانے چاہئیں کیونکہ اعلیٰ ترین ملکی مفاد اسی میں ہے۔

تب تک کیلئے ہم مسلم لیگی حکومت کو صبر و تحمل سے کام لینے اور باوقار رویہ اپنانے کا مشورہ ہی دے سکتے ہیں۔ کم از کم اس حکومت کو اداروں کی تباہی کا الزام خود پر نہیں لینا چاہئے۔

نوائے وقت۔ 5 دسمبر 1997ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقدیر کا جبر یا شامت اعمال

بھارت کے سابق آنجہانی وزیر اعظم راجیو گاندھی کا سیاست سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ وہ ایک پیشہ ور پائلٹ تھے۔ دوسری طرف ان کے بھائی سنجے گاندھی کی تربیت ایک سیاستدان کے طور پر کی جارہی تھی اور امید کی جاتی تھی کہ وہ اندرا گاندھی کے جانشین بن کر کانگریس کی قیادت سنبھالیں گے، تاہم حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ جو سیاستدان تھا اس کی موت ایک فضائی حادثے میں ہوئی اور جو پیشہ ور پائلٹ تھا وہ بحیثیت سیاستدان موت سے ہمکنار ہوا۔ یہ تقدیر کا جبر تھا جس سے فرار ممکن نہیں۔ اسے تقدیر مبرم کہتے ہیں۔ لیکن تقدیر کا دوسرا رخ تقدیر معلق کا بھی تو ہے۔ حکیم الامت کا فلسفہ ہے کہ نا قابل تبدیل تقدیر صرف چند مخصوص معاملات تک محدود ہے جب کہ افراد اور اقوام کے بیشتر معاملات تقدیر معلق کے ضمن میں آتے ہیں جنہیں حسن تدبیر سے درست رکھا جاسکتا ہے یا اپنی بے تدبیری سے بگاڑا جاسکتا ہے۔ وطن عزیز کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیں تو بیشتر معاملات کو سیاستدانوں نے اپنی بے تدبیری سے بگاڑا لیکن ماضی سے کوئی سبق حاصل کرنے کی بجائے دوسرے عوامل کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور خود کو بے قصور قرار دیا۔ پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تاریخ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جاتا اور ہر نیا آنے والا از سر نو گزشتہ ادوار والی غلطیاں کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہے۔

عدلیہ اور حکومت کے درمیان موجودہ چپقلش کا ہی تجزیہ کر کے دیکھ لیں تو آپ کو گزشتہ اور موجودہ حکومتوں کے رویئے میں کوئی فرق دکھائی نہیں دے گا۔ انا کے قیدی اور اقتدار کے نشے میں چُور حکمران کسی بھی قسم کی پابندی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ خود کو عقل کل سمجھنے اور ہمچو ما دیگرے نیست والا رویہ آخر ان کو لے ڈوبتا ہے۔ ہر حکمران کو ہمہ مقتدر بننا ہی پسند ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ Absolute power corrupts Absolutely ہم مسلم لیگ اور مسلم لیگی حکومت کے ہمدرد ہیں لیکن آج ہمارے پاس ان کے دفاع میں لکھنے کو کچھ بھی نہیں۔ کیا یہ ضروری تھا کہ تمام اداروں کو سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا نشانہ بنایا جاتا، حالات کو اپنی ذاتی مرضی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطابق ڈھالنے کی کوششیں کی جاتی؟ حکومت کی خواہش ہے کہ آرمی چیف بھی ان سے سیاسی وابستگی رکھنے والا ہو۔

یہ بہت ہی منفی سوچ ہے۔ کیا بھٹو مرحوم اپنی مرضی کا چیف مقرر کر کے نوشتہ تقدیر سے بچ سکے تھے؟ اسی طرح عدلیہ کے ساتھ مناقشت جس نے اب اداروں کی بالادستی کا روپ دھار لیا ہے صریحاً ذاتی پسند اور ناپسند کی بنا پر دو جج صاحبان کی تقرری کا شاخسانہ ہے۔ معاملات کو جس بے تدبیری سے ہینڈل کیا جا رہا ہے اس میں قوم، ملک اور عوام سے ہمدردی کا عنصر سراسر مفقود ہے۔ یہ ایک ذاتی مفادات کی جنگ ہے۔ جس سے نہ تو درآمدی بل کم ہو جائیگا اور نہ ہی روپے کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ بلکہ بے یقینی کی فضا میں سرمایہ کاری کا عمل رک چکا ہے۔ صنعت کا پہیہ جام ہے اور عوام سخت پریشان ہیں۔ اپنی قیادت کے فہم و تدبر پر سے قوم کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور ماضی کی بہت سی ناخوشگوار یادیں پھر سے ذہن میں تازہ ہو گئی ہیں۔ کیا 1947ء سے 1956ء تک بھی منظر نامہ کچھ ایسا ہی نہ تھا؟ 1956ء تا 1959ء میں حالات نے ایسی ہی کروٹ تو نہیں لی تھی اور کیا 1977ء میں بھی یہی کہانی نہیں دہرائی جا رہی تھی؟ 1990ء سے 1997ء تک کے عرصے میں تین حکومتیں برطرف ہو چکی ہیں جب کہ چوتھی حکومت شکوک و شبہات کے سائے میں بمشکل سانس لے رہی ہے۔ گویا حالات میں کسی طرح کی بہتری نہیں ہوئی۔

عدالت عالیہ میں حاضری اور نیم دلانہ معذرت سے بھی حالات موافق نہیں ہوئے تو انتہائی غیر معقول اقدامات سے وقت کی گردش کو روکنے کی کوشش کی گئی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ماحول کی حدت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس مرحلے پر جب صدر نے ترمیمی بل پر فوری دستخط نہ کئے تو ایک نیا محاذ کھولنے کی کوشش کی گئی۔ فی الحال آرمی چیف کی مداخلت پر اس سلسلے میں مزید پیش رفت روک دی گئی ہے۔ تمام قوم دست بدعا ہے کہ معاملات باہمی افہام و تفہیم سے طے پا جائیں۔ لیکن ایک سوال ہم بھی کرنا چاہیں گے کہ جب فوج کی ان معاملات میں کوئی آئینی ذمہ داری ہے ہی نہیں تو پھر ہر مشکل گھڑی میں بلا استثناء سب کی نظریں فوج کی طرف ہی کیوں اٹھتی ہیں؟ کیا واقعی ہمارے سیاسی قائدین اور سول انتظامیہ اپنے معاملات سیاسی انداز میں طے کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟ کیا اس بدقسمت قوم کا مقدر آمریت ہی ہے جمہوریت نہیں؟ ان سطور کے شائع ہونے تک پتہ نہیں حالات کون سا رخ اختیار کر چکے ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ ایک بار پھر میاں نواز شریف کے گزشتہ دور والی داستان کا ایکشن ری پلے نہ ہو جائے۔ ہماری ملکی تاریخ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک المناک پہلو یہ ہے کہ فوج کو سیاسی معاملات میں حالات کا جبر گھسیٹ لاتا ہے اور فوج ہی ہمیشہ قربانی کا بکرا بنتی ہے۔ غیر جانبدار رہنے پر بھی فوج کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ چند سال بعد سیاستدان اور صحافی حضرات پھر سے یہ بات کرنے پر خود کو مجبور پائیں کہ ''دراصل ہمارے معاملات تو طے پا چکے تھے۔ فریقین ایک دوسرے کی شرائط مان چکے تھے۔ صبح معاہدے پر دستخط ہونا تھا لیکن راتوں رات.....'' خدانخواستہ۔

چہ اکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

نوائے وقت۔ 26 نومبر 1997ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئین، قانون اور انصاف منطق کی کسوٹی پر

حالیہ بحران 2 ردسمبر کو صدر لغاری کے استعفے کے ساتھ ہی یکدم تھم گیا۔ اس دوران پیش آمدہ حالات اب تاریخ کی امانت بن چکے ہیں۔ تاہم واقعات کا تجزیہ مدتوں تک ہوتا رہے گا۔ چونکہ یہ بحران ملکی سیاست کے لیے اپنے اثرات کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا لہذا مختلف پہلوؤں سے یہ تجزیہ اشد ضروری ہے کہ بحران کی وجوہات کیا تھیں؟ کس کی بے تدبیری سے وہ نقطہ عروج تک پہنچا؟ کیا دوبارہ بھی ایسے بحران کی وجوہات موجود ہیں؟ مختلف مراحل پر مقتدر شخصیات کا رویہ کیا ہونا چاہئے تھا اور آئندہ اس طرح کی صورت حاصل سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ جو اطلاعات مختلف تجزیوں، تخمینوں اور افواہوں کی صورت میں رس رس کر آتی رہیں اب وہ قریباً قریباً ایک واضح شکل اختیار کر چکی ہیں۔ اس منظر نامے کے علاوہ اب ہمیں پس بینی کے فوائد بھی حاصل ہیں جو اس تجزیئے کو با مقصد بنانے میں اہم ثابت ہوں گے۔

حالیہ بحران کی جڑوں کی تلاش میں ہمیں میاں نواز شریف کے پہلے دور حکومت کی طرف جانا ہوگا۔ جب اپریل 1993ء میں غلام اسحٰق خان نے حکومت کو برطرف کیا تو جسٹس نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ نے اپیل کی سماعت کی اور صدر کے اقدام کو غیر قانونی قرار دیا۔ یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہونے اور قبول عام کی سند پانے کے باوجود ایوانہائے بالا کے لیے ایک دھماکہ ثابت ہوا کیونکہ ہماری گزشتہ تاریخ میں نظریہ ضرورت ہی اکثر فیصلوں کی بنیاد بنتا آیا تھا۔ نواز شریف حکومت کی بحالی کے فیصلے سے صرف ایک جج نے اختلاف کیا اور یہ جج جسٹس سجاد علی شاہ تھے۔ انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا تھا کہ میں اکثریتی فیصلے سے متفق نہیں ہوں کیونکہ وزیراعظم لاڑکانہ سے ہو تو اسے بحال نہیں کیا جاتا لیکن لاہور سے ہو تو اس کی معزولی کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے بحال کر دیا جاتا ہے۔ یہی اختلافی نوٹ بعد ازاں بے نظیر دور حکومت میں ان کی بطور چیف جسٹس تقرری کا باعث بن گیا۔ سپریم کورٹ کی روایت کے برعکس تین سنیئر ججوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجودگی میں موصوف کو چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔ یہ تقرری سراسر سیاسی بنیادوں پر تھی۔ حکومت کی جانب سے جلد ہی عدلیہ میں مداخلت شروع ہوگئی حتیٰ کہ بعض منفی شہرت کے حامل اور متنازعہ افراد بطور جج متعین کر دیئے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جہانگیر بدر کو چیف جسٹس مقرر کرنے کی باتیں ہونے لگیں۔ یہ صورت حال کسی بھی باضمیر شخص کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ اسی عرصے میں حکومت نے عدلیہ پر دباؤ ڈالا کہ شیخ رشید اور غلام حسین انہڑ کی ضمانت نہ لی جائے۔ اس مرحلے پر عدالت نے ڈکٹیشن لینے سے انکار کیا تو دباؤ میں اضافہ کرنے کے لیے انتقامی کارروائی کا غیر محدود سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہاں سے عدلیہ کی فعالیت کا دور شروع ہوا۔

عدلیہ نے پہلی مرتبہ اپنی طاقت کو منوانے کی کوشش کی کیونکہ پانی سر سے اونچا ہونے لگا تھا اور بات اب صرف ادارے کے وقار کی ہی نہیں تھی بلکہ خود حفاظتی اقدامات بھی ضروری ہو گئے تھے۔ ججوں کی تقرری والے کیس میں عدلیہ نے بعض اصول وضع کر دیئے جن میں سینیارٹی کی بنا پر تقرری اور چیف جسٹس کی بامقصد مشاورت سرفہرست تھے۔ 20/ مارچ 1996ء والے فیصلے میں بظاہر عدالت عالیہ کی آئین کی تشریح آئین کی بعض شقوں سے متصادم دکھائی دیتی تھی لیکن حکومت وقت سے عوام کی بیزاری کے سبب عدلیہ کو بازیچہ اطفال بنانے کی کوشش کے خلاف چیف جسٹس کے سینہ سپر ہونے کو عوامی تائید حاصل ہوگئی۔ طوعاً و کرہاً حکومت کو عدلیہ کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اب عدلیہ کو اپنے اختیارات اور قوت کا بھرپور احساس ہو چکا تھا۔

جہاں تک آئین کے الفاظ کا تعلق ہے تو بغیر کسی ابہام کے ججوں کی تقرری کا اختیار بذریعہ صدر حکومت کو ہی حاصل ہے۔ 1973ء سے لے کر 1996ء تک صدر ہی حکومت کے مشورے اور چیف جسٹس کی مشاورت سے جج صاحبان کا تقرر کرتے رہے ہیں۔ اگر بے نظیر حکومت تمام حدود پھلانگنے کی کوشش نہ کرتی تو شاید نظام ایسے ہی چلتا رہتا۔ تاہم 1995/96 میں حکومت عدلیہ تنازعے کے بعد عدلیہ نے ججوں کی تقرری کے سلسلے میں حکومت پر قدغن لگا دی اور تمام تر مزاحمت کے باوجود حکومت کو یہ فیصلہ ماننے ہی بنی۔ اسی طرح بالواسطہ طور پر عدلیہ نے اپنی بالادستی ثابت کر دی اور حکومت کے کچھ اختیارات عدالتی فیصلے کے ذریعے چیف جسٹس مل گئے۔

20/ مارچ 1996ء والے عدالتی فیصلے کی روشنی میں ہی بعد ازاں نواز شریف حکومت سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ عدالت عظمیٰ کے نامزد کردہ پانچ ججوں کی بطور سپریم کورٹ جج تقرری کرے تو ذاتی وجوہ کی بنا پر حکومت تحفظات کا شکار ہوگئی۔ اسی اختلاف کی کوکھ سے حالیہ آئینی بحران نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنم لیا۔ آگے بڑھنے سے پیشتر گزشتہ تاریخ کا اعادہ بھی بے موقع نہ ہوگا۔

نومبر 1996ء میں جب بے نظیر حکومت کو برطرف کیا گیا تو جسٹس سجاد علی شاہ نے ہی بطور چیف جسٹس آئینی اپیل کی سماعت کی۔ اس عرصے میں بے نظر بھٹو بار بار چیف جسٹس کے اختلافی نوٹ کا حوالہ دے کر کہتی رہیں کہ اب دیکھتے ہیں کہ لاڑکانہ کی وزیراعظم بحال ہوتی ہے یا نہیں۔ درس عبرت ہے کہ انسان کس طرح اپنے ہی الفاظ کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ عدالت عالیہ نے اپیل مسترد کر دی اور صدر کا فیصلہ برقرار رکھا اور یوں بے نظیر حکومت کا دوسرا دور انجام پذیر ہوا۔ کتنی دلچسپ صورتحال ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اپنی مرضی کا آرمی چیف لائے اور اسی کے ہاتھوں تختہ دار تک پہنچے اور بے نظیر کی حکومت کے خاتمے کی توثیق بھی اپنے مقرر کردہ چیف جسٹس کے ہاتھوں سے ہوئی۔ یہی مماثلت مخالف پارٹی کی حکومت کی تشکیل میں بھی دکھائی دیتی ہے اور جیسا کہ بعد ازاں دیکھنے میں آیا کہ اگر بے نظیر اور نواز شریف حکومت کے عدلیہ مخالف رویے میں مماثلت تھی تو فریق ثانی کے رویئے میں بھی کوئی مثبت تبدیلی نہ آئی تھی۔ بلکہ دونوں جانب سے ہی انانیت کا بھرپور مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ یہ تاریخ کا وہ جبر ہے جس کا مشاہدہ تو سبھی کرتے ہیں لیکن اس سے عبرت یا سبق کوئی بھی حاصل نہیں کرتا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

آیئے مطلوبہ جج دینے میں وزیراعظم کے رویئے کا جائزہ لیا جائے کیونکہ اس سلسلے میں انکا تذبذب ہی سارے فساد کی جڑ بنا۔ اعلیٰ ظرفی کا تقاضا تھا کہ حکومتی معاملات میں ذاتی اختلافات اور مفادات کو پس پشت ڈال دیا جاتا لیکن ہمارے قائدین اس درجے کی بلند کرداری سے متصف دکھائی نہیں دیئے۔ اتنی دانتا کل کل کے بعد بھی انہیں جب عدلیہ کی بات ماننا ہی تھی تو پہلے ہی ماننے میں کیا مضائقہ تھا؟

آں کہ عاقل کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

ویسے بھی سترہ ججوں میں سے اگر دو جج صاحبان کا رویہ مخاصمانہ ہوتا تو اکثریتی فیصلے پر کیا فرق پڑتا؟ بحران کا تیسرا پہلو فریقین کے رویوں کے متعلق ہے۔ مختلف مراحل پر یہ تو محسوس ہی نہ ہوتا تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ملک کے دو مقتدر اداروں میں کچھ غلط فہمی یا اختلاف رائے ہے بلکہ دو متحارب فریقین میں کھلی جنگ کا تاثر ابھرتا تھا جس میں نفسیاتی جنگ، بیان بازی، پروپیگنڈا اور دیگر ہر قسم کے حربوں کا استعمال روا رکھا گیا۔ اس جنگ میں قوم کے اعصاب چیخ کر رہ گئے لیکن فریقین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کو مکمل طور پر اس جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔ معیشت تباہ ہو کر رہی گئی اور اس بے یقینی کی فضا میں سانس لینا دشوار ہو گیا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا۔ دشمن ملک کے خلاف جنگ میں تو عوام جنگی ترانے سن کر خندقیں کھود کر اور سرحد کی طرف مارچ کر کے اپنے جذبات کا اظہار کر لیتے ہیں لیکن اس غیر اعلانیہ جنگ میں جو انتقام کے ایندھن سے دہک رہی تھی ایک عام پاکستانی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ ملک کے آئین اور اداروں کو بچانے کے لیے کیا کرے۔ جب 31 اکتوبر کو چیف جسٹس کا پانچ جج مقرر کرنے کا مطالبہ پورا کر دیا گیا تو اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پنڈورا بکس کو بند کر دینا چاہئے تھا۔ بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا اور عدلیہ کی جانب سے جارحانہ اقدامات میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے نتیجے میں عوام کی بھاری اکثریت جو یا تو عدلیہ کے موقف کی حامی تھی یا غیر جانبدار تھی رفتہ رفتہ حکومت کو مظلوم سمجھنے پر مجبور ہو گئی۔ بالخصوص جب 14 ویں ترمیم کو معطل کیا گیا تو عوام ششدر رہ گئے کیونکہ کسی آئینی ترمیم کے خلاف عدالتی سماعت ہی سراسر آئین کی خلاف ورزی ہے۔ آئین کے آرٹیکل (5) 239 اور (6) 239 کے مطابق ''اسمبلی کو آئینی ترمیم کرنے کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔'' ابھی اس صدمے سے سنبھل نہ پائے تھے کہ توہین عدالت کے مزید مقدمات شروع ہو گئے اور جس برق رفتاری سے معاملے کو آگے بڑھایا گیا اس سے متعلقہ افراد کا ارادہ بھی ظاہر ہو گیا۔ حکومت کی بے بسی بھی دیدنی تھی کہ ظالم مارے اور رونے بھی نہ دے۔

اس مرحلے پر نواز شریف نے خود عدالت میں پیش ہو کر مثبت طرز عمل کا اظہار کیا لیکن دوسرے فریق کے غیر لچکدار رویے کی وجہ سے حالات میں کوئی بہتری نہ ہوئی۔ 28 نومبر کو مسلم لیگی کارکنوں اور بعض عہدیداروں نے عدالت کے احاطے میں ہنگامہ آرائی کی جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اس تمام کھیل میں بعض ایسے سیاستدانوں کا بھی ہاتھ تھا جن کا کام ہی بھس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھنا ہے۔ آئین بنانے والوں نے کسی مصلحت کی بنا پر ہی آئین کو عدالتی کارروائی کے خلاف تحفظ فراہم کیا تھا تاکہ قانونی موشگافیوں سے اس کا حلیہ بگاڑا نہ جا سکے لیکن بعض افراد کے منتقمانہ رویے کی وجہ سے آئین کا تقدس بھی مجروح ہونے سے نہ بچ سکا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بحران کے نتیجے میں جج صاحبان میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور عدلیہ کے وقار کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ بقول صدر فاروق لغاری اگر یہ حکومت کے خلاف کوئی سازش یا طے شدہ منصوبہ نہ تھا تو پھر بھی بہت سے سوالیہ نشان رہ جاتے ہیں۔ مثلاً 2 ردسمبر کو جناب صدر کو پہلے سے کیسے علم ہو گیا تھا کہ جسٹس سجاد علی شاہ 13 ویں ترمیم منسوخ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ سطح آب سے نیچے بھی بہت سے نادیدہ ہنگامے برپا تھے۔ یہ بھی مشاہدہ کیا گیا کہ میڈیم میڈیلین البرائٹ کی آمد پر میاں صاحب کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہو گیا اور انہوں نے امریکہ کی یقین دہانی پر دھڑلے سے یہ بیان دیا کہ گھبرائیں مت فتح ہماری ہوگی۔ غالباً اس وقت تک کوئٹہ بینچ پر کافی ''کام'' بھی کیا جا چکا تھا۔

یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ امریکہ حکومت پر اس مہربانی کے بدلے ایٹمی پروگرام اور کشمیر کے علاوہ پاک بھارت اور پاک چین تعلقات کے ضمن میں بہت سے رعایتیں چاہے گا جو امریکی صدر کی آمد پر منکشف ہوں گی۔ اگر خدانخواستہ یہ حقیقت ہے تو اللہ ہمارے حکمرانوں کو سیدھا راستہ دکھائے کہ وہ اپنی حکمرانی مستحکم کرنے کی خاطر قومی مفادات پر سودا بازی کرنے سے احتراز کریں۔

عدالتی بحران کا ایک اہم پہلو قانون اور انصاف سے متعلق ہے۔ راقم الحروف کوئی قانون دان نہیں لہٰذا تجسس کی بنا پر میں نے فوج کے قانون کا مطالعہ کیا اور بعد ازاں اس کا موازنہ سول قانون سے کیا۔ فوج کے قانون کی کتاب ایک کھلی پبلی کیشن ہے جو اکثر بک سٹالز پر دستیاب ہے۔ عام تاثر کے برعکس فوج کا قانون فوج کے افراد نہیں بناتے بلکہ مقننہ ہی افواج کی ضرورت کے مطابق قانون وضع کرتی ہے۔ اس مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ توہین عدالت کے ضمن میں فوج کا قانون انصاف کے تقاضے بہت بہتر طور پر پورے کرتا ہے حالانکہ دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے یعنی مقننہ۔ مروج سول قانون کے مطابق ''توہین عدالت کے مقدمے کی سماعت وہی عدالت کرنے کی مجاز ہے جس کی توہین کی گئی ہو۔''

(سی ایل سی پی ۴۷۶ چیپٹر ۳۵، آئین آرٹیکل ای ۲۰۳)

فوج کے قانون میں انصاف کے تقاضے ان الفاظ میں بہت خوبصورتی سے پورے کئے گئے ہیں ''اگرچہ قانون کسی عدالت کو اپنی توہین کے ارتکاب پر مقدمے کی سماعت سے منع نہیں کرتا لیکن عدالت کا ہر رکن انفرادی طور پر مقدمے کی سماعت کے لیے نااہل قرار پائے گا کیونکہ مقدمے میں اس کی ذاتی دلچسپی کا عنصر ہے۔'' (پاکستان آرمی ایکٹ سیکشن ۴۹، پاکستان آرمی ایکٹ رول ۳۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذاتی مفاد کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اگر عدالت کے ارکان یا کوئی رکن ملزم سے عناد رکھتا ہے یا اس کے خلاف تعصب یا دل میں میل رکھتا ہے یا اس کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے یا مقدمے میں اس کی ذاتی دلچسپی یا مفاد کا شائبہ بھی ہو تو ایسے افراد بطور ارکان عدالت مقدمے کی سماعت کے لیے نااہل قرار پائیں گے۔ (پاکستان آرمی ایکٹ سیکشن (۱۰۴) وررول ۳۵)

فوج کے یہ قوانین مزید تبصرے کے محتاج نہیں۔ حالیہ آئینی بحران میں کیا کیا کچھ نہ ہوا۔ ذرا ان رویوں کا جائزہ ان قوانین کی روشنی میں لیجیے تو کتنی خوفناک حقیقت سامنے آتی ہے۔ مناسب ہوگا اگر قانون دان حضرات ان قوانین کا جائزہ لے کر مناسب ترمیم کی کوشش کریں۔ اسی طرح سپریم جوڈیشل کونسل کا معاملہ ہے جس کے سربراہ چیف جسٹس خود ہیں لیکن اگر ریفرنس خود چیف جسٹس کے خلاف ہو تو یقیناً انہیں کونسل کی سربراہی سے دستبردار ہو جانا چاہیے کیونکہ ایسی صورت میں ان کی حیثیت مدعا علیہ کی ہوگی اور انصاف کی رو سے کوئی شخص خود اپنے ہی خلاف مقدمے کی سماعت نہیں کرسکتا۔ اس سقم کو درست کرنے کے لیے آئینی ترمیم کی ضرورت ہے۔ فوج کے قانون میں اس معاملے کو ایسے نمٹایا گیا ہے کہ:

''اگر عدالت کے سربراہ یا کسی رکن کی اہلیت کو مدعا علیہ چیلنج کرے تو متذکرہ رکن کمرہ عدالت سے باہر چلا جائے گا اور عدالت کے باقی ارکان اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ وہ رکن مقدمے کی سماعت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں۔ مزید یہ کہ کوئی شخص نہ تو کسی ایسے مقدمے کی سماعت کرسکتا ہے جس میں وہ خود فریق ہو اور نہ ہی کسی ایسے جرم کی سماعت کرسکتا ہے جو کہ خود اس کے خلاف سرزد ہوا ہو۔'' (پاکستان آرمی ایکٹ سیکشن ۱۰۴ اور رول ۹۹)

توہین عدالت کا جرم تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۲۸ کے تحت قابل مواخذہ ہے۔ اس دفعہ کی عبارت قابل غور ہے ''جو کوئی بھی کسی ایسے سرکاری اہلکار کی توہین کرے یا اس کے کام میں مداخلت کرے جبکہ مذکورہ اہلکار کسی عدالتی کارروائی کے لیے بیٹھا ہوا ہو تو ایسے شخص کو ۶ ماہ قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا دونوں کی سزا دی جاسکتی ہے۔'' (ت پ دفعہ ۲۲۸) آرٹیکل ۲۰۴ میں بہت سے مزید افعال بھی توہین عدالت کے زمرے میں آتے ہیں جبکہ آئین کے آرٹیکل ۲۰۴ میں توہین عدالت کی تشریح بالکل مختلف ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں تو توہین عدالت کا جرم ۲۸ نومبر کو سرزد ہوا جبکہ عدالتی کارروائی میں مداخلت بھی کی گئی اور توہین آمیز رویہ بھی اختیار کیا گیا۔ کسی عدالتی فیصلے کے متعلق اظہار رائے یقیناً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توہین عدالت کے زمرے میں نہیں آتا۔ ہمیں انگریز کے بنائے ہوئے قوانین کو آزادی اظہار رائے اور اسلامی قوانین کی روشنی میں ازسرنو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

اس بحران کا ایک اور اہم پہلو پاکستان کے آئین میں موجود ابہام اور خلا سے متعلق ہے۔ حیران کن امر ہے کہ عدالت کو سیکنڈ لائز کرنا تو جرم ہے لیکن آئین کو سیکنڈ لائز کرنا قابل مواخذہ نہیں حالانکہ تمام اختیارات کا ماخذ اور منبع آئین ہی ہے لہٰذا قانونی ماہرین آئین میں دیئے گئے حکومتی اور عدالتی اختیارات کے متعلق بھی ابہام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معاملے کا سدباب ہونا چاہئے اور آئین میں طے شدہ امور کو ازسرنو چھیڑنا آئین سے غداری کے مترادف سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کے قانون کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ قانون سازی کے ضمن میں تمام اختیارات پارلیمنٹ کے پاس ہیں۔ عدلیہ کو اس سلسلے میں مداخلت کا حق نہیں دیا گیا لہٰذا یہ سلسلہ اب بند ہونا چاہیے اور تمام اداروں کو اپنے دائرہ کار کی حدود میں رہتے ہوئے ملک اور قوم کی بہتری کے لیے کوشاں ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں قانون سازی کی فوری ضرورت ہے تاکہ آئندہ ہم ایسے بحرانوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر آئین کو توڑ پھوڑ سے محفوظ رکھنا ہے تو بلاجواز عدالتی فعالیت پر قدغن لگانا ناگزیر ہے۔ راہ اعتدال سے ہٹ کر ہر قدم ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔

نوائے وقت 4-1 جنوری 1998ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہم ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہیں؟

پاکستانی قوم کی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کرنا ایک خاصا دشوار کام ہے۔ من حیث القوم ہم بہت جذباتی، جوشیلے اور نڈر واقع ہوئے ہیں۔ خیر اس میں تو کچھ مثبت پہلو بھی نکل آتے ہیں کہ جوش، جذبہ اور بے خوفی جیسی خوبیوں کو تعمیری انداز میں استعمال کیا جائے تو قوم کی تعمیر نو ہو سکتی ہے اور اندرونی اور بیرونی خطرات کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم عدم تحمل اور مستقل مزاجی کا فقدان بھی ہمارے قومی کردار کے لازمی اجزاء ہیں۔

ہم بے یقینی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں اور آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہماری منزل کیا ہے' ہمارے قومی مقاصد کیا ہیں اور سوئے منزل لے جانے والا راستہ کون سا ہے؟ بے یقینی کی اس کیفیت کی بنا پر ہم واضح لفظوں میں یہ نہیں بتا سکتے کہ ہم چاہتے کیا ہیں یا ہمارے مطالبات اور ہماری توقعات کیا ہیں اور ہمارا موقف کیا ہے۔ متضاد مطالبات اور توقعات کے ضمن میں ہمارے عوام اور خواص کا طرز عمل یکساں نوعیت کا ہے اور ہماری سیاسی قیادت بھی اس الزام سے مبرا نہیں۔

اس پریشان خیالی کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

ایوب خان کے آخری دور میں جب مرحوم بھٹو زیر عتاب تھے تو اصغر خان نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ 1977ء میں جب جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو معزول کر کے حراست میں لے لیا تو اصغر خان نے ہی بھٹو کو کوہالہ کے پل پر پھانسی دینے کا مطالبہ کیا۔

تاہم اگلے الیکشن میں موصوف پیپلز پارٹی کے اتحادی بن گئے۔ بھٹو کے دور میں مرحوم ملک قاسم پر اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ لیکن اس کے بعد ملک قاسم تاحیات اپنے مسلم لیگی دھڑے کے ساتھ پیپلز پارٹی کے اتحادی بنے رہے۔ بینظیر بھٹو صاحبہ نے جلسہ عام میں چوڑیاں اتار پھینکیں کہ ایٹمی دھماکے کرو، ورنہ چوڑیاں پہن لو لیکن دھماکوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوراً بعد اپنا موقف تبدیل کرلیا۔

1969ء میں شیخ مجیب الرحمٰن اگرتلہ سازش کیس میں زیر حراست تھا۔ مغربی پاکستان کے صف اول کے سیاستدانوں نے بشمول نوابزادہ نصراللہ خان اور ایئر مارشل اصغر خان گول میز کانفرنس میں بیٹھنے سے انکار کردیا تا آنکہ مجیب الرحمٰن کو آزاد کرا کے کانفرنس میں شریک نہ کرالیا۔

ایوب خان نے برسر محفل کہا کہ آپ کے اصرار پر میں نے مجیب کو کانفرنس میں بلوالیا ہے، لیکن اس سے پوچھیں کہ یہ اگرتلہ سازش میں ملوث نہیں تھا تو خفیہ طور پر اگرتلہ کیا کرنے جایا کرتا تھا۔ دو سال سے بھی کم عرصے بعد انہی سیاستدانوں نے مجیب الرحمٰن کو غداری کی سند عطا کی۔

1977ء کے مارشل لاء سے پہلے اصغر خان صاحب نے فوج کے یونٹ کمانڈرز کو سائیکلو سٹائل شدہ خطوط ارسال کئے اور آئین کا واسطہ دے کر بھٹو حکومت ختم کرنے کی اپیل کی۔

ان خطوط کے مندرجات خاصے اشتعال انگیز تھے۔ جب مارشل لاء لگ گیا تو موصوف نے مارشل لاء لگوانے کا کریڈٹ بھی لیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہو کر مارشل لا کے خلاف بیان بازی شروع کردی۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

یہ تو خواص کا حال تھا۔ عوام کی ذہنی کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں۔ اس کی وجہ شاید پے در پے مایوسیوں اور ناکامیوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ ہم جمہوریت کے دور میں مارشل لاء کے متمنی ہوتے ہیں اور مارشل لاء سے مایوس ہوکر دوبارہ بحالی جمہوریت کے لئے کوشاں ہوجاتے ہیں۔

کبھی صدارتی نظام اور بنیادی جمہوریتوں کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ کبھی پارلیمانی جمہوریت میں اپنے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا اور کبھی کنٹرولڈ ڈیموکریسی کا تصور اجاگر کیا جاتا ہے۔ صدر کبھی تو بالکل بے دست و پا بنادیا جاتا ہے یا قوت اور جاہ و حشمت کے سوتے ایوان صدارت سے پھوٹنے لگتے ہیں۔

ممبران پارلیمنٹ کبھی تو اتنے منہ زور ہوجاتے ہیں کہ سیاسی بلیک میلنگ سے حکمران پارٹی کو تگنی کا ناچ نچادیتے ہیں اور کبھی اتنے کمزور کردیئے جاتے ہیں کہ ان سے اختلاف رائے کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہمارے تمام فیصلے دو انتہاؤں کو چھورہے ہوتے ہیں اور قومی سطح پر اعتدال کا فقدان ہے۔

انگریزی کہاوت ہے کہ دانشمند افراد دوسروں کی غلطیوں سے سیکھتے ہیں۔ احمق اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں اور مہا احمق کسی بھی طرح اور کبھی بھی نہیں سیکھتے۔ گزشتہ 53 برسوں میں ہم نے بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے تجربات کئے ہیں۔اب ہمیں گزشتہ نظاموں کی خوبیوں اور خامیوں کا ادراک حاصل ہو چکا ہے۔کیا ہی اچھا ہوا گر ہم کوئی نیا تجربہ کرنے کے بجائے آزمودہ نظام کو خرابیوں سے پاک کر کے اور خوبیوں کی پیوند کاری کر کے اپنے لئے ایک مناسب نظام کی تشکیل کر لیں۔

اس طرح ایک مزید نئے تجربے کی ضرورت پیش نہ آتی، جس کی خوبیاں اور خرابیاں کچھ عرصہ بعد سامنے آئیں گی اور چند بیش قیمت سال بھی ضائع ہونے سے بچ جاتے۔لیکن ہماری فیصلہ سازی میں پیش بینی کا عنصر معدوم ہوتا ہے اسی لئے ہمارے تمام فیصلے وقت کے تقاضوں سے کئی عشرے پیچھے ہوتے ہیں۔

اب آیئے موجودہ صورتحال کی طرف اس وقت ملک کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی ابتری کا ہے۔معاشی عدم استحکام سے خدانخواستہ ملک کی سالمیت تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔تاہم اس ضمن میں بھی ہم منتشر خیالی کا شکار ہیں۔

آج سے چھ ماہ پیشتر تک عوامی مطالبہ تھا کہ کڑا احتساب کیا جائے۔بددیانت افراد کے ''پیٹ پھاڑ کر'' قومی دولت واپس حاصل کی جائے۔غیر ملکی اداروں سے قرضے لینے بند کئے جائیں اور خود انحصاری کی پالیسی اختیار کی جائے۔نادہندگان کو قومی مجرم تصور کیا جائے۔ناجائز تجاوزات ختم کر کے سرکاری املاک واگزار کرائی جائیں، غیر ترقیاتی اخراجات کم کئے جائیں۔قومی بینکوں کی لوٹی ہوئی دولت واپس لی جائے اور انہیں مالی طور پر مستحکم کیا جائے۔سرکاری انتظام میں چلنے والے اداروں کا خسارہ ختم کیا جائے، سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور پنشنروں کی پنشن میں اضافہ کیا جائے۔طبی سہولتیں بہتر بنائی جائیں سڑکوں کی مرمت کی جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب اچھی اور نیک خواہشات ہیں، لیکن ان سب کا محور ہے حکومت کی آمدنی کے ذرائع اور بلا امتیاز احتساب۔اب جونہی سرکاری املاک پر سے ناجائز تجاوزات ہٹائی جاتی ہیں تو ہاہا کار مچ جاتی ہے کہ غریبوں کو بے دخل کر دیا گیا۔بینکوں سے جب ایسے نااہل اہلکاروں کو ہٹایا جاتا ہے، جنہوں نے بغیر اہلیت یا استحقاق کے صرف سفارش یا یونین کے دباؤ پر ملازمتیں حاصل کر رکھی تھیں تو ان کی بیروزگاری کا رونا رویا جاتا ہے۔

ریلوے کا خسارہ کم کرنے کے لئے جب فاضل ملازمین کو فارغ کیا جاتا ہے تو غریب کی روزی کا شور مچ جاتا ہے۔کیا ہم نہیں جانتے کہ سیالکوٹ، وزیر آباد اور گوجرانوالہ سے سینکڑوں ایسے افراد روزانہ بابوٹرین پر سفر کرتے ہیں، جو اگرچہ ریلوے کے ملازمین ہیں، لیکن لاہور میں ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ذاتی کاروبار ہیں۔ وہ حاضری لگاتے ہیں، تنخواہ وصول کرتے ہیں، ریل پر مفت سفر کرتے ہیں لیکن ریلوے کے لئے کوئی فرائض سرانجام نہیں دیتے بلکہ اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرتے ہیں؟

کیا ریلوے کا خسارہ ختم کرنے کے لئے ایسی جونکوں سے نجات ضروری نہیں؟ اسی طرح سرکاری بینکوں میں ایسے ہزاروں افراد ملازم تھے جو کبھی حاضری لگانے کے لئے بھی بینک میں نہیں آتے تھے بلکہ ان کی تنخواہ ان کے گھر پر پہنچائی جاتی تھی۔

صنعت کار اور تاجر ایمانداری سے ٹیکس دینے کو تیار نہیں۔ تیل کی قیمتیں بڑھانے سے حکومت پر عوامی دباؤ بڑھتا ہے۔ سروے کے لئے عوام تعاون پر آمادہ نہیں۔ سمگلنگ ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے تو ہڑتالیں شروع ہو گئیں۔

بجلی اور گیس چوری اب بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ ملکی وسائل کو اندھا دھند لوٹا جا رہا ہے اور پھر ہم خود کفیل بھی ہونا چاہتے ہیں اور خود انحصاری کے خواب بھی دیکھتے ہیں!

قومی مجرموں اور لٹیروں کو پکڑا جاتا ہے، تو انسانی حقوق کے علمبردار اُن کے تحفظ کے لئے میدان میں کود پڑتے ہیں۔ کیا تمام حقوق صرف لٹیروں، غاصبوں اور ڈاکوؤں کو حاصل ہیں۔ عوام کے کوئی حقوق نہیں؟ سڑکوں اور بازاروں میں سے گزرنا محال ہے، لیکن راستے پر قابض ریڑھی والے کو نہیں ہٹایا جا سکتا۔

آخر مفاد عامہ کی بھی کوئی اہمیت ہے کہ نہیں؟ چند افراد کے مفاد کے لئے مجموعی مفاد کو قربان کرنا تو کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔ دو غلطیاں مل کر بھی ایک درست بات نہیں بن سکتیں۔ غلط بات بہر حال غلط ہی ہوتی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے گریبان میں جھانکیں اور خود سے سوال کریں کہ آخر ہم چاہتے کیا ہیں؟

ہم فکری انتشار اور تضاد کا شکار کیوں ہیں اور ہم میں راست فکر اور استقلال کی کمی کیوں ہے؟ جب ہم پر خود اپنے مقاصد آشکار ہو جائیں گے اور ہم غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح سمجھنا شروع کر دیں گے تو تمام الجھنیں رفع ہوتی چلی جائیں گی۔ بقول اقبالؒ

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

خبریں۔ 23 مئی 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عوامی رابطے کا فقدان

چیف ایگزیکٹو کی حالیہ پریس کانفرنس سے کچھ معاملات پر ذہنوں میں جو شکوک وشبہات تھے ان کا ازالہ ہوا۔ دوسری جانب برخود غلط ''دانشوروں'' کا گروہ دانستا اپنی باتوں سے انتشار پھیلا رہا ہے کیونکہ ان کے مفادات ایسی کارروائیوں سے منسلک ہیں، جن سے ذہنوں میں الجھاؤ پیدا کیا جاسکے۔ انہوں نے چیلنج کیا کہ ایک بھی ایسے معاملے کی نشاندہی کی جائے جہاں قومی مفادات کو زک پہنچانے کیلئے سودے بازی کی گئی ہو۔ جہاں تک الزامات کا تعلق ہے تو پاکستان ہرگز تنہائی کا شکار نہیں۔ اہداف کا چناؤ بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے اور ترجیحات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مسئلہ کشمیر اور جہاد پر کوئی سودے بازی نہیں کی گئی افغانستان سے ہمارے تعلقات بدستور مستحکم ہیں۔ مشرق وسطیٰ سے موجودہ تعلق ماضی کی نسبت دس گنا زیادہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ چین مکمل طور پر ہمارے ساتھ ہے، ایران، ترکمانستان اور دیگر وسطی ایشیا کی ریاستوں سے تعلقات پہلے کی نسبت بدرجہا بہتر ہیں۔ جنوبی ایشیا کے علاوہ مصر، لیبیا، اردن بھی ہر لحاظ سے ہمارے ساتھ ہیں۔

چیف ایگزیکٹو نے معیشت کی بحالی کیلئے کئے گئے اقدامات پر تفصیلاً روشنی ڈالی۔ قومی بجٹ کا بارہ فیصد قرضوں کی ادائیگی پر صرف ہو جاتا ہے۔ ہمیں قرضے لینے پڑتے ہیں بجٹ کا موجودہ خسارہ ایک سو اسی ارب (ایک کھرب اسی ارب) روپے ہے۔ اگر تاجر، صنعتکار اور معاشرے کے دیگر طبقے دیانتداری سے ٹیکس ادا کر دیں تو ہمیں قرضے لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ چیف ایگزیکٹو نے بہت سی حوصلہ افزا معلومات بھی فراہم کیں، جن میں دسمبر 2001ء تک ریلوے اور دسمبر 2002ء تک سٹیل مل کا منافع بخش یونٹ بن جانا شامل تھا۔ اسی طرح گزشتہ ترپن برسوں میں پشاور سے کراچی تک ایک گیس پائپ لائن بچھائی گئی ہے جب کہ فوجی حکومت نے دوسری پائپ لائن بچھانے کا کام شروع کر دیا ہے، جو دسمبر 2001ء تک مکمل ہو جائے گا۔ اس کی بدولت گیس کی سپلائی بہتر ہوگی، پٹرول پر اخراجات کم ہو جائیں گے، بجلی گھروں کو تیل کے بجائے گیس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چلایا جائے گا تا کہ بجلی کی پیداواری لاگت کو کم کیا جا سکے اور درآمدی اخراجات کم ہوں۔ گوادر کی بندرگاہ اور لواری ٹنل کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ان منصوبوں کے قومی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور وسط ایشیائی ممالک کو بندرگاہ کی سہولت فراہم کر کے قومی معیشت کو مستحکم کیا جائے گا۔

چیف ایگزیکٹو نے اس کے علاوہ بھی کم وبیش تمام اہم امور سے متعلق ہونے والی منصوبہ بندی اور پیش رفت کا ذکر کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ لیپا پوتی سے کام لینے کے بجائے دوررس نتائج حاصل کرنے کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کی گئی ہے اور گزشتہ سات ماہ میں عشروں کا کام کیا گیا ہے۔ اگر کوئی سیاسی حکومت ہوتی تو وہ اسی بنیاد پر اپنی انتخابی مہم کا آغاز کر سکتی تھی لیکن فوجی حکومت نے اتنا طویل عرصہ چپ سادھے رکھی جس سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور مایوسی پھیلنے لگی۔

ظاہر ہے کہ یہ کامیابیاں اتنی حقیر بھی نہیں کہ حکومت شرمندگی محسوس کرتی۔ فوجی حکومت نے گوہر مقصود کی تلاش میں چھ ماہ کا طویل غوطہ لگایا اور ساحل پر منتظر قوم دم سادھے کھڑی رہی حتیٰ کہ حکومت مخالف عناصر نے غوطہ خور کے دم ٹوٹنے کا پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہ ایک معلومہ امر ہے کہ افواہیں خلا میں جنم لیتی ہیں جب حکومت کی جانب سے اطلاعات فراہم نہیں کی جائیں گی تو ملک دشمن عناصر اس خلا کو غلط اطلاعات اور افواہوں سے پر کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک اہم عنصر **Public Perception** کا ہے۔ حکومت کے تمام منصوبے طویل المدت اور دوررس اثرات کے حامل ہیں۔ حکومت کی پہلی ترجیح بھی معیشت کا استحکام ہے، لیکن ایک عام شخص ان امور کا ادراک نہیں رکھتا۔ اگر ایک سیاسی حکومت ہوتی تو وہ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے چند ایسے اقدامات ضرور کرتی جس سے اس کا پبلک امیج آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگتا۔ ایسے اقدامات عوامی قیادت کی سیاسی مجبوری ہوتے ہیں تاہم فوجی انتظامیہ نے خود کو عوام سے الگ تھلگ کر رکھا ہے اور عوامی رابطے کا فقدان بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے رہا ہے۔ مثلاً عوام بجا طور پر یہ سوال پوچھتے ہیں کہ سات ماہ کے عرصے میں صرف دو وزرائے اعلیٰ کا احتساب ہی کیوں ہوا ہے؟ بینکوں کے مصدقہ ناہندگان کہاں مفرور ہیں اور اتنی زیادہ تاخیر کا سبب کیا ہے؟ سیاستدانوں کے علاوہ باقی شعبوں میں احتساب کا عمل کیوں شروع نہیں کیا گیا؟ سابق جرنیلوں کے لواحقین سے لوٹ مار کا حساب کیوں نہیں لیا گیا اور کمیشن کھانے والے اعلیٰ بیوروکریٹس اور دیگر طبقات ابھی تک کیوں محفوظ ہیں؟ اس سلسلے میں ٹیکس سروے فارم کی اہمیت کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش منظر پر لانا بہت ضروری ہے تا کہ عوام مطمئن ہوسکیں کہ پھندا بتدریج تنگ کیا جارہا ہے اور بدعنوان عناصر بچ نہیں پائیں گے۔

سرے محل اور لندن کے فلیٹس کے علاوہ جنوبی افریقہ کی شوگر ملوں کی اصل کہانی کیا ہے اور اس سلسلہ میں احتساب بیورو کیا کر رہا ہے؟ ان معاملات کو منظر عام پر لایا جائے تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ چونکہ فوجی حکومت فی الوقت عوامی معاملات سے نبرد آزما ہے، لہذا اسے تنہائی سے نکلنا ہوگا اور عوام کو اعتماد میں لینا ہوگا تا کہ اسے عوام کی جانب سے اخلاقی قوت فراہم ہو سکے۔ اس ضمن میں نیک نام سیاستدان بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ فوجی حضرات معاملات کو خفیہ رکھنے اور الگ تھلگ رہنے کے پابند ہوتے ہیں جب کہ پبلک ڈیلنگ کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو باخبر رکھا جائے اور انہیں بیشتر امور پر اعتماد میں لیا جائے۔ سیاستدان نہ صرف قیادت کا یہ خلا پر کر دیں گے بلکہ عوامی رابطہ مہم سے لوگوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر سکیں گے۔ فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد ہونے کے بعد کن افراد نے کروڑوں ڈالر بیرون ملک بھجوائے تھے اور ایف آئی اے کے سربراہ کو کس جرم میں ملازمت سے سبکدوش کیا گیا تھا؟ ایسے حقائق منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

بھارت کے دھماکہ کرنے سے لے کر 28 مئی 98ء تک کن لوگوں نے اربوں ڈالر باہر منتقل کئے تھے؟ یہ وہ قصے ہیں جو زبان زد عام ہیں اور لوگ مجسم سوال ہیں۔ عوام کے اطمینان کی خاطر کچھ ایسے اقدامات کی اشد ضرورت ہے جن سے ملک دشمن عناصر کا احتساب ہوتا دکھائی دے۔ کیونکہ گزشتہ آٹھ برس سے دہرائے جانیوالے اس نعرے پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔

جب کسی نہ کسی مرحلے پر سیاستدانوں نے آنا ہی ہے تو یہ عمل جتنا جلد شروع کر دیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اس سے حکومت کو قوت فراہم ہوگی اور عوام کا اعتماد بحال کرنے میں مدد ملے گی۔ نیز نیک نام سیاستدان بدنام سیاستدانوں کو ان کی زبان میں مناسب جواب بھی دے سکیں گے اور حکومت یکسوئی سے کام کر سکے گی۔

خبریں۔ 10 جون 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

معیشت کی ابتری ہر باشعور پاکستانی کے لئے باعث تشویش ہے۔ حکومت کے لئے یہ ''اب یا کبھی نہیں'' والا معاملہ ہے جب کہ تاجر حضرات ٹیکس سے بچنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ نتیجتاً ملکی معیشت مزید نقصان سے دوچار ہے اور نامعلوم یہ سلسلہ کہاں تک چلے گا۔ تاجروں نے ٹیکس عمال کے متعلق جن شکایات کا اظہار کیا تھا اس ضمن میں حکومت نے سی بی آر کے ایک ہزار سے زائد اہلکاروں کو معطل کر کے اخلاقی برتری حاصل کر لی ہے لیکن تاجر پھر بھی تعاون پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ حکومت نے گزشتہ حسابات کو نہ کھولنے کی یقین دہانیاں بھی کرائی ہیں۔ لیکن ماضی کے تجربات کے پیش نظر تاجر انگلی پکڑاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ بعد میں کلائی حکومت کی گرفت میں نہ آجائے۔

بداعتمادی کی اس فضا میں مسئلے کا حل ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ ادھر ملکی مفادات پر ہمارے عدم شعور کی یہ کیفیت ہے کہ بے نظیر اور نواز شریف حزب اختلاف میں ہوتے ہوئے سیلز ٹیکس کے نفاذ پر تاجروں کا ساتھ دیتے رہے ہیں لیکن جب خود اقتدار میں تھے تو ٹیکس کے نفاذ کے پرزور حامی تھے۔ یہی صورتحال اب بھی ہے کیونکہ میاں نواز شریف نے زنداں میں ہوتے ہوئے تاجروں کا ساتھ دینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ یہ متضاد رویئے یقیناً حب الوطنی کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ حالات کے دگرگوں ہونے اور ملک کے مقروض ہونے کے وہ تمام افراد بھی برابر کے ذمہ دار ہیں، جو دیانتداری سے ٹیکس ادا نہیں کرتے رہے۔ عوام کی اکثریت کا حال اور مستقبل پاکستان کی سلامتی اور خوشحالی سے وابستہ ہے۔ ہماری آنے والی نسلوں کی جانب سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم آج قربانی دے کر ان کے لئے ایک تابناک مستقبل کی تعمیر میں حصہ لیں۔ تاہم ملکی معاملات سے لاتعلقی نے تشویش ناک صورت اختیار کر لی ہے اور ایک مضبوط قلعے میں جا گزیں افراد کو قلعے کی معاشی بنیادیں کمزور ہونے کے متعلق کوئی فکر نہیں۔ خدانخواستہ اگر پاکستان کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا تو پھر یہی خوشحال تاجر نئے سرے سے ہندو کے آگے دامن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھیلائے نظر آئیں گے۔ شاید انہیں پیش آئندہ اس خطرے کا احساس نہیں۔

گزشتہ روز مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا، جہاں دو تین تاجر حضرات سے بھی ملاقات کا موقع ملا۔ ان کا ذاتی تاثر یہ تھا کہ چھوٹے تاجر ہڑتال سے تنگ آ چکے ہیں اور مزید ایک دو روز تک ان کی مزاحمت اور قوت ارادی جواب دے جائے گی۔ تاہم بڑے تاجران کا حوصلہ برقرار ہے کیونکہ وہ مزید نقصان برداشت کرنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ 5 جون کے بعد دکانیں ایک روز کے لئے کھلیں تا کہ کاروباری سرگرمی سے مزید چند روز کے لئے ہڑتال کا سامان فراہم کر لیا جائے۔ جزوی ہڑتال کا یہ سلسلہ لامحدود عرصے کے لئے جاری رہے گا۔ مذکورہ اصحاب کے بقول ٹیکس ایمنسٹی سکیم بہت اچھی شرائط پر مبنی ہے اور ہر شخص اس سے مستفید ہونا پسند کرے گا۔ بھارت میں پوشیدہ دولت کو ظاہر کرنے پر تیس فیصد ٹیکس لیا گیا تھا جب کہ حکومت پاکستان نے صرف دس فیصد ٹیکس کا مطالبہ کیا ہے، جو بہت مناسب ہے۔ البتہ اس میں چند عملی دشواریاں ہیں۔ بدقسمتی سے اہل ثروت کی نوے فیصد املاک گزشتہ حسابات میں ظاہر نہیں کی گئی تھیں۔ اب ان اثاثہ جات پر دس فیصد کے حساب سے بیک وقت ٹیکس ادا کرنے کے لئے رقوم دستیاب نہیں لہٰذا مزاحمت کا راستہ تاجروں کی معاشی مجبوری ہے۔ اگر حکومت یہ اعلان کر دے کہ ظاہر کردہ اثاثہ جات پر اس سال پانچ فیصد ٹیکس وصول کیا جائے گا جب کہ باقی پانچ فیصد اگلے مالی سال میں ادا کیا جا سکے گا تو قوی امید ہے کہ تمام متاثرہ افراد تعاون پر آمادہ ہو جائیں گے اور بخوشی اس فارمولے کو تسلیم کر لیں گے۔

اس کے علاوہ ریاستی قوت نافذہ کے استعمال کے بجائے تاجروں کے جذبہ حب الوطنی کو بھی ابھارنے کی ضرورت ہے تا کہ جو کام میٹھی گولیوں سے نکل سکتا ہے اس کے لئے رائفل کی گولیاں استعمال نہ کرنا پڑیں۔

ہمیں یقین ہے کہ باہمی افہام و تفہیم سے نہ صرف موجودہ تنازع طے پا جائے گا بلکہ مستقبل کے لئے معیشت بھی مستحکم بنیادوں پر استوار ہو جائے گی اور ہم اپنی آنے والی نسلوں کو مزید قرضوں کے بوجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

خبریں۔ 8 جون 2000ء

☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ہشتم
مضامین جو شائع نہ ہو سکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ خطوط جو شائع نہ ہو سکے

گوجرانوالہ چھاؤنی
10 اگست 96ء

فوج سے ہماری توقعات کیا ہیں؟

محترمہ نظامی صاحب! اسلام علیکم
یہ تیسرا موقع ہے کہ میں اخبار کی پالیسی کے حوالے سے خط لکھنے پر مجبور ہوا ہوں۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں نوائے وقت بطور پالیسی ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر قومی فوج کا حامی ہے جو اسلامی جذبے سے سرشار ہو لیکن سیاست سے بہر صورت دور رہتے ہوئے صرف ملکی دفاع سے تعلق رکھے۔ تاہم آپ کے قول و فعل میں نمایاں تضاد ہے۔ آج کل آپ کے تمام مضامین اور کالموں میں کسی نہ کسی حوالے سے فوج کو ملکی معاملات میں مداخلت نہ کرنے پر ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے۔ مدیر سرراہے نے تو تضاد بیانی کی حد کر دی ہے۔ چند روز پیشتر سرراہے نے مارشل لاء کے حوالے سے لکھا تھا کہ پاکستان میں یہ اقتدار تک پہنچنے کا آسان طریقہ ہے اس لیے ہندوستان کے برعکس ہمارے ہاں فوجی افسروں کی بھرتی کا کوئی مسئلہ نہیں۔ 3 / اگست کو موصوف نے تحریر فرمایا کہ ''ایک عام آدمی یہ سوال کرتا ہے کہ اگر پاکستان تباہی کے کنارے گھر جائے تو کیا فوج پھر بھی خاموش بیٹھی رہے گی؟ اور 10 اگست کے کالم میں انہوں نے ایک بار پھر فوجی ملازمت کو مارشل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاء کے حوالے سے پرکشش ثابت کیا ہے جبکہ 13 اگست کے کالم میں وہ ''جہانگیری کرامت'' دیکھنے کے متمنی دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان گئے گزرے حالات میں بھی پاکستانی فوج اسلامی جذبے سے سرشار ایک مستحکم قومی ادارہ ہے۔ میں مدیرِ سرراہے کی حس مزاح کا مداح ہوں لیکن یہ کالم تو 'باریش بابا ہم بازی' کے مترادف ہیں۔ اگر ہم اپنی قومی فوج کی تضحیک کر کے اس کے حوصلے پست نہیں کرنا چاہتے تو پھر آخر اس طرح کے ریمارک کا مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اس طرح انجانے میں دشمن کے ہاتھ مضبوط نہیں کر رہے۔ لاکھوں فوجیوں کی دلازاری کوئی مستحسن کام نہیں۔

میں نے فوج میں 32 سال ملازمت کی ہے اور 65ء کی جنگ میں ملکی دفاع کے فریضے کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ یقین جانئے ہمارے پیشِ نظر کسی طرح کی حکمرانی نہ تھی۔ آج میرا جواں سال بیٹا بھی فوج میں ہے۔ اگر خدانخواستہ قوم پر کوئی کڑا وقت آیا تو ہماری جانیں ملکی مقاصد کے حصول کے لیے وقف ہوں گی۔ یہ گفتار کے غازی تو نامعلوم کن گوشوں میں چھپے بیٹھے ہوں گے۔ میری مدتِ ملازمت میں دو مارشل لاء لگے لیکن نہ تو میں نے حکمرانی کا مزا لوٹا نہ ہی اس کی خواہش ہے۔ میرے ہم مرتبہ سینکڑوں افسروں کی یہی کیفیت ہے۔ اس طرح کی بیجا تنقید سے فوج کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ قوم ایک واضح پالیسی طے کرے کہ ملکی دفاع کے قومی ادارے سے آخر کس چیز کی توقع کی جاتی ہے اور اس کے بعد ناشائستہ تنقید سے فوج کو معاف رکھا جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ موجودہ طعن و تشنیع جاری رہی تو پھر لڑنے کے لیے آپ کو غیر ممالک سے کرائے کے فوجی نہ منگوانے نہ پڑ جائیں۔

☆☆

گوجرانوالہ چھاؤنی

26 اکتوبر 96ء

محترم پروفیسر سلیم صاحب

السلام علیکم! مورخہ 13 راگست کے کالم میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ ''ایک عام آدمی یہ سوال کرتا ہے کہ اگر پاکستان تباہی کے کنارے پر گھر جائے تو کیا فوج پھر بھی خاموش بیٹھی رہے گی؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے چند روز پہلے بھی آپ نے ''جہانگیری کرامت'' کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔تاہم چند ہفتے پہلے آپ نے فوج کو اقتدار سنبھالنے کے حوالے سے تضحیک کا نشانہ بھی اسی کالم میں بنایا تھا۔ آپ نے ہندوستانی فوج کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں فوجی ملازمت سے گریز قابلِ فہم ہے لیکن اگر انہیں پاکستانی فوج کی ملازمت ملتی تو وہ کبھی انکار نہ کرتے کیونکہ پاکستان میں فوجی افسروں کے لیے اقتدار تک پہنچنے کا یہ آسان ترین راستہ ہے۔کاش کہ آپ کو احساس ہوتا کہ آپ کے اس طرح کے بے سروپا ریمارک بحیثیت ایک قومی ادارے کے فوج کے لیے کتنے حوصلہ شکن اور ضرر رساں ثابت ہو سکتے ہیں۔ مارشل لاء جس طرح کے حالات اور مجبوریوں کا نتیجہ ہوتا ہے اس کا ادراک غیر فوجی حلقوں کے لیے بہت مشکل ہے۔ یہ فیصلہ فوج کے لیے بھی ہمیشہ ایک کڑوا گھونٹ ہی ثابت ہوا ہے۔ جس طرح آج تمام صحافی حضرات فوج کو عدم مداخلت پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنا رہے ہیں بالکل اسی طرح ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔فوج ہر دو صورت میں قربانی کا بکرا بنتی ہے اور موردِ الزام ٹھہرتی ہے۔ آپ ماشاء اللہ صاحبِ علم ہیں۔خود ہی انصاف کریں اور بتائیں کہ آخر آپ کا فوج سے مطالبہ کیا ہے؟ یہی نا کہ فوج مداخلت کرے، حکومت کو برطرف کرے اور آپ کے ممدوح کو اقتدار دلوا کر بیرکوں میں واپس چلی جائے؟ گویا فوج ایک بار پھر ماورائے آئین اقدام کرے۔ کیا آئین اس مداخلت کی اجازت دیتا ہے؟ کیا معاشی پالیسیاں، خارجہ و داخلہ امور اور حکومتی معاملات فوج کے دائرہ کار میں آتے ہیں؟ اگر ماضی میں فوج کو ایسی مداخلت پر مطعون کیا جاتا رہا ہے تو اب اسے اس غیر آئینی اقدام پر کیوں اکسایا جا رہا ہے؟ اگر فوج نے سیاست سے دوری پیدا کر لی ہے تو آپ بار بار مداخلت کی خواہش کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمیں بحیثیت مجموعی اپنے سیاستدانوں پر اعتماد نہیں اور عوام کسی نہ کسی طرح کا چیک اینڈ بیلنس دیکھنے کے متمنی ہیں۔ بحیثیت ایک ادارے کے عوام فوج پر اعتماد کرتے ہیں لیکن صحافی حضرات اور سیاستدان فوج کو کوئی آئینی کردار نہیں دینا چاہتے۔بس اسی دو عملی نے فکری خلفشار پیدا کر رکھا ہے۔ دیانتداری کا تقاضا ہے کہ آپ فوج کو سیاست کی غلاظت سے علیحدہ ہی رہنے دیں اور اپنا کام کرنے دیں۔ ملکی معاملات سیاستدان جانیں اور انہیں منتخب کرنے والے عوام۔

تاہم اگر ملکی مفاد میں ایسی مداخلت ناگزیر ہے تو پھر آئین میں مناسب ترمیم کر کے فوج کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک واضح آئینی کردار سونپ دیا جائے تا کہ فوج ہر دو صورت میں ناروا تنقید کا نشانہ نہ بنے۔ واضح رہے کہ ایسے کردار کی تفویض فوج کی اضافی ذمہ داری ہوگی نہ کہ کوئی انعام یا رعایت جیسا کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں۔

فقط والسلام

☆☆

گوجرانوالہ چھاؤنی
26/اکتوبر 96ء

محترم نذیر ناجی صاحب

السلام علیکم! میں آپ کی تحریروں کا مداح ہوں۔ تاہم اس وقت آپ کا مورخہ 24/اکتوبر کا کالم پیش نظر ہے۔ اس تحریر میں آپ نے بین السطور فوج کو مداخلت پر اکساتے ہوتے سوال کیا ہے کہ کیا دفاع کا تعلق صرف بیرونی فوج کے حملے سے ہے؟

آپ کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہے کہ حقیقتاً ایسا ہی ہے۔ افواج صرف بیرونی جارحیت کے خلاف دفاع کی ذمہ دار ہیں۔ آپ کو وقت ملے تو آئین کے آرٹیکل 243 تا 245 کا مطالعہ ضرور کریں۔ اس موضوع پر راقم الحروف کا مضمون بھی منسلک ہے جس میں آئین کی دفعات بیان کر دی گئی ہیں۔ اس سے پیشتر آپ نے ہمیشہ سیاسی معاملات میں فوج کی مداخلت کی شدید مخالفت کی ہے۔ اب قلب و نظر کی تبدیلی کیوں؟ آخر ہندوستان میں ایسے معاملات کی اصلاح کے لیے فوج کی طرف کیوں نہیں دیکھا جاتا۔ کیا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے سیاستدان نااہل ہیں اور ملکی معاملات کو درست طریقے سے چلانے کے لیے فوج کا کوئی کردار ہونا چاہیے؟

اگر یہ مفروضہ صحیح ہے تو پھر آپ فوج کو کوئی آئینی کردار دینے کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ذرا اپنے دل کو ٹٹولیے تو حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ تمام سیاستدان، اخبارات اور صحافی حضرات فوج کی مخالفت کرتے ہیں لیکن فوجی مداخلت کے متمنی بھی رہتے ہیں۔ شرائط صرف دو ہیں۔

(۱) فوج مداخلت کرے لیکن مارشل لاء نہ لگائے۔

(۲) فوج ہمارے مخالف حزبِ اقتدار کو اقتدار سے محروم کر کے ہمارے ممدوح کو اقتدار کی مسند پر بٹھائے اور بیرکوں میں واپس چلی جائے۔

چہ خوب! گویا آپ فوج کو بادشاہ گر بنانا چاہتے ہیں جبکہ ماضی میں اسی حوالے سے فوج پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناروا تنقید کی جاتی رہی ہے۔ آپ شدید فکری انتشار میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ میرا ممدوح اور محبوب آپ کے برعکس ''پاکستان'' ہے نہ کہ کوئی مخصوص سیاسی پارٹی یا گروہ۔ پاکستان کے وسیع تر مفاد میں بہتر ہوگا کہ ملکی سیاست کے ضمن میں فوج کا مستقل آئینی کردار متعین کر دیا جائے۔ دیانتداری کا تقاضا ہے کہ آپ مکمل غور وخوض کے بعد انہی خطوط پر رائے عامہ کی تربیت کریں۔

نوائے وقت میں چھپنے والے ایک خط اور روزنامہ خبریں میں چھپنے والے ایک مضمون کی نقل ارسال ہے۔ صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے انکا مطالعہ ضرور کرلیں۔ یہ مضامین راقم الحروف نے نوائے وقت میں اٹھائے گئے سوالات کے حوالے سے تحریر کئے تھے۔

فقط خیر اندیش

☆☆

گوجرانوالہ چھاؤنی

8 جنوری 97ء

محترم مجید نظامی صاحب! السلام علیکم!

آپ کا 2 رنومبر 96ء کا اداریہ پیش نظر ہے۔ راقم الحروف دو برس پیشتر 32 سالہ ملازمت کے بعد فوج سے ریٹائر ہوا۔ اب وقتاً فوقتاً فوجی حضرات سے ملاقات ہوتی ہے۔ آپ کے مذکورہ اداریئے نے بہت سے اذہان پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اگرچہ مجھے آپ کے خلوص پر شبہ نہیں اور آپ کی سوچ سراسر پاکستانی ہے۔ تاہم لاعلمی پر مبنی مضامین خاصے مضرت رساں ثابت ہو رہے ہیں۔ میں نہ تو فوج کا SPOKESMAN ہوں اور نہ ہی فوج کا دفاع میرے موجودہ فرائض کا حصہ ہے تاہم بحیثیت ایک پاکستانی کے یہ ہم سب کا فرض ہے کہ ملکی دفاع کو مضبوط نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی کمزوری کا باعث نہ بنیں۔ چونکہ آپ کا اداریہ غلط فہمیوں اور لاعلمی پر مبنی ہے لہٰذا اپنے خیالات سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لاعلمی کی بنا پر ہی سہی، آپ کے اداریئے سے پہنچنے والے نقصان کی کچھ تلافی ممکن ہو سکتی ہے اگر آپ منسلکہ مضمون شائع کر دیں تاکہ قارئین صحیح صورت حاصل سے واقف ہو سکیں۔ اگر آپ مضمون کے مندرجات سے اختلاف بھی کرتے ہوں تو اپنے اخبار کی پالیسی کے مطابق جرات رندانہ سے کام لے کر میرا نقطہ نظر بھی پیش کر دیں۔

اس سلسلے میں کوئی بھی وضاحت درکار ہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔

آپ کا مخلص

حامد سعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دفاعی امور اور غیر محتاط صحافتی رویہ

(یہ مضمون نوائے وقت کے اداریئے کے جواب میں لکھا گیا تھا لیکن شائع نہیں کیا گیا)

قلم کا گھاؤ تلوار کے گھاؤ سے زیادہ گہرا اور دیر پا ہوتا ہے۔ تلوار کا لگایا ہوا گھاؤ بھرنے کے امکانات تو موجود رہتے ہیں لیکن قلم کے غلط استعمال سے لگائے گئے زخم کا مکمل اندمال ایک ناممکن امر ہے۔ بنابریں پیشہ ور قلمکاروں کے لیے احتیاط از بس ضروری ہے کہ کہیں وہ انجانے میں دفاعی اداروں کو نقصان پہنچانے کا موجب نہ بن جائیں۔

راقم الحروف نے اپنے ایک گزشتہ مضمون میں ایسے صحافی حضرات کو ''دشمن کے معصوم گماشتے'' کے نام سے پکارا تھا۔ اس کے بعد سے ملکی اخباروں میں چھپنے والے مضامین سے یہ تاثر مزید گہرا ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے معیاری اخبارات بھی ملکی مفاد کے خلاف کام کرنے اور جذبات ابھارنے کا موجب بن رہے ہیں۔ زیر نظر مضمون کا محرک نوائے وقت کا اداریہ ہے۔ اداریہ نویس نے اداریئے میں بزعم خویش دفاعی اخراجات کم کرنے کے لیے کچھ متبادل تجاویز دی ہیں۔ دفاعی ادارے اسی ملک کے عوام کے دیئے ہوئے ٹیکس پر پلتے اور ترقی کرتے ہیں لہٰذا ان کو مقدس گائے کا درجہ دینا پیش نظر نہیں۔ مثبت تنقید کرنا اور تعمیری تجاویز دینا ہر شہری کا حق ہے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ حقائق معلوم کیے جائیں اور بے سروپا مفروضوں کو بنیاد بنا کر تنقید برائے تنقید نہ شروع کر دی جائے۔ خصوصاً اداریہ کسی بھی اخبار کی پالیسی کا آئینہ دار اور نقطہ نظر کا غماز ہوتا ہے لہٰذا اس کی بنیاد غلط مفروضوں پر نہیں رکھنی چاہیے۔

مذکورہ اداریہ نویس نے یہیں پر پہلی ٹھوکر کھائی ہے۔ موصوف نے تحریر کیا ہے کہ ''یہ تاثر عام ہے کہ'' اس کے بعد ایک غلط تاثر کی تشریح کی گئی ہے۔ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ فوج میں لڑاکا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عناصر میں کمی ہو رہی ہے اور غیر لڑاکا عناصر کی شرح بڑھ رہی ہے۔ مزید تاثرات درج ذیل ہیں:

(۱) دفاعی بجٹ کا بڑا حصہ جوانوں کی تربیت اور اسلحے کی خرید کی بجائے افسروں کی مراعات پر خرچ ہو رہا ہے۔ خدمتگاروں کی تنخواہوں اور میسوں و MESSES افسروں کی رہائش گاہوں پر اخراجات ہو رہے ہیں۔

(۲) کمیشن کی خاطر سستے اور معیاری اسلحے کی بجائے مہنگا اور غیر معیاری اسلحہ خریدا جا رہا ہے۔

(۳) جوان بہت مشکل پسند اور جذبہ ایثار قربانی سے سرشار ہیں افسروں کو ان کی تقلید کرنی چاہئے۔

(۴) افسروں کی مراعات اور سہولتوں میں کمی کی جانی چاہئے۔

(۵) زمانہ امن میں فوج کے مواصلات اور انجینئرنگ میں مہارت رکھنے والے شعبے سڑکیں اور پل تعمیر کریں۔ مزید برآں فصلیں اگا کر اور جانور پال کر اپنی آمدنی میں اضافہ اور اخراجات میں کمی کریں۔

مندرجہ بالا مشاہدات اور تجاویز کے مضمرات کو نظر انداز کر دیا جائے تو بظاہر تو یہ منطقی ہی دکھائی دیں گی۔ تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جن تاثرات کو ان تجاویز کی بنیاد بنایا گیا ہے وہ درست بھی ہیں یا نہیں۔

فاضل اداریہ نگار نے یہ جاننے کی کوشش تو کی ہوگی کہ حقائق ہیں کیا؟ عام قارئین کی دلچسپی کی خاطر ان تجاویز و مشاہدات کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔

(۱) باورچی اور دھوبی کی ہمہ وقت خدمات صرف جوانوں کو مہیا کی جاتی ہیں۔ زمانہ امن میں دھوبی ٹھیکیدار مقرر کئے جاتے ہیں جو طے شدہ نرخوں پر جوانوں کی یونیفارم اور کپڑے دھوتے ہیں۔ افسر صاحبان نقد ادائیگی پر اپنے کپڑے دھلواتے ہیں۔ افسر میس میں باورچی ایک مخصوص سکیل کے مطابق بھرتی کیے جاتے ہیں اور اس تعداد میں کبھی اضافہ نہیں ہوا بلکہ بتدریج کمی ہی ہوئی ہے۔

(۲) فوج میں اردلی، خدمتگار اور پروٹوکول ڈیوٹی نام کے کوئی پیشے نہیں بلکہ ہمہ وقت لڑاکا سپاہی باری باری اردلی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اردلی وردی تیار کرنے کے علاوہ چھوٹے موٹے دیگر فرائض سرانجام دیتا ہے تاکہ افسر ہمہ وقت کسی بھی ڈیوٹی کے لیے مہیا ہو سکے۔ فوج کی جنگی صلاحیت بڑھانے کی خاطر باقاعدگی سے ریویو بورڈ سفارشات مرتب کرتے ہیں جن کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روشنی میں افرادی قوت میں ممکنہ حد تک کمی کی جاتی ہے اور جنگجو افراد میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

(۳) میس تمام غیر شادی شدہ افسروں کا مشترکہ گھر کہلاتا ہے۔ یہ کوئی ہوٹل یا کلب نہیں بلکہ یک تربیتی ادارہ ہے جہاں افسر کی ذہنی اور معاشرتی تربیت ہوتی ہے۔ اس ادارے کے تقدس کو برقرار رکھا جاتا ہے اور قواعد وضوابط کی سختی سے پابندی کرائی جاتی ہے۔ فوجی جوان کو کھانا سرکاری خرچ پر مہیا کیا جاتا ہے جبکہ افسر ایک مقرر شدہ مینو کے مطابق کھانا کھاتے اور اس کا بل ادا کرتے ہیں۔ میس کی آرائش وزیبائش کا خرچ بھی جزوی طور پر افسر اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ ہر نیا افسر میس میں اپنی طرف سے تحفتاً کوئی ٹرافی، فرنیچر یا آرائشی چیز پیش کرتا ہے اور یوں اس ادارے کے اثاثے بڑھتے رہتے ہیں جن سے بعد میں آنے والے مستفید ہوتے ہیں۔ چھاؤنیوں کا صاف ستھرا ماحول افرادی قوت کا مرہون منت ہے نہ کہ مالی وسائل کا۔

(۴) فوج میں ماتحت سے کسی ایسے کام کی توقع نہیں کی جاتی جو کہ افسر اس سے بہتر انداز میں خود کر کے نہ دکھا سکتے ہوں۔

فوج وہ واحد ادارہ ہے جو قیادت کے اصول پر چلتا ہے۔ قیادت افسر مہیا کرتے ہیں اور جوان ان کی تقلید کرتے ہیں۔ افسر کا ماٹو ہے کہ ''میں مثال قائم کرتا ہوں تم تقلید کرو''

تربیت کی جن کڑی منزلوں سے افسر گزرتا ہے ہمارے جوان اس سختی کا عشر عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جوان تربیتی مرکز میں تین سے پانچ ماہ تک تربیت حاصل کرتا ہے۔ افسر ملٹری اکیڈیمی میں اڑھائی سال تک سخت ترین ذہنی اور جسمانی تربیت حاصل کرتا ہے اور بعد ازاں پوری سروس کے دوران بھی آسان کوشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اداریہ نگار کی مضحکہ خیز تجویز کہ افسر بھی جوانوں کی تقلید کریں گویا گاڑی کو گھوڑے کے آگے باندھنے کے مترادف ہے۔

(۵) فوجی ساز وسامان کی خریداری وزارت دفاع کے توسط سے ہوتی ہے۔ فوجی قیادت کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ محدود بجٹ میں سے کم سے کم قیمت پر بہتر سے بہتر دفاعی سامان خریدا جائے۔ تاہم صرف سستا ہونے کی بنا پر غیر معیاری اور فرسودہ اسلحہ خریدنا ملکی مفاد میں نہیں۔

(۶) افسروں کے انتخاب کا ایک انتہائی کڑا اور منصفانہ نظام ہے۔ اگر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے حامل افراد مطلوب ہیں تو انہیں پرکشش تنخواہ بھی دینا پڑے گی ورنہ وہ فوج کی پر صعوبت ملازمت کیوں اختیار کریں گے؟ تاہم اداریہ نگار کو غالباً علم نہیں کہ فوج کے اعلیٰ ترین افسر کی تنخواہ بھی موصوف کی اپنی تنخواہ سے کہیں کم ہے۔ ایک لیفٹیننٹ کی موجودہ تنخواہ ایک پرائیوٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیڈولڈ بینک کے قاصد سے بھی کم ہے۔اس کمی کو پورا کرنے کے لیے فوج کا ادارہ بغیر کسی اضافی خرچ کے کچھ مراعات اور سہولتیں فراہم کرتا ہے۔لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک احساس تفاخر پیدا کرتا ہے کہ ہم ملک کے محافظ ہیں اور یہ غریب ملک ہماری تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافے کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس ملک کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم بغیر تنخواہ کے بھی اس کا دفاع کریں۔تو فوج تو اس جذبے سے سرشار ہے اور ہمارے صحافی حضرات معمولی مراعات بھی سلب کرنا چاہتے ہیں ؎

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اگر غیر معمولی مراعات کا نام بھی بتا دیا جاتا تو بہتر ہوتا تا کہ اداریہ نگار کا نقطہ نظر سمجھنے میں آسانی رہتی۔

(۷) فوج کے ادارے این ایل سی اور ایف ڈبلیو او (FWO) پہلے ہی تعمیراتی کاموں میں مصروف ہیں۔ملک کی تمام معیاری سڑکیں انہی اداروں کی لگن، دیانت اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔البتہ اداریہ نویس کی سبزیاں اگانے اور جانور پالنے کی تجویز محلِ نظر ہے۔انہیں علم ہی نہیں کہ زمانہ امن میں فوج بیکار نہیں بیٹھی رہتی بلکہ پورا سال جانکاہ تربیت کے مراحل میں سے گزرتی ہے۔اگر جنگی تربیت کو پسِ پشت ڈال کر سبزیاں اگانی شروع کر دی جائیں تو جنگ کے لیے تربیت یافتہ فوج کہاں سے آئے گی؟ اداریہ نویس غالباً یہ چاہتے ہیں کہ سرسبز کھیتوں اور باغات میں دشمن کو استقبالیہ دیا جائے!

فوج کا ماٹو ہے کہ (Train hard fight easy) 65ء کی جنگ میں راقم الحروف نے بھی حصہ لیا۔خدا شاہد ہے کہ سخت جنگی تربیت کی بدولت وہ جنگ بچوں کا کھیل ہی دکھائی دیتی تھی۔آخر موصوف کس بنا پر فوج کو زمانہ امن میں اس ٹریننگ سے بھی محروم رکھنا چاہتے ہیں؟

یہ تو تھا مشاہدات اور تجاویز کا تجزیہ۔اب غور کیجئے کہ اس اداریئے کے منفی اثرات کہاں کہاں مرتب ہوئے ہیں۔ایک تو یہ کہ جوانوں کے ذہن میں ایک غلط بات ڈالی گئی کہ ان کی تربیت اور اسلحہ خریدنے کی بجائے دفاعی بجٹ افسروں کو مراعات فراہم کرنے پر ضائع کیا جا رہا ہے۔دوسرے یہ کہ جوان تو مشکل پسند ہیں لیکن افسر سہل انگار ہیں۔کیا اس سے طبقاتی انتشار پیدا کرنا مقصود ہے یا قیادت کا بحران؟ تیسرے یہ کہ لاعلمی پر مبنی غلط تاثر کو اداریئے کا موضوع بنا کر پوری قوم کا اپنی فوج پر اعتماد متزلزل کیا گیا ہے۔اسے کہتے ہیں ''بازی بازی باریشِ بابا ہم بازی'' اگر اسی پر بس کیا جائے تو یہ بھی ناقابلِ تلافی جرائم ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دفاعی امور تخصیص کار یعنی Specialization کے متقاضی ہیں اور ہر قلم کار ان کی باریکیاں نہیں سمجھ سکتا۔ بہتر ہوگا کہ جو حضرات دفاعی اداروں پر کچھ تحریر کرنا چاہیں وہ ان اداروں کے متعلق کماحقہٗ علم حاصل کریں اور اپنی تحریروں کے نتائج اور عواقب پر دوبارہ سہ بارہ غور کرنے کے بعد انہیں پریس میں جانے دیں۔ اس کا بہتر متبادل یہ ہے کہ ایسے مضامین کے لیے ان اشخاص سے رجوع کریں جنہیں دفاعی امور کا علم اور تجربہ حاصل ہے۔ اگر اس تجویز کے برعکس نیم پختہ مضامین خلوص نیت سے بھی لکھے گئے تو فائدے کی بجائے الٹا نقصان کا موجب ہوں گے۔ الحمد للہ کہ پاک فوج کے افسر اور جوان بدر و حنین کی روایات کے امین ہیں اور نشانِ حیدر و ستارۂ جرأت ان کے لیے نشان منزل ہیں۔ ہمارے فوجی افسر قیادت کی اعلیٰ مثالیں اپنی جان وطن پر نچھاور کر کے قائم کر چکے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی اپنے شاندار ماضی سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ صحافی حضرات مئے شہادت کے متمنی سرفروشوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو بہتر ہوگا۔

وماعلینا الا البلاغ

پس نوشت

فوج نے معرکہ کارگل میں اپنے خون سے عزم و ہمت کی نئی داستانیں رقم کر کے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ ہماری فوج جن روایات کی امین ہے ان کو زندہ رکھنے اور مزید بہتر روایات قائم کرنے کی اہلیت بھی رکھتی ہے۔ ہمارے افسروں کی شہادت کی شرح اس مرتبہ بھی اقوام عالم کی افواج کی شرح سے بدرجہا اونچی تھی اور نوجوان افسروں نے وطن عزیز پر اپنی جانیں نچھاور کر کے قیادت کا اعلیٰ ترین معیار قائم کیا ہے۔

☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

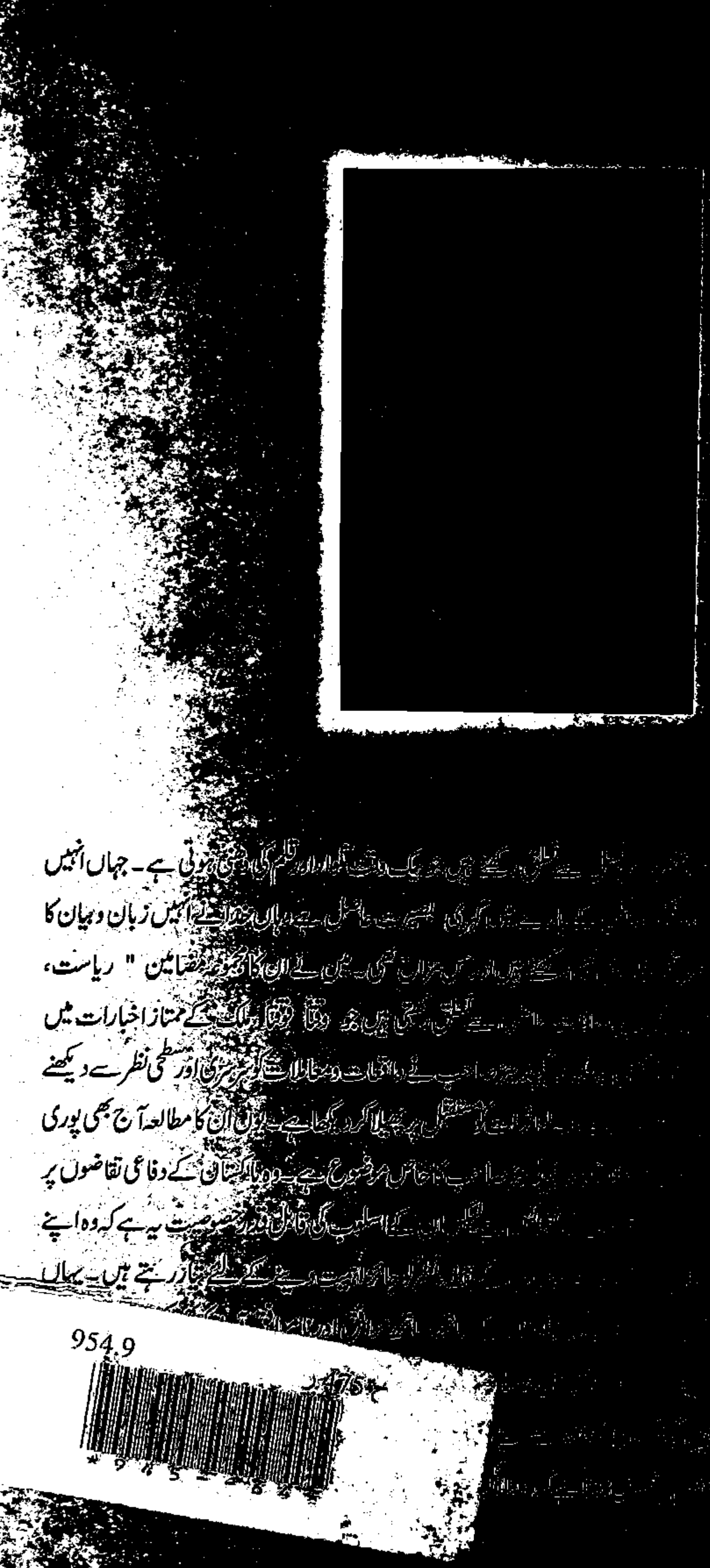

[illegible] اور قلم کی دھنی ہوتی ہے۔ جہاں انہیں
[illegible] وہاں خدا نے انہیں زبان و بیان کا
[illegible] ان کا مجموعہ مضامین " ریاست،
[illegible] وقتاً فوقتاً ملک کے ممتاز اخبارات میں
[illegible] و معاملات کو سرسری اور سطحی نظر سے دیکھنے
[illegible] پر پھیلا کر دیکھا ہے۔ یوں ان کا مطالعہ آج بھی پوری
[illegible] کا خاص موضوع ہے۔ وہ پاکستان کے دفاعی تقاضوں پر
[illegible] ان کے اسلوب کی قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے
[illegible] کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یہاں
[illegible]

954.9

Rs. 475/-

محمد حنیف رائے